جہانِ قائدِ اعظم

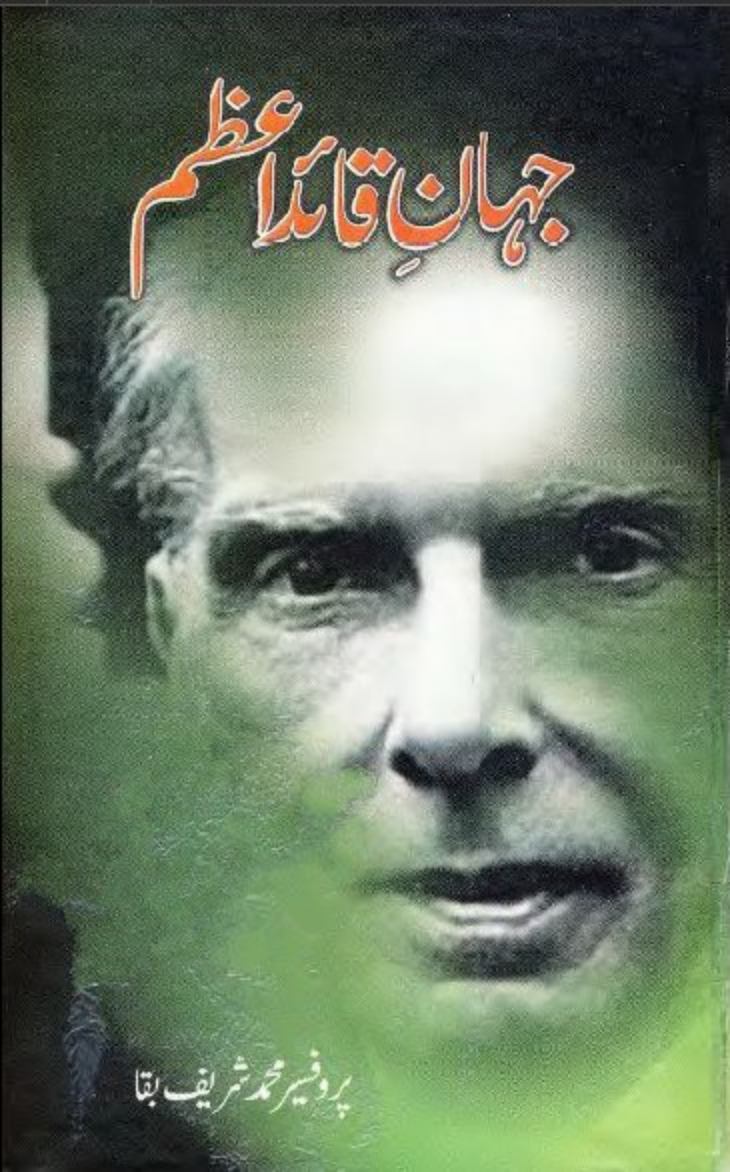

پروفیسر محمد شریف بقا

جہانِ قائداعظمؒ

محمد شریف بقا

مکتبہ تعمیرِ انسانیت
غزنی سٹریٹ
اُردو بازار : لاہور

حُسنِ ترتیب

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ناشر	:	محمد سعید اللہ صدیق مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور
مطبع	:	عرفان افضل پرنٹرز، لاہور
طبع	:	اوّل ۲۰۱۴ء
قیمت	:	۳۰۰ روپے

۱۔	کیا قائداعظم سیکولر ریاست کے حامی تھے؟	11
۲۔	گاندھی..... قائداعظمؒ کی نظر میں	19
۳۔	قائداعظمؒ اور فلاحی ریاست	25
۴۔	قائداعظمؒ اور ہندو راج کی مخالفت	32
۵۔	قائداعظمؒ کا ایک اہم فرمان	38
۶۔	قیامِ پاکستان..... قائداعظمؒ کی نظر میں	44
۷۔	قائداعظمؒ کی وکالتِ پاکستان	51
۸۔	قائداعظمؒ کا پیغام نوجوانوں کے نام	56
۹۔	محمد علی جناحؒ وکیل کی حیثیت سے	62
۱۰۔	قائداعظمؒ کا نظریہ پاکستان	71
۱۱۔	قائداعظمؒ کا نظریہء تقسیمِ ہند	81
۱۲۔	قائداعظمؒ کا نظریہء طاقت	89
۱۳۔	عیدالفطر..... قائداعظمؒ کی نظر میں	96

۱۴۔	قائداعظمؒ اور پاکستان کی نظریاتی اساس	105
۱۵۔	قائداعظمؒ...... ایک پُرعزم شخصیت	113
۱۶۔	قائداعظمؒ اور اپنے سیاست دان	118
۱۷۔	قائداعظمؒ کی حقیقی مسلم لیگ	123
۱۸۔	قائداعظمؒ اور مسلم نوجوان	129
۱۹۔	قائداعظمؒ اور عظمتِ رفتہ کی بحالی	134
۲۰۔	دفاعِ پاکستان اور قائداعظمؒ	139
۲۱۔	امن و صلح قائداعظم کی نظر میں	143
۲۲۔	قائداعظمؒ اور پاک و ہند کی اقلیتیں	146
۲۳۔	ذکررسولؐ اور محمد علی جناحؒ	149
۲۴۔	آزادیٔ پاکستان اور قائداعظمؒ	154
۲۵۔	قیامِ پاکستان اور فلاحِ عامہ	157
۲۶۔	پاکستان اور قومی سیادت کا معیار	160
۲۷۔	قائداعظمؒ...... اپنی نظر میں	163
۲۸۔	جناحؒ کا تصورِ قرآن	166
۲۹۔	قائداعظمؒ کا درسِ خودی	169
۳۰۔	علامہ اقبالؒ...... قائداعظمؒ کی نگاہ میں	172
۳۱۔	قائداعظمؒ کا نظریۂ مسلم لیگ	175
۳۲۔	قائداعظمؒ کی ایک متنازعہ تقریر	180
۳۳۔	تصورِ پاکستان اور اقبالؒ و جناحؒ	184
۳۴۔	دوقومی نظریہ اور قراردادِ پاکستان	188
۳۵۔	پاکستان اور نظریاتی استحکام کی ضرورت	192
۳۶۔	Pakistan and its Economic	199
۳۷۔	اقبالؒ، قائداعظمؒ اور چوہدری رحمت علیؒ کے مشترک نظریات	204
۳۸۔	Quaid-Azam's Message to Muslim Students	209
۳۹۔	جداگانہ قومیت [illegible]	214
۴۰۔	محمد علی جناحؒ اور مسلم لیگ	219
۴۱۔	قائداعظم کا پاکستان	225
۴۲۔	قائداعظم کا تصورِ اسلام	230
۴۳۔	محمد علی جناحؒ اور ملکی ترقی کا تصور	236
۴۴۔	Pakistan Struggle- The Economic Aspect	248
۴۵۔	بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ	251
۴۶۔	قیامِ پاکستان کا ایک اہم پہلو	254
۴۷۔	قائداعظمؒ کے اقتصادی نظریات	257
۴۸۔	آزادیٔ پاکستان	262

کیا قائداعظمؒ سیکولر ریاست کے حامی تھے؟

آج کل پاکستان میں یہ امر تنازعہ طلب بنایا جارہا ہے کہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے کے حق میں تھے یا وہ اسے سیکولر ریاست بنانے کے خواہاں تھے۔ دشمنانِ اسلام اور غیر اسلامی نظریۂ حیات کے علمبردار متفقہ امور اور تاریخی حقائق کو آئے دن مسخ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ اس طرح عوام الناس کے ذہنوں میں انتشار پیدا کر کے انھیں اسلامی نظامِ زندگی اور پاکستان کے اساسی تصورات سے دُور کر دیں۔ وہ مسلّمہ قومی نظریات کی بھی غلط تاویل کر کے مسلم عوام کے دلوں میں شکوک وشبہات اُبھار کر اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کے درپے رہتے ہیں۔ کچھ حضرات جہالت اور تاریخی حقائق سے لاپروائی کی بنا پر اور اکثر مخالفین دیدہ ودانستہ اپنی تحریر وتقریر میں اس طرح کے بے بنیاد اور غیر حقیقت پسندانہ افکار کو فروغ دینے پر مصروف نظر آتے ہیں۔ قیامِ پاکستان کی تحریک زیادہ پرانی نہیں کہ لوگوں کو گمراہ کیا جائے۔ پاکستان کا قیام بیسویں صدی میں اسلامیانِ ہند کی بھرپور اور والہانہ مساعی کا ثمرہ ہے۔ قیامِ پاکستان سے متعلق قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اسلامی تصورات اور تاریخی بیانات کی چند جھلکیاں یہاں ہدیۂ قارئین کی جاتی ہیں تاکہ وہ خود اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکیں کہ بانیٔ پاکستان، مملکتِ پاکستان میں کس قسم کے نظام اور افکار کی ترویج واشاعت کے حامی تھے۔ میری رائے میں مندرجہ ذیل امور اس غلط فہمی اور کج بینی کو رفع کر سکیں گے کہ وہ پاکستان میں ایک سیکولر (secular) یعنی لادین ریاست کے حامی تھے۔

پاکستان کا مطلب کیا؟

کیا یہ حقیقت نہیں کہ قیامِ پاکستان سے پیشتر برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے لبوں پر ہمیشہ یہ نعرہ ہوتا تھا؟ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ''۔ اس دور میں ابھی اُن مسلمانوں

کی غالب اکثریت زندہ ہے جنھوں نے خود یہ نعرہ لگایا تھا۔ یہ بات ابھی تک ان کے دل و دماغ میں پوری طرح مرتسم ہے۔ قائداعظمؒ نے ہمیشہ عوام کی خواہشات کا احترام کیا تھا۔ انھوں نے بھی اس عوامی مطالبہ کی پوری پوری حمایت کر کے قیامِ پاکستان کو ممکن بنا دیا تھا۔ کیا 'لا اِلٰہ' کا پیش کردہ نظام سیکولر ریاست کے قیام کی تائید کرسکتا ہے؟ انسان کے بنائے ہوئے قوانین اور عوامی حاکمیت کی بجائے اسلام ضابطۂ خداوندی اور خدا کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے۔

قرآنی ہدایت

بانیٔ پاکستان ہمیشہ قرآنی ضابطۂ حیات کی ہمہ گیر اہمیّت و افادیت کے معترف تھے۔ وہ قرآنی احکام کو پاکستان کی اساس بنانے کے زبردست حامی تھے۔ علاوہ ازیں وہ قیامِ پاکستان کو مسلمانوں کی شاندار روایات اور اسلاف کے زرّیں کارناموں کے تحفظ کا ایک ذریعہ خیال کرتے تھے۔ انھوں نے شمال مغربی سرحدی صوبہ کے طلباء کی فیڈریشن میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''تم لوگوں نے مجھ سے پیغام دینے کی خواہش کی ہے۔ میں تمھیں کیا پیغام دے سکتا ہوں۔ قرآنِ حکیم میں ہماری راہنمائی اور ذہنی جلا کے لئے عظیم ترین پیغام موجود ہے۔ آیئے ہم اس عظیم نصب العین کو عملی جامہ پہنائیں۔ آیئے ہم اپنی خداداد صلاحیتوں کو صحیح سمت میں استعمال کریں..... پاکستان کا یہی مقصد ہے۔ اگر ہم اس مقصد کے لئے متحد، منظم اور وفادار رہے تو وہ وقت دُور نہیں جب ہم اپنے مقصد کو حاصل کر کے اپنے آپ کو اسلاف کے حیرت انگیز اور شاندار ماضی کا حامل ثابت کرسکیں گے''۔ (4/اپریل 1943ء)

جداگانہ مسلم قومیت اور علیحدہ مملکت

ہندو لیڈروں اور ان کی سیاسی جماعت کا یہ نظریہ تھا کہ مسلمان کوئی علیحدہ قوم نہیں کیونکہ وہ ایک ہی ملک کے باسی ہیں۔ محمد علی جناحؒ اور اس سے قبل شاہ ولیؒ اللہ، سرسید احمد خاںؒ اور علامہ اقبالؒ ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ قومیں قرار دے چکے تھے۔ دو قومی نظریہ کے تحت ہندو اور مسلمان دو الگ اقوام کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے محمد علی جناحؒ نے بھی علامہ اقبالؒ کی ہم نوائی کرتے ہوئے جداگانہ مملکت کا تصور پیش کیا۔ اہلِ کفر اور اہلِ اسلام ہرگز ایک اُمت تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔ اس ضمن میں محمد علی جناحؒ کا نظریہ ملاحظہ ہو۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک تاریخی اجلاس میں قراردادِ پاکستان سے متعلق لاہور میں اپنی تقریر میں کہا تھا:

''قومیت کی کسی بھی تعریف کی رُو سے مسلمان ایک قوم ہیں اس لئے انھیں اپنا الگ وطن، ریاست اور حکومت کا مالک ہونا چاہیئے۔ ہم آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور یگانگت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے لوگ اپنے نصب العین اور بہترین انداز کے مطابق اپنی روحانی، ثقافتی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی زندگی کو پوری طرح نشوونما دے سکیں''۔ (آل انڈیا مسلم لیگ لاہور اجلاس، مارچ 1940ء)

اسی اجلاس میں انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے چند نمایاں ترین اختلافات کو جداگانہ قومیت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے کہا:

''ہندو اور مسلمان دو مختلف فلسفوں، سماجی عادات اور ادب سے تعلّق رکھتے ہیں۔ وہ نہ تو آپس میں شادیاں کرتے ہیں اور نہ ہی وہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ اصل میں ان کا تعلّق دو مختلف تہذیبوں سے ہے جو زیادہ تر متصادم نظریات و افکار پر مبنی ہیں۔ زندگی اور اس کے گوناگوں پہلوؤں کے بارے میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان مختلف تاریخی ذرائع سے متاثر ہیں۔ ان کی رزمیہ نظمیں، مشاہیر اور واقعات مختلف ہیں۔ عام طور پر ایک کا ہیرو دوسرے کا دشمن ہے۔ اسی طرح ان کی فتوحات اور شکستیں بھی مختلف ہیں۔ ایسی دو مختلف قوموں کو اکثریت/اقلیت کے طور پر ایک ہی ریاست میں اکٹھا رہنے پر مجبُور کرنے سے سماج اور حکومت کی تباہی اور بے چینی جنم لے گی--- میں ذاتی طور پر بڑی دیانت داری اور خلوص کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت میں یقین رکھتا ہوں۔ میں اتحاد کے حامی مسلمان لیڈروں پر بھی بھروسہ کرتا ہوں لیکن آپ قرآن اور حدیث کے احکام کے بارے میں کیا کہیں گے؟ اِن لیڈروں کے اقوال قرآن و حدیث پر تو برتری نہیں رکھتے''۔ (آل انڈیا مسلم لیگ لاہور اجلاس، مارچ 1940ء)

اگر پاکستان میں اسلامی ریاست کا قیام مقصود نہ ہوتا تو پھر ہندوستان میں رہنے پر قناعت ہوسکتی تھی۔

ہندو مسلم اتحاد کا خواب

تاریخی حقائق سے یہ بات ثابت ہے کہ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ہمیشہ ہی ہندو مسلم اتحاد کے لئے ان تھک کوشش کی تھی۔ کانگرس کی رکنیت کو چھوڑنے کے بعد بھی وہ مسلم لیگ میں رہ کر ہندوؤں اور مسلمانوں کو ہندوستان میں برطانوی راج کے خلاف متحد کرنے کی بار بار کوشش کرتے رہے۔ گول میز کانفرنس کے انعقاد میں ان کی مخلصانہ مساعی کو بہت زیادہ دخل تھا۔ جب برطانوی راج کے خلاف ہندو لیڈروں اور ان کے ہم نواؤں نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک شروع کی اور آنجہانی گاندھی نے جیل سے رِہا ہونے کے بعد ان سے ملاقات کی خواہش کی تو انھوں نے سیاسی اختلافات کے باوجود انھیں اپنے گھر مدعو کیا تھا تاکہ اب بھی انگریزوں کی ظالمانہ اونفاق پرور حکومت کے خلاف ہندو اور مسلم متحد ہوسکیں لیکن ان کا یہ دیرینہ خواب اب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ علاوہ ازیں دیگر متعدد مواقع پر ہندوؤں کا تعصب اور مسلم دشمنی کا جذبہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے سازگار نہ ہوسکے۔ جب ان پر بخوبی واضح ہوگیا کہ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مل جل کر رہنا ناممکن ہے تو انھیں علامہ اقبالؒ کے اس تصور میں کشش اور صداقت محسوس ہوئی جس میں مسلمانانِ ہند کے لئے جداگانہ خطۂ زمین تجویز کیا گیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے لاہور میں منعقد ہونے والے تاریخی اجلاس (23 مارچ 1940ء) میں پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ اسلامیانِ ہند کے لئے جداگانہ علاقے کا مطالبہ کردیا جس کی مسلمانوں نے پُرجوش تائید کی۔ ہندو مسلم اتحاد سے متعلق قائداعظم محمد علی جناحؒ کے چند خیالات ملاحظہ ہوں:

> ''میں دیانت داری اور خلوص کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی موزونیت اور ضرورت میں یقین رکھتا ہوں۔ میں اس بارے میں مسلمان راہنماؤں میں بھی پورا اعتماد رکھنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن قرآن وحدیث کے احکام کے بارے میں کیا کیا جائے۔ یہ راہنما قرآن وحدیث کے احکام پر تو فوقیت نہیں رکھتے''۔

قرآنِ حکیم میں کفر اور اسلام کی بنیاد پر کفار اور مسلمین کو دو مختلف نظریۂ حیات کے حامل گروہ قرار دیا گیا ہے۔ کفر کبھی اسلام کے غلبہ اور برتری کے لئے مدد ومعاون ثابت نہیں ہوسکتا۔ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ''مومنوں کو چاہیئے کہ وہ

مومنین کے سوا کافروں کو اپنا دوست خیال نہ کریں''۔ حدیث میں بھی ہے: اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ (کفر یعنی کفار ملتِ واحدہ ہیں)۔ ان حالات میں انگریزوں کے جانے کے بعد مسلمانانِ ہند کفار سے دوستی کی کیا اُمید رکھ سکتے تھے۔ ہندوستان میں موجودہ مسلمانوں کے ناگفتہ بہ سماجی، سیاسی، تعلیمی، ثقافتی اور اقتصادی خراب حالات اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ آئے دن ہندوستان کی نام نہاد متعصب ہندو حکومت مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتی رہتی ہے۔ اچھوتوں کے ساتھ بھی جو سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ علاوہ ازیں حال ہی میں سکھوں کے خون کو جس طرح بہایا گیا ہے وہ سب دنیا پر ظاہر ہوچکا ہے۔ اگر پاکستان کے مسلمان بھی علیحدہ وطن کے مالک نہ ہوتے تو ان کی حالت بھی زبوں ہوتی۔

شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ

نہ صرف حصولِ پاکستان کے بعد بلکہ قیامِ پاکستان سے پیشتر بھی مسلمانانِ پاکستان کا یہ نامور اور مخلص زعیم شریعتِ اسلامیہ کو پاکستان کے آئین کی اساس بنانے کا اعلان کرتا رہا۔ علامہ اقبالؒ کی طرح وہ بھی قرآنی نظامِ حیات کے داعی تھے۔ اس بارے میں ان کی وہ تقریر یادگار ہے جو انھوں نے 25 جنوری 1948ء کو عید میلادِ النبیؐ کے موقع پر کراچی میں کی تھی۔ اس تقریر میں انھوں نے فرمایا تھا:

> ''کون کہتا ہے کہ پاکستان کے آئین کی اساس شریعت پر نہیں ہوگی۔ جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں وہ فتنہ پرور ہیں..... اسلام صرف چند رسوم، روایات اور مذہبی اصولوں کا نام نہیں بلکہ مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی اور دوسرے مسائل کے حل کے لئے ایک مکمل دستورِ حیات ہے''۔

اقبالؒ کے نظریۂ ریاست سے اتفاق

علامہ اقبالؒ اپنے عمیق مطالعہ ومشاہدہ کی بنا پر اس نتیجے پر کافی عرصہ پہلے پہنچ چکے تھے کہ ہندو اور مسلم دو مختلف اقوام ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ دیر تک پُرامن زندگی نہیں گزار سکتے۔ اس لئے انھوں نے یہ فرمایا تھا:

> ''انڈیا ایک ایسا براعظم ہے جس میں مختلف قوموں، مختلف زبانوں اور مختلف مذہبوں کے حامل بستے ہیں۔ یکسانیت کے تصور پر کسی آئین کی بنیاد رکھنا اسے خانہ جنگی کے لئے تیار کرنا ہے۔ اس لئے میں اسلام اور انڈیا کے بہترین

مفاد کے مدِنظر ایک ملحقہ مسلم ریاست کی تشکیل کا مطالبہ کرتا ہوں''۔ (خطبۂ الٰہ آباد 1930ء)

علامہ اقبالؒ نے اپنے چند خطوط میں بھی بانیٔ پاکستان کو یہی مسلک اختیار کرنے کا پُرخلوص مشورہ دیا تھا جسے بعد ازاں انھوں نے صحیح سمجھتے ہوئے اختیار کرلیا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے محمد علی جناحؒ کو چند بے حد اہم سیاسی خطوط تحریر کئے تھے جنہیں بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔ بانیٔ پاکستان نے اس کتاب کا دیباچہ تحریر کیا تھا۔ تحریکِ پاکستان کے بنیادی مقاصد کو جاننے کے لئے ان خطوط کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس دیباچہ میں قائداعظمؒ نے علامہ اقبالؒ کی قومی خدمات' سیاسی بصیرت اور خلوص کو سراہتے ہوئے کہا ہے:

''میرے خیال میں اقبالؒ کے یہ خطوط بہت زیادہ تاریخی اہمیّت کے حامل ہیں خصوصاً وہ خطوط جو مسلمانانِ ہند کے سیاسی مستقبل کے بارے میں ان کے واضح اور غیر مبہم نظریات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے اور میرے نظریات اس بارے میں کافی حد تک ہم آہنگی رکھتے ہیں''۔ (اقبالؒ کے خطوط جناحؒ کے نام' دیباچہ از محمد علی جناحؒ)

ملتِ اسلامیہ کے یہ دو مخلص' دُوراندیش اور ہمدرد قائد مسلمانانِ ہند کو نہ صرف انگریزوں بلکہ ہندوؤں کی متوقع غلامی سے بچانے کے لئے انتھک کوشش کرتے رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ آپس میں خط و کتابت بھی کرتے رہے۔ وہ بڑی فراخ دلی کے ساتھ ایک دوسرے کی عزت و احترام کرتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی اسلام دوستی' ملّت پسندی' حریت خواہی' سیاسی بصیرت اور خلوص کی بدولت مسلمانانِ ہند کو آزادی کی نعمت حاصل ہوئی۔ ان دونوں کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانا تھا تاکہ مسلمان آزادی کے ساتھ اپنی اسلامی روایات کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔

بانیٔ پاکستان کے اسلامی تصورات کی جھلکیاں

مملکتِ پاکستان کو اسلامی اصولوں کے ماتحت چلانے کے لئے قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کئی تقریریں کیں۔ مضمون کو مختصر کرنے کے لئے ان کے تصورِ ریاست کی چند نمایاں ترین خصوصیات درجِ ذیل کی جاتی ہیں تاکہ قارئینِ کرام خود فیصلہ کرسکیں کہ ان کی نگاہ میں پاکستان کے قیام کے اہم مقاصد کیا تھے اور وہ اسے کن خطوط پر چلانے کے حامی تھے۔ ان کے بیانات'

انٹرویوز اور تقاریر کے یہ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

i- اسلام نے ہر ایک مسلمان کی زندگی' سیاست اور اقتصادیات وغیرہ میں اس کے طریقِ عمل کے لئے چند قوانین بنائے ہیں۔ اسلام سب کے لئے عدل و انصاف' دیانت داری اور تکریم کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہے۔ آیئے ہم اپنی جمہوریت کی اسلام کے حقیقی مقاصد اور اصول پر بنیاد رکھیں''۔ (کراچی بار ایسوسی ایشن میں تقریر' جنوری 1948ء)

ii- ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد بھی کی تاکہ ہم جسمانی اور روحانی طور پر آزاد ہوکر اپنی خداداد صلاحیت اور روایات کے مطابق اپنے معاملات طے کریں۔ اخوت' مساوات اور انسانی بھائی چارہ ہمارے مذہب' کلچر اور تہذیب کے بنیادی نکات ہیں''۔ (چٹاگانگ میں تقریر' 26 مارچ 1948ء)

iii- ''ہم مسلمان ایک خدا' ایک کتاب (قرآنِ حکیم) اور ایک پیغمبرؐ میں ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ایک ملّت کے طور پر متحد رہنا چاہیئے۔ آپ کو وہ پرانی کہاوت تو یاد ہوگی جس میں کہا گیا ہے کہ اتحاد میں طاقت مخفی ہوتی ہے''۔ (پشاور میں تقریر' اپریل 1948ء)

iv ''مجھے اپنے عوام میں پورا اعتماد ہے کہ وہ اپنی قدیم اسلامی تاریخ' عظمت اور اسلامی روایات کے مطابق ہر صورتِ حالات کا بخوبی مقابلہ کرسکیں گے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم پاکستان کو مستحکم ملک بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں''۔ (پاکستان کی مسلح افواج سے خطاب' 21 فروری 1948ء)

سیکولر (لادین) ریاست میں دین اور سیاست الگ شعبہ جات ہوتے ہیں۔ انسانی معاملات طے کرنے کے لئے الہامی ہدایت اور راہنمائی کی بجائے محض عقل پر تکیہ کیا جاتا ہے۔ انسان کے روحانی معاملات کو یکسر نظرانداز کرکے مادّی تقاضوں کو فوقیت دی جاتی ہے۔ حق و باطل کے معیار کے لئے جمہوریت یعنی انسانوں کی گنتی کی کثرت کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ حکومت اور اقتدار کے حصول اور استحکام کے لئے ہر قسم کے ہتھکنڈوں اور استحصال کو جائز خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی ریاست میں دین کو مکمل ضابطۂ حیات خیال کرکے اسے زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم ہے: وَادخُلُو فِی السِّلمِ

كَافَّةً (تم اسلام کے دائرے میں پوری طرح داخل ہو جاؤ) خواہ حکمران فردِ واحد ہو یا جماعت' دونوں پر دین وسیاست کی پابندی لازمی ہوتی ہے بقولِ اقبالؒ:

نظامِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلامی ریاست کی چند نمایاں ترین خصوصیات یہ ہیں:

1- دین اور سیاست میں جدائی نہیں ہوتی۔
2- دین زندگی کے تمام شعبہ جات میں نافذ اور فائق نظر آتا ہے۔
3- انسانوں کی حاکمیت کی بجائے خدائی حاکمیت کو آئینِ ملک کی اساس بنایا جاتا ہے۔
4- اسلامی ریاست صحیح معنوں میں فلاحی ریاست ہوتی ہے۔ حکمران عوام کے خادم ہوتے ہیں۔
5- اسلامی آئین ابدی اصولوں اور اجتہاد کے نظریہ پر مبنی ہوتا ہے۔
6- معاشرتی مسائل کو الہامی صداقتوں اور معقولیت پسندی کے اصول کے مطابق حل کیا جاتا ہے۔
7- اخوت' حریت' مساوات' عدل وانصاف' ایمان' اتحاد اور تنظیم وغیرہ اسلامی مملکت کے ستون ہیں۔

ان حقائق وشواہد کی روشنی میں بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے نظریات کو لادین ریاست کے تصورات کے ساتھ ہم آہنگ کرنا تاریخی حقائق' ان کے بیانات اور ان کے اسلامی عقائد کو کلیتہً فراموش کرنے کے مترادف ہوگا۔ وہ کسی طرح بھی پاکستان کو ایک سیکولر (لادین) ریاست بنانے کے حق میں نہیں تھے۔ وہ دوغلا پن اور دوئی پسندی کی بجائے حق گوئی اور بے باکی کے حامی تھے:

باطل دُوئی پسند ہے' حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول
(اقبالؒ)

□□□

گاندھی قائداعظمؒ کی نظر میں

آنجہانی گاندھی نے برصغیر پاک وہند کی سیاست میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے وہ اپنوں اور بیگانوں سے پوشیدہ نہیں۔ گاندھی کے سیاسی افکار اور مذہبی تعصب کے بارے میں بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ مخصوص نقطۂ نگاہ رکھتے تھے۔ انھوں نے گاندھی کے سیاسی تصورات کو جن مختلف زوایہ ہائے نگاہ سے دیکھا ہے انھیں اس مختصر مضمون میں بیان کیا جاتا ہے تاکہ قارئینِ کرام قائداعظمؒ کی مومنانہ بصیرت اور سیاسی دُوراندیشی کا کچھ اندازہ لگا سکیں۔ ہر دور میں مشاہیر اپنے معاصرین اور مخالفین کی شخصیت اور اُن کے فلسفۂ حیات کے اساسی پہلوؤں پر اظہارِ خیال کرتے رہے ہیں۔ ان مشاہیر کی زندگی کے گوناگوں واقعات دراصل ان کے عہد کے عکاس ہوتے ہیں کیونکہ ان کی اجتماعی سرگرمیوں سے ہمیں کئی معاشرتی' تہذیبی' سیاسی' فکری اور علمی حقائق کا پتہ چلتا ہے۔ جس طرح قائداعظمؒ آل انڈیا مسلم لیگ اور اسلامیانِ ہند کی اکثریت کے ترجمان تھے اسی طرح مسٹر گاندھی کانگرس اور ہندوؤں کا مشہور ترین راہنما تھا۔ گاندھی کے سیاسی اور مذہبی نظریات کا تانا بانا ہندو مذہب اور مسلم دشمنی کے جذبات سے تیار ہوا تھا۔ وہ ہندوؤں کا نہ صرف ایک سیاسی مفکر تھا بلکہ بہت ہوشیار مذہبی ریفارمر اور مسلمانانِ ہند کا زبردست مخالف بھی تھا۔ قائداعظمؒ کے مندرجہ ذیل بیانات سے ہمیں گاندھی جی کی پُرفریب سیاست کا تھوڑا سا اندازہ ہو جائے گا۔ آیئے ہم اُن اختلافی امور کا یہاں اجمالی جائزہ لیں جو گاندھی اور محمد علی جناحؒ کے درمیان پائے جاتے تھے۔

ہندو راج کا قیام

اربابِ دانش سے یہ بات مخفی نہیں کہ برصغیر پاک وہند میں برطانوی حکومت کے زوال کے بعد ہندو سیاست دان اس امر کے لئے کوشاں تھے کہ وہ انگریزوں کے جانے کے بعد

ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنا غلام بنائیں اور یہاں ہندو راج قائم کر کے مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنا دیں۔ شدھی اور سنگھٹن کی ہندو تحریکیں اسی حقیقت کی غماز تھیں۔ آزادیٔ ہند کا نعرہ لگا کر کانگرس مسلمانوں کا تعاون حاصل کر کے پہلے برطانوی حکومت کو ختم کرنا چاہتی تھی بعد ازاں وہ مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے کے درپے تھی۔ ظاہر طور پر کانگریس آزادیٔ ہند کی حامی اور علمبردار تھی مگر باطنی طور پر وہ ایک ہندو تنظیم تھی جس کا اوّلین مقصد یہاں ہندو دھرم کا احیاء اور اسلام کا خاتمہ تھا۔ بانیٔ پاکستان نے کافی عرصہ پہلے یہ بھانپ لیا تھا کہ کانگرس کے تعاون سے مسٹر گاندھی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کر رہے ہیں۔ انھوں نے کانگرس کی قوم پرستانہ تنظیم اور گاندھی کے پُرفریب سیاسی مقاصد کا پردہ چاک کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا تھا:

''یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی اور المیہ ہے کہ کانگرس کے بڑے بڑے قائدین ملک کی دیگر تمام جماعتوں اور ثقافتوں کو ختم کر کے ہندو راج قائم کرنے کا عزم بالجزم کئے ہوئے ہیں۔ بات تو وہ سوراج کی کرتے ہیں لیکن اس سے ان کا مطلب ہندو راج ہے۔ وہ قومی حکومت کا ذکر چھیڑتے ہیں مگر اس سے ان کی مراد ہندو حکومت ہوتی ہے..... جب کانگرس برسرِ اقتدار آئی تھی تو اس نے کیا کام کیا تھا؟ نیشنلزم کے بارے میں اپنے تمام ظاہری دعوؤں کے باوجود اس نے فوراً بندے ماترم سے آغاز کیا۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ بندے ماترم قومی گیت نہیں ہے تاہم اسے گایا جاتا ہے اور دوسروں پر ٹھونسا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف اسے اپنے اجتماعات میں گاتے ہیں بلکہ گورنمنٹ اور میونسپل اسکولوں میں اسے گانے کے لئے مسلمان بچوں کو بھی مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بت پرستانہ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت آمیز مذہبی گیت ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ یہ مسٹر گاندھی ہی ہے جو کانگرس کے اس نصب العین کو برباد کر رہا ہے جس سے کانگرس کی ابتدا ہوئی تھی۔ گاندھی کا نصب العین اس ملک میں ہندو مذہب کا احیاء اور ہندو راج کا قیام ہے اور وہ اس مقصد کو آگے بڑھانے میں کانگرس کو استعمال کر رہا ہے''۔ (26 دسمبر 1938ء)

جناحؒ پر انگریز پرستی کا الزام

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ مسلمانانِ ہند کے سچّے خیر خواہ اور نڈر لیڈر تھے۔ وہ مسلمانوں کو نہ صرف ہندو راج کے قیام سے آگاہ کرتے رہے بلکہ وہ انھیں انگریزوں کی غلامی سے بھی نجات دلانے کے لئے برسرِ پیکار تھے۔ ہندو لیڈر انھیں انگریزوں کا پٹھو قرار دینے کے لئے مکروہ پروپیگنڈا کیا کرتے تھے تاکہ مسلمان ان کے جھنڈے تلے جمع ہو کر ایک آزاد مسلم ریاست کو قائم

نہ کر سکیں۔ شومئی قسمت کئی ممتاز مسلمان لیڈر اور مذہبی علماء بھی ہندوؤں کے اس فریب میں آ کر محمد علی جناحؒ کی قیادت کو قبول کرنے سے ہچکچاتے رہے۔ ہندو اخبارات نے بانیٔ پاکستان کو اس طرح بدنام کرنے کے لئے بہت سے اوچھے ہتھیار استعمال کئے۔ حق وقتی طور پر باطل سے مغلوب تو ہو سکتا ہے مگر یہ آخر کار باطل کی طاقتوں پر غالب آ جایا کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اسلام کی اس ابدیت اور غلبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بجا فرماتے ہیں:

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

قائداعظمؒ کو بدنام کرنے کی مہم میں گاندھی جی بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے بلکہ ان کے ایما پر ہندو لیڈر اور کانگرس نواز مسلمان قائداعظمؒ کو انگریزوں کا حاشیہ نشین اور غیر مخلص لیڈر قرار دینے کے لئے غلط پروپیگنڈا کرتے رہے۔ یہ امر اب اظہر من الشمس ہو چکا ہے کہ محمد علی جناحؒ ہندوؤں اور انگریزوں کو مسلمانانِ ہند کا مشترکہ دشمن خیال کرتے تھے۔ وہ یہاں کے مظلوم اور محکوم مسلمانوں کو ان دونوں کے چنگل سے نجات دلوانے کے لئے مصمم ارادہ کئے ہوئے تھے تاکہ وہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے زندگی گزار سکیں۔ وہ گاندھی کے اس باطل تصور اور اپنے خلاف کردار کشی کی مہم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مسٹر گاندھی کہتا ہے: مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر جناح صاحب انگریزوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ کانگرس جو کچھ کر سکتی ہے یا منظور کر سکتی ہے وہ اس کو مطمئن نہیں کرے گا۔ میں مسٹر گاندھی کو یقین دلاتا ہوں کہ انڈیا کے مسلمان اپنی پوشیدہ طاقت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم عزم بالجزم کر چکے ہیں کہ برطانیہ یا کانگرس کے باوجود بھی ہم اُن حقوق کے لئے آخری دم تک لڑیں گے جن کے ہم مستحق ہیں۔ اس بارے میں ہم کسی پر بھی تکیہ نہیں کرتے''۔ (6 ستمبر 1939ء)

کانگرس کی اجتماعی نمائندگی پر زور

گاندھی دو قومی نظریئے کا زبردست مخالف ہونے کی بنا پر صرف کانگرس کو ہندوستان کی واحد اور مؤثر قومی جماعت قرار دینے پر مصر تھا جبکہ قائداعظمؒ اسے ایک متعصب ہندو تنظیم سمجھتے تھے۔ گاندھی کی رائے میں کانگرس مسلمانوں کی بھی نمائندگی کرتی ہے اس لئے مسلم لیگ کو یہ حق

نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کہے۔ اس کے برعکس بانیٔ پاکستان صرف آل انڈیا مسلم لیگ کو اسلامیانِ ہند کے سیاسی حقوق اور ثقافتی مفادات کی نگہبان ثابت کرنے پر سارا زورِ استدلال صرف کرتے تھے۔ ان کی نگاہ میں ہندوستان کے مسلمان ایک ملک میں رہنے کے باوجود مختلف سیاسی، ثقافتی، مذہبی اور تاریخی اقدارِ حیات کے حامل تھے اس لئے وہ ایک الگ قوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ نظریاتی اختلاف ہی دو الگ تہذیبوں اور دو جداگانہ قومیتوں کو واضح کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے اس علیحدہ تشخص پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''مذہب، کلچر، نسل، زبان، فنون اور موسیقی وغیرہ اقلیت کو ریاست میں ایک الگ تشخص عطا کرتے ہیں اور وہ جداگانہ تشخص تحفظات کا متقاضی ہے''۔ (7 فروری 1935ء)

وہ ہندوؤں کے اس عظیم اور مسلمہ لیڈر کی اس غلط فہمی کو دُور کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبُور ہو گئے تھے:

> ''مسٹر گاندھی نے ایک امریکی صحافی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا: کانگرس کے سوا کوئی اور جماعت آزادی نہیں دلوا سکتی، اب کانگرس بے نقاب ہو گئی ہے کہ یہ انڈیا کی ترجمان نہیں ہے بلکہ یہ تو حقیقت میں ایک ہندو تنظیم ہے''۔ (2 دسمبر 1939ء)

اس طرح قائداعظمؒ نے گاندھی اور کانگرسیوں کے اس غلط تصور کے پرخچے اڑا دیئے کہ ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں اور کانگرس ہی ان کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت ہے۔

مغربی جمہوریت اور گاندھی

مغربی جمہوریت کے بارے میں قائداعظمؒ مخصوص رائے رکھا کرتے تھے۔ وہ تقلید کی روش کی بجائے حقیقت پسندی کے زیادہ قائل تھے۔ یہ تصور عام ہے کہ وہ مغربی جمہوریت کے زبردست حامی و مؤید تھے حالانکہ وہ اس کے غلط پہلوؤں کے بہت بڑے ناقد بھی تھے۔ جمہوریت کا ایک لازمی پہلو کثرتِ رائے کو معیارِ حق و صداقت سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مسلمان ایک عظیم اقلیت کی حیثیت کے حامل اور ایک الگ قوم کے افراد تھے۔ ہندو ان کے مقابلے میں چونکہ اکثریت رکھتے تھے اس لئے وہ مغربی طرزِ جمہوریت کو اپنے لئے زیادہ موزوں خیال کر کے اپنے نظریات کو مسلمانانِ ہند پر ٹھونسنے کے حق میں تھے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اقلیت

کی رائے بھی درست اور وزنی ہو سکتی ہے؟ کیا معرکۂ بدر اور معرکۂ کربلا مختصر جمعیت کی حق پرستی کی زندہ مثالیں نہیں ہیں؟

اکثریت کو ہمیشہ حق پر مبنی خیال کرنا جنت الحمقاء میں رہنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟ گاندھی مغربی جمہوریت کے اس نظریۂ اکثریت کو اپنی قوم کی بالادستی اور حکمرانی کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہوئے اس کے بہت بڑے علمبردار بن گئے تھے۔ اس کے برعکس قائداعظمؒ اسے مسلمانانِ ہند کی سیاسی غلامی اور ثقافتی موت کا پیش خیمہ خیال کرتے ہوئے اس کے زبردست مخالف تھے۔ وہ گاندھی کے اس تصورِ جمہوریت پر یوں تنقید کرتے ہیں:

> ''مغربی جمہوریت ہندوستان کے لئے مکمل طور پر غیر موزوں ہے۔ ہندوستان پر اسے زبردستی لاگو کرنا ہی سیاست کے جسد کی بیماری ہے۔ کانگرس زیادہ تر ایک ہندو جماعت ہے۔ کڑ قسم کے ایک اعلیٰ ہندو سیاست دان مسٹر گاندھی نے اس کی قیادت کرتے ہوئے کافی عرصہ پہلے یہ بھانپ لیا تھا کہ مغربی طرز کی جمہوریت میں ایک مستقل آل انڈیا غلبہ کے بارے میں اس کی توقعات کی تکمیل کا راز مخفی ہے۔ اس لئے اس نے اپنی تمام تر کوششوں اور توانائیوں کو ہندوستان کے لئے ایک مکمل جمہوری طرز کی حکومت کے حصول میں لگا دیا۔ کانگرسیوں نے اس بات کو بھی محسوس کر لیا کہ اگر انھوں نے نئے آئین کو اپنے لیڈر کے وضع کردہ خطوط پر بنایا تو یہ ان کے نصب العین کو بدرجۂ اتم نزدیک تر لے آئے گا''۔ (19 جنوری 1940ء)

مسلمانوں پر حکمرانی کرنے کی خواہش

اس سے قبل یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ کانگرسی لیڈر خصوصاً گاندھی جی مہاراج انگریزوں پر یہ دباؤ ڈالتے رہے کہ وہ اپنا اقتدار صرف ہندوؤں کو منتقل کریں کیونکہ ان کی نگاہ میں ہندو اکثریت کے حامل اور پورے ہندوستان کی واحد نمائندہ قوم کہلانے کے مستحق ہیں۔ مغربی جمہوریت کا تصورِ اکثریت اور متحدہ قومیت کا نظریہ ان کے سیاسی تفوق کا مؤثر ذریعہ تھے اس لئے وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے وجود، قائداعظمؒ کی قیادت اور دو قومی نظریئے کے شدید مخالف تھے۔ قائداعظمؒ کانگرسی لیڈروں اور گاندھی کی اس پُرفریب سیاست سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ کسی طرح بھی گاندھی کو یہ اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ وہ ہمارے ملّی اور اسلامی تشخص کو ختم کر کے ہمیں اپنا غلام بنا سکے۔ علاوہ ازیں وہ برطانوی حکومت کے مختلف سیاسی مسلم کُش ہتھکنڈوں کو بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ کس طرح انگریز ہمارے دوبارہ عروج سے خائف ہو کر ہندوؤں کو حکومت

سوچنے کے لئے بے چین ہیں۔ انھوں نے بڑی بہادری اور حکمتِ عملی سے اس ''برٹش-بنیا'' گٹھ جوڑ کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمارے لئے راہِ نجات تلاش کی۔ ان کا مندرجہ ذیل بیان کس قدر بصیرت افروز اور عزم راسخ کا زندہ ثبوت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''برطانیہ عظمیٰ حکومت کرنے کا خواہاں ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگرس کے لیڈر، انڈیا اور مسلمانوں پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم برطانیہ یا مسٹر گاندھی کو مسلمانوں پر ہرگز حکومت کرنے نہیں دیں گے۔ ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں''۔ (25 فروری 1940ء)

قائداعظمؒ کے مذکورہ بالا نظریات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مسلمانانِ ہند کے حقیقی خیر خواہ، مخلص، بہادر، باہمت اور دُور اندیش راہنما تھے۔ انھوں نے ہماری سیاسی آزادی، ثقافتی احیاء، معاشرتی عروج، ملّی استحکام اور اسلامی نظریۂ حیات کے اثبات کے لئے چومکھی لڑائی لڑی تھی۔ وہ ہندوؤں اور انگریزوں کو مسلمانوں کا مشترکہ دشمن تصور کرتے ہوئے ہمیں ان کے چنگل سے بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ خدا تعالیٰ انھیں غریقِ رحمت کرے اور ان کی مساعیٔ جمیلہ کو ہمیشہ بارآور رکھے۔

ع ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

□□□

قائداعظمؒ اور فلاحی ریاست

قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرّحمۃ برصغیر پاک و ہند کے ممتاز ترین سیاست دانوں اور مسلمانوں کے معروف ترین بہی خواہوں میں سے ہیں۔ انھوں نے بلاشبہ ہندوستان کے محکوم، پس ماندہ اور زوال پذیر مسلمانوں کی نجات اور آزادی کی خاطر قابلِ قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ وہ نہ صرف ایک بالغ نظر وکیل اور وسیع النظر سیاستدان تھے بلکہ وہ اعلیٰ پایہ کے مقنن بھی تھے۔ انھوں نے ہمارے لئے نہ صرف ایک خطۂ زمین ہی لیا تھا بلکہ انھوں نے اس خطۂ زمین میں قائم ہونے والے سیاسی اور سماجی نظام کی خصوصیات اور مبادیات کو، اپنے بیانات، تقاریر اور انٹرویوز میں پیش کر دیا تھا۔ اس میں کسی بھی صائب الرائے کو شک نہیں ہوسکتا کہ وہ مملکتِ پاکستان کو عوام کی ہمہ گیر فلاح و بہبود کے لئے حاصل کرنے کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے انھوں نے قیامِ پاکستان سے پہلے ہی اس کے فلاحی مقاصد اور عوامی بہبود کے نظریات کا تذکرہ کر دیا تھا تاکہ کسی کو بھی ان کے اساسی نظریاتِ پاکستان کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ ہو سکے۔ اس مضمون میں بڑے اختصار کے ساتھ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کے ان اہم مقاصد کی نشان دہی کی جائے گی۔

سب کے لئے آزادی کی خواہش

غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں نے عرصۂ دراز تک اپنی حکومت قائم کر کے وہاں اَن گنت تہذیبی، تمدنی، ثقافتی، فکری اور مذہبی نشانات چھوڑے ہیں۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب انگریز یہاں حکمران بنے تو انھوں نے ہمارے امتیازی نشانات اور شاندار تہذیبی روایات کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ان کی ظالمانہ پالیسیوں کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ان کی غلامی سے نجات پانے کے لئے بے قرار ہو گئے۔ انگریزوں کی غلامی کے علاوہ مسلمان

ہندوؤں کے معاشی استحصال کا بھی نشانہ بنتے گئے یہاں تک کہ وہ غربت و افلاس کی چکی کے نیچے پستے چلے گئے۔ اس نقطۂ نگاہ سے مسلمان دو قوموں کی محکومیت کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔ محمد علی جناحؒ سے پہلے بیشتر محبِ وطن اور ملت دوست مسلمان قائدین، مصلحین، شعراء اور ادباء اپنے اپنے رنگ میں مسلمانوں کے دل و دماغ میں آزادی کے آتشیں ولولے بیدار کرتے رہے۔ اس ضمن میں ان کے یہ سب پیش رو تحریکِ آزادی کو زیادہ مقبول اور ہمہ گیر بنانے میں کوشاں رہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ علامہ اقبالؒ کی انقلابی شاعری چودھری رحمت علیؒ کی انقلاب پرور سیاسی سرگرمیوں، مولانا ظفر علی خاںؒ کی شعلہ نوائی، جید علمائے کرام کی ولولہ انگیز تقاریر اور مسلم طلباء اور جوشیلے نوجوانوں کے بھرپور تعاون نے آزادیٔ وطن کی تحریک کو زیادہ جاندار اور مؤثر بنا دیا تھا۔ بانیٔ پاکستان کی نگاہ میں قیامِ پاکستان کا ایک اہم اور بنیادی مقصد سب باشندگانِ پاکستان کو آزاد دیکھنا تھا۔ وہ کسی طرح بھی اس نئی اسلامی مملکت میں طبقاتی جنگ اور امیر و غریب کی کشمکش کا تصور نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انھوں نے ہم سب کی آزادی کے لئے یہ خطۂ پاک حاصل کرنے کی خاطر ان تھک جدوجہد کی تھی۔ وہ طاقتور اور کمزور دونوں کو آزاد دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ اس بلاامتیاز اور غیر طبقاتی آزادی کی شان ملاحظہ ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

> ”مسلم لیگ آزادی کو حاصل کرنے کا پکا ارادہ کئے ہوئے ہے۔ یہ آزادی نہ صرف طاقتور اور غالب لوگوں کے لئے ہوگی بلکہ یہ کمزوروں اور مظلوموں کے لئے بھی ہوگی“۔ (5 فروری 1938ء)

تاریخِ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ جب کسی سوسائٹی میں طاقتور اور غالب لوگوں کو آزادی حاصل ہوتی ہے اور کمزور انسانوں کو ان کا غلام بنا دیا جاتا ہے تو وہ معاشرہ آخرکار تباہ و برباد ہو جایا کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں قومِ عادؑ، قومِ ثمودؑ، قومِ نوحؑ اور قومِ فرعون کے واقعات انسانی ہلاکت پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح کسریٰ و قیصر کی ظالم حکومتیں بھی مرقعِ عبرت بن گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عدل و انصاف ہی کی بدولت انسانی زندگی کے باہمی روابط قائم رہتے ہیں۔ جب عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے تو لامحالہ سوسائٹی میں انتشار اور لاقانونیت کا دور دورہ ہونے لگتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس لئے انسانی حاکمیت کی بجائے خدائی حاکمیت کے تصور کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا:

ان الحکم الا للّٰہ ط امر الّا تعبدوا الا ایّاہ ط ذٰلک الدّینُ القیم (سورۂ یوسف:40) ”اللہ کے سوا کسی اور کا حکم نہیں ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی

غلامی اختیار نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے“۔

اللہ کے پیش کردہ نظامِ حیات کو ترک کرنے والوں کو ظالم کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی فردِ واحد یا مخصوص انسانی گروہ خدائی ضابطۂ حیات کی بجائے اپنا وضع کردہ نظام جاری کرتا ہے تو یہ ناقص، خودغرضانہ اور قوم پرستانہ نظام فتنہ و فساد اور ظلم و استبداد کو جنم دیا کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اس حکمتِ قرآنی کو مدنظر رکھتے ہوئے بجا کہتے ہیں:

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آذری

بانیٔ پاکستان کا مندرجہ بالا حکیمانہ قول بھی اس حقیقتِ ثابتہ کا مظہر ہے۔ طاقتور اور غالب گروہِ انسانی کے لئے الگ قانون بنانا اور انھیں کمزوروں اور زیردستوں کا بلاجواز حاکم قرار دینا بے شمار معاشرتی اور سیاسی مفاسد کا دروازہ کھولنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟

معاشی استحصال کا خاتمہ

حصولِ پاکستان اور آزادی کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ اسلامیانِ ہند انگریزوں کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ اور ہندو مہاجنوں کے معاشی استحصال سے نجات پا کر خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔ قیامِ پاکستان سے قبل مسلمان معاشی میدان میں بھی بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ انگریزوں اور ہندوؤں کی سازش کے طور پر وہ غربت، بدحالی اور پس ماندگی کا شکار ہو چکے تھے۔ جسم و جان کے باہمی رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے انھیں محنت شاقہ کے بعد بھی بمشکل معقول معیشت کا سامان نصیب ہوتا تھا۔ اس صورتِ حالات سے بہی خواہانِ ملتِ اسلامیہ بے حد مضطرب اور رنجیدہ تھے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانانِ ہند کی اقتصادی بدحالی کی طرف محمد علی جناحؒ کی توجہ مبذول کراتے ہوئے اپنے ایک خط مورخہ 28 مئی 1937ء میں یہ حقیقت کُشا الفاظ تحریر کئے تھے:

> ”روٹی کا مسئلہ زیادہ سے زیادہ نازک ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان کو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ وہ گذشتہ دو سو سالوں سے پست تر ہو رہا ہے۔ عموماً وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی غربت ہندو سود خوری یا سرمایہ داری کی وجہ سے ہے۔ اُسے ابھی مکمل احساس نہیں ہوا کہ اس کا افلاس بیرونی راج کے سبب بھی ہے..... اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غریبی کے مسئلے کا ممکنہ حل کیا ہے؟ مسلم لیگ کا سارا مستقبل اس سوال کے حل کرنے کی فعالیت پر منحصر ہے“۔

اس طرح مفکرِ اسلام اور نباضِ ملّت علامہ اقبالؒ نے اپنی مومنانہ فراست سے کام لیتے ہوئے بانیٔ پاکستان کو مسلمانانِ ہند کی غربت کا علاج کرنے پر اُبھارا تھا۔ چنانچہ محمد علی جناحؒ نے قیامِ پاکستان سے پہلے ہی اس کے مقصدِ حصول کی وضاحت کرتے ہوئے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو ان سخت الفاظ میں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''میں یہاں ان زمینداروں اور سرمایہ داروں کو یہ تنبیہ کرنا چاہوں گا جنھوں نے ایک مذموم اور غلط نظام کے سہارے ہمیں نقصان پہنچا کر خود فروغ حاصل کیا ہے۔ یہ بُرا نظام اُن کو اس قدر خودغرض بنا دیتا ہے کہ ان کے ساتھ عقل کی بات کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔ لوگوں کا استحصال ان کے خون میں رچ بس گیا ہے۔ انھوں نے اسلام کے اسباق کو فراموش کر دیا ہے..... میں نے دیہاتوں میں جا کر دیکھا ہے کہ ہمارے لاکھوں لوگوں کو ایک دن کا کھانا بھی مشکل سے میسر آتا ہے۔ کیا اس کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی مقصدِ پاکستان ہے؟ اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو میں ایسے پاکستان کو حاصل نہیں کروں گا''۔ (24 اپریل 1943ء)

فلاحی ریاست میں جب تک تمام افرادِ قوم کی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اس وقت تک اسے فلاحی مملکت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ دولت کی چند ہاتھوں اور چند خاندانوں میں گردش قرآنی تعلیمات اور ارشاداتِ نبویؐ کے خلاف ہے۔

ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: کاد الفقر ان یکون کفرا ''قریب ہے کہ افلاس کفر ہو جائے''۔

اسلامی ریاست دراصل فلاحی ریاست ہوتی ہے کیونکہ یہ اپنے باشندوں کی جان، مال اور آبرو کی محافظ، امن کی پیامبر اور جائز بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا ذریعہ بنا کرتی ہے۔ اسلام چونکہ کسی قسم کی ناانصافی، استحصال اور ظلم کو پسند نہیں کرتا اس لئے یہ اپنے پیروکاروں کو یہ سبق دیتا ہے کہ ان کے مال میں معذور، مجبور، بے کس اور محروم انسانوں کا بھی حق ہے۔

ارشادِ ایزدی ہے: وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (51:19) ''مالداروں کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے''۔

جب کوئی سوسائٹی، مجبور، مظلوم، غریب اور پس ماندہ افراد کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر دیتی ہے تو وہاں انتقام، حسد، باہمی نفرت اور بغاوت و انقلاب کے طوفان خیز جذبات پیدا ہو کر

معاشرتی نظام کو تہ و بالا کر دیا کرتے ہیں۔

ع حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

عوامی فلاح و بہبود

ایک اسلامی فلاحی ریاست اور عوامی فلاح و بہبود کے درمیان نہ ٹوٹنے والا رشتہ پایا جاتا ہے۔ تمام انبیائے کرامؑ کی بعثت کا بنیادی مقصد مجبور و مقہور انسانوں کو انسانی حاکمیت سے چھڑا کر خدائی حاکمیت کا فریفتہ بنانا تھا۔ ان کے اس فلاحی پروگرام میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ انسان ثابت ہوتے تھے جو کمزور اور مظلوم انسانوں پر اپنی چودھراہٹ اور غلبہ قائم رکھنا چاہتے تھے۔ وہ مختلف ہتھکنڈوں سے کام لے کر خدا کے ان برگزیدہ انسانوں کے نجات آمیز، حیات آفریں اور حریت پرور پروگرام کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے تاکہ ستم رسیدہ لوگ ہمیشہ ان کے محتاج بنے رہیں۔ بقولِ اقبالؒ شریعت کا راز انسانی احتیاج اور انسانی غلامی کے خاتمے میں مضمر ہے۔ وہ انسانی محتاجی کے خلاف یوں صدائے حق بلند کرتے ہیں:

کس نگردد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں ایں است و بس

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح مرحوم و مغفور نے ہمیشہ عوامی فلاح و بہبود کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز و محور قرار دیا تھا۔ ان کے خیال میں عوام کی اقتصادی، تعلیمی، اخلاقی اور ثقافتی فلاح و بہبود کے بغیر پاکستان کا خواب ادھورا رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے انھوں نے اکثر مواقع پر عوامی فلاح کی اہمیّت و افادیت کا تذکرہ کیا ہے۔ یہاں ان کے چند اقوال بطورِ مثال پیش کئے جاتے ہیں:

''تمھارا اولین فرض عوام کی بہبود کے لئے تعمیری اور فلاحی لائحۂ عمل تیار کرنا اور مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی ترقی کے بارے میں سوچنا ہے''۔ (اکتوبر 1937ء)

''اسلام کے خادموں کی حیثیت سے تم آگے بڑھو اور عوام کو اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی طور پر منظّم کرو۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح ہر کوئی تمھاری طاقت کا لوہا مان لے گا''۔ (مارچ 1940ء)

''آیئے ہم عوام کی اجتماعی فلاح اور اعلیٰ نیک مقصد کی خاطر اپنے ذاتی فائدوں اور سہولتوں کو چھوڑ دیں۔ پاکستان کا یہی مقصد ہے''۔ (4 اپریل

1943ء)

اسلامی تعلیمات نے مسلمان قائدین اور راہنماؤں کو ہمیشہ عوام کا خادم قرار دیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بصیرت افروز ارشاد ملاحظہ کیجیے:

سَیِّدُ الْقَومِ خَادِمُھُمْ ''قوم کا سردار افرادِ قوم کا خادم ہے''۔

ہمیں ایسے خادمانِ قوم سے ہوشیار رہنا چاہیئے جو صرف ووٹ لینے کے وقت اپنے آپ کو قومی خدمت گار قرار دینے کے عادی ہوتے ہیں۔ بانیٔ پاکستان نے بجا طور پر عوام کی اجتماعی فلاح کو حصولِ پاکستان کا نصب العین کہا ہے۔

انسانی محبّت و رواداری کا جذبہ

ایک مثالی فلاحی مملکت میں تمام باشندوں کے ساتھ بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب و ملّت کے اختلاف کے باوجود انسانی بنیادوں پر یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ قرآن کی رُو سے خدا صرف مسلمانوں ہی کا رب نہیں بلکہ وہ رب العالمین یعنی تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس لئے اسلامی مملکت میں بھی نیابت الٰہی کی حیثیت سے اس خدائی صفت کا اظہار ہونا چاہیئے۔

تاریخِ اسلام کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ہر دور میں غیر مسلم باشندوں کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھا گیا تھا۔ جس زمانے میں یورپ میں بربریت کا دور دورہ تھا اور وہاں یہودیوں کو نشانۂ ستم بنایا گیا۔ مسلم ممالک نے ان مظلوموں کو پناہ بھی دی اور انھیں ترقی کے یکساں واقع بھی بہم پہنچائے۔ مسلمانوں کی اس رواداری کا اعتراف اسلام کے بدترین دشمن بھی کر چکے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بھی بار بار غیر مسلم باشندوں اور اقلیتوں کو اسلامی تعلیمات اور فلاحی مقاصد کی اہمیّت سے روشناس کرانے کی سعی کی۔ یہاں ان کے صرف دو ارشادات ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں:

''ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں دوسرے انسانوں کے ساتھ محبّت اور رواداری کے فرض کے والہانہ اور شدید احساس سے بڑھ کر کوئی حکم زیادہ ضروری اور الہامی طور پر لازمی نہیں ہے''۔ (13 نومبر 1939ء)

''اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم باقی انسانوں سے مساوی سلوک کریں۔ پاکستان میں ہندوؤں اور دوسری جماعتوں کے ساتھ عادلانہ اور مساویانہ

برتاؤ کیا جائے گا بلکہ ان کے ساتھ فیاضانہ سلوک ہوگا۔ یہ ہر ایک ذمہ دار مسلمان کا نظریہ ہے''۔ (7 مارچ 1941ء)

اسلامی مملکت چونکہ اسلام کے آفاقی اصولوں اور انسانی تکریم کی الہامی قدروں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں رنگ، نسل، زبان اور مذہب کے اختلاف کے سبب عدل و انصاف، انسانی محبّت، مذہبی رواداری اور عوامی فلاح کے مقاصد کو ترک نہیں کیا جاتا۔ اسلام میں فلاحی ریاست کے اہم ترین مقاصد درجِ ذیل ہیں:

ا) مذہب اور سیاست کی ہم آہنگی
ب) فرد اور جماعت کی متوازن تشکیل و تربیت
ج) ریاست میں افراد کی ہمہ گیر، متوازن اور صالح تربیت و تکمیل
د) انسانی حاکمیت کی بجائے خدائی حاکمیت
ہ) جسم و روح کے تقاضوں کی ضمانت
و) انسان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی
ز) طبقاتی کشمکش کی حوصلہ شکنی اور امن پسندی
ح) حاکمِ وقت کی مشروط اطاعت اور نیابتِ الٰہی کا تصور

علامہ اقبالؒ نے اپنی ایک معرکہ آرا فلسفیانہ تصنیف میں اسلامی ریاست کے چند نمایاں پہلوؤں کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

''قابلِ عمل تصور کی حیثیت سے 'توحید' کا لبِ لباب مساوات کا استحکام اور حریت ہے۔ اسلامی مطمحِ نگاہ سے ریاست ان مثالی اصولوں کو زمان و مکان کی قوتوں میں تبدیل کرنے کا دوسرا نام ہے..... اسلام کی رُو سے ریاست انسانی تنظیم میں روحانی اقدار کے حصول کی سعی ہے''۔ (تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ (اسلام کی تشکیل میں اصولِ حرکت)

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے اسلامی مملکت کے فلاحی اصولوں کو بیان کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کی فلاحی ریاست کا تصور اسلامی تعلیمات کی روح سے ہم آہنگ ہے۔ ہمارے اربابِ حل و عقد کا یہ اولین اسلامی، اخلاقی اور ملّی فریضہ ہے کہ وہ پاکستان کو صحیح معنوں میں فلاحی ریاست بنانے کے لئے مخلصانہ مساعی بروئے کار لائیں۔

□□□

قائداعظمؒ اور ہندوراج کی مخالفت

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز قیامِ پاکستان کی خواہش اور ہندوراج کی شدید مخالفت تھا۔ وہ ہندو تہذیب وتمدن کے عناصرِ ترکیبی سے بخوبی آگاہ ہونے کی وجہ سے اس کے سخت مخالف اور قیامِ پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ یہی دونوں پہلو ان کی سیاسی جدوجہد کے نمایاں ترین اوصاف خیال کئے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی سیاسی زندگی کے آغاز میں انھوں نے کانگرس میں شمولیت کی تھی تاکہ مسلمان، ہندو اور سکھ مل کر ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرواسکیں۔ بعد میں جب ان پر ہندو ذہنیت پوری طرح بے نقاب ہوئی تو انھوں نے اس مسلم دشمن تنظیم سے کنارہ کش ہوکر آل انڈیا مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کرلی۔ ہندوؤں کے تعصب، تنگ دلی، منافقت، اسلام دشمنی اور مذموم عزائم سے بخوبی واقف ہونے کے بعد کانگرس سے چمٹے رہنا انھیں ہرگز پسند نہیں تھا۔ ہر کوئی دانش مند اور حقیقت پسند انسان ان کے اس سیاسی اقدام کی حقانیت کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آیئے ہم یہاں اس بات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں کہ قائداعظمؒ ہندوراج کے اتنے سخت مخالف کیوں تھے اور اس مخالفت کے اصل اسباب کیا تھے؟

مذہبی وجوہات

قائداعظم علیہ الرحمۃ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پائے جانے والے اُن بنیادی اختلافات کے باعث ہندوراج کے مخالف تھے جن کا ہندومت اور اسلام کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ مسلمان عقیدۂ توحید کے علمبردار تھے جبکہ ہندو اصنام پرستی کے قائل تھے۔ کجا خدائے واحد کا حقیقت پسندانہ اور انقلابی نظریہ اور کجا ہندو دھرم کی بُت پرستی کا باطل اور روایتی تصور۔ اسلام تو باطل نظریات اور اوہام پر مبنی عقائد کی بیخ کنی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے اس میں بُت پرستی کو کیسے

گوارا کیا جاسکتا ہے؟ تمام انبیائے کرام کی تعلیمات کا خلاصہ توحید پرستی اور مسلکِ حق کی پیروی ہی رہا ہے۔ آدمؑ سے لے کر ہادیٔ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاءؑ اور رسلؑ عقیدۂ توحید ہی کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ توحیدِ خالص کا تقاضا ہے کہ اس میں کسی قسم کے باطل کی آمیزش کو برداشت نہ کیا جائے جیسا کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے بھی کہا ہے:

باطل دُوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اسلام غلبہ واقتدار کا حامل دین ہونے کے سبب کسی قسم کے باطل نظامِ حیات کے ماتحت نہیں رہ سکتا کیونکہ قرآن کا مسلمانوں سے یہی وعدہ ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ''اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب و برتر رہو گے''۔

مسلم و مومن ہو اور وہ مغلوب و پست ہو؟ آنجہانی گاندھی اور اس کے پیروکار اکھنڈ بھارت میں ہندوراج قائم کرکے مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے پر تلے ہوئے تھے مگر قائداعظمؒ ان کے اس غلط مشن کو ناکام بنانے کا پکا ارادہ کئے ہوئے تھے جیسا کہ ان کے درجِ ذیل ارشادات سے واضح ہے۔ وہ مسٹر گاندھی اور اس کے ہم نوا ساتھیوں کی سیاسی منافقت اور مذہبی ریاکاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مسٹر گاندھی کی توقع ہندوراج کے تحت مسلمانوں کو محکوم بنانے کی ہے۔ میں نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اسے روکا ہوا ہے''۔ (25 فروری 1940ء)

''میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ ہم ہندو جماعت یا کسی چھوٹی جماعت کو ہڑپ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لیکن ہم ان کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گے اور نہ ہی اس برصغیر میں ان کے راج اور غلبے کو قبول کریں گے''۔ (2 نومبر 1941ء)

''مسٹر گاندھی کا واحد مقصد انڈیا کے ہندوؤں کا احیائے نو اور برٹش راج کے قانونی ورثاء اور نمایندوں کی حیثیت سے سارے انڈین برصغیر پر ہندوراج کا قیام ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان پست رہیں اور وہ ان کی غلامی میں

آجائیں"۔(14 نومبر 1942ء)

ہندوستان میں ہندوؤں کی جاری کردہ مذہبی تحریکیں خصوصاً شدھی اور سنگھٹن مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے عمل پیرا رہی ہیں۔ اس وجہ سے بھی بانیٔ پاکستان ہندو راج کو اسلامیانِ ہند کے لئے خطرۂ عظیم سمجھتے تھے۔

ثقافتی وجوہات

اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلمان عرصۂ دراز تک ہندوستان میں مقیم رہنے کے باوجود بھی اپنے ثقافتی اور تہذیبی تشخص کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ ہندوؤں کے ساتھ زندگی گزارتے تھے تاہم انھوں نے اپنے مذہبی اور ثقافتی تعارف کو فراموش نہیں کیا تھا۔ اس لحاظ سے ان کے کھانے پینے کے طریقے' لباس اور رہائش کے انداز' تاریخی ہیروز' مذہبی تہوار' تاریخی روابط اور عبادات وشعائر مختلف ہی رہے۔ ہندو لیڈر اور کانگرس کے کرتا دھرتا مسلمانوں کے ان ثقافتی' تمدنی' تاریخی' ادبی اور مذہبی اختلافات کو مٹانے کے لئے ہندو راج' اکھنڈ بھارت اور متحدہ قومیت کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ ہندوؤں کی اس معاندانہ روش اور ذہنی خباثت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اس لئے بھی وہ مسلم ثقافت کے تحفظ کی خاطر قیامِ پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ مسلم ثقافت میں ذات پات کی نامعقول تمیز' برہمنیت (مذہبی پیشوائیت)' انسانی عدمِ مساوات اور عورت کی تذلیل کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آج بھی ہندوستان میں شودروں اور اقلیتوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جا رہا ہے۔ کیا وہاں آئے دن مسلمانوں کو اور اب سکھوں کو ظلم وستم کا نشانہ نہیں بنایا جاتا؟ کیا گاندھی جی کے اہنسا کے اصول پر عمل کرنے کی بجائے وہاں غیر ہندوؤں پر عرصۂ حیات تنگ نہیں کیا جا رہا؟ ہندومت کے برعکس اسلام نسلی امتیاز کے خاتمہ' انسانی مساوات' اخوت' حریت' انسانی محبّت' مذہبی رواداری' آفاقی اقدار' وسیع النظری اور مظلوموں کی حمایت کا علمبردار ہے۔ مختصر طور پر ہندو دھرم دین اسلام کے عالمگیر اصولوں اور انسانی اقدار کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ان اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی قائداعظم ہندو راج کے قیام کے زبردست ناقد اور دشمن تھے۔ اس ضمن میں ان کے یہ مندرجہ ذیل اقوال صداقت پر مبنی دکھائی دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہندوستان کے مسلمان زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل کرکے اپنی ذہانت و فطانت کے مطابق اپنے سیاسی' سماجی اور ثقافتی اداروں کو ترقی دینے کے

خواہش مند ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ دوسرے ان پر غلبہ پاکر انھیں کچل ڈالیں"۔(اکتوبر 1939ء)

"ہندو مذہب ذات پات کے اپنے مظہر سے نمایاں اور ممیّز ہے کیونکہ ذات پات ہندوؤں کے سماجی نظاموں کی اساس ہے..... اس کے برعکس مذہب اسلام انسانی مساوات کے تصور پر مبنی ہے"۔(19 جنوری 1940ء)

اسلام ہمیں نہ صرف مسلمانوں سے محبّت واخوت کا درس دیتا ہے بلکہ یہ تو بلا امتیازِ مذہب و نسل' انھیں عالمگیر محبّت اور انسانی بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری' محبّت کی فراوانی

سیاسی وجوہات

ہندو سیاستدان کانگرس اور ہندو راج کے سہارے مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے اور انھیں پست ترین شہری بنانے کے درپے تھے۔ ہندوستان میں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے کئی بار فسادات بھی کروائے تھے۔ مسلم لیگ کے راہ نما آزادی کے حصول سے قبل اپنے سیاسی' ثقافتی' اقتصادی' سماجی اور مذہبی معاملات کا حل اور اپنے حقوق کے تحفظ پر زور دیتے تھے۔ اس کے علی الرغم کانگرسی لیڈر ٹال مٹول سے کام لیتے ہوئے پہلے ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کو شریک کرنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کررہے تھے۔ ان کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ پہلے مسلمانوں کے ساتھ چل کر انگریزوں سے آزادی حاصل کی جائے اور بعدازاں مسلمانوں پر حکومت قائم کی جائے۔ محمد علی جناحؒ ہندوؤں کی اس مکارانہ چال سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے وہ آزادیٔ وطن سے پہلے اپنے معاملات کے تسلی بخش حل پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ہندو لیڈروں سے سیاسی اختلافات کے بڑے بڑے عوامل یہ تھے:

ا- ہندو اس بات کے قائل تھے کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگ بلا امتیازِ مذہب ایک قوم ہیں۔ اس لئے وہ مسلمانوں کو بھی ایک قوم کے افراد قرار دیتے تھے۔ قائداعظمؒ کا خیال یہ تھا کہ مسلمان جداگانہ اور منفرد قومیت کے حامل ہونے کی حیثیت سے مختلف قوم ہیں اس لئے ان کا جداگانہ وطن ہونا چاہیئے۔ بالفاظِ دیگر

ہندو لیڈر متحدہ قومیت کے قائل تھے جبکہ بانیٔ پاکستان مسلم قومیت میں پختہ یقین رکھتے تھے۔ ان کا یہ قول ان کے اسی سیاسی تدبر کا عکاس ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''ہم اس سرزمین میں آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کوئی اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں''۔ (7 مارچ 1942ء)

۲- ہندو لیڈر برصغیر پاک و ہند میں بسنے والی تمام قوموں کے لئے ایک مرکزی آئین بنا کر انھیں انڈین وفاق میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ اس کے برعکس مسلم لیگی لیڈر انڈین وفاق اور مرکزی حکومت کے خلاف تھے کیونکہ اس طرح انھیں اقلیت کی حیثیت سے بے بس بنایا جا سکتا تھا۔ قائداعظمؒ کا درجِ ذیل ارشاد اس امر کی مزید وضاحت کر سکے گا۔ وہ فرماتے ہیں:

''اگرچہ مسلم لیگ آزاد ہندوستان کی حامی ہے تاہم یہ ہر قسم کے اس وفاقی نصب العین کی اٹل مخالف ہے جس کا لازمی نتیجہ جمہوریت اور پارلیمانی طرز کی حکومت کے پردے میں اکثریت کی حکمرانی ہو..... ایسا آئین مرتب کرنا چاہیئے جو اس بات کو تسلیم کرے کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں اور ان دونوں کو مشترکہ مادرِ وطن کی حکومت چلانے میں شریک ہونا چاہیئے''۔ (19 جنوری 1940ء)

۳- اس میں کوئی کلام نہیں کہ محمد علی جناحؒ پارلیمانی اور صحیح قسم کی جمہوری حکومت کی تشکیل کے قائل تھے تاہم وہ غیر منقسم ہندوستان میں مغربی طرز کی جمہوریت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکھنڈ بھارت میں ہندو مسلمانوں کی نسبت زیادہ آبادی اور تعداد کے حامل تھے۔ اگر مغربی طرز کی جمہوریت کو وہاں اُس وقت اختیار کیا جاتا تو متعصب اور عناد پرست ہندو اپنی اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں پر اپنی مرضی کا آئین مسلط کر کے انھیں بآسانی اپنا غلام بنا لیتے۔ اس ضمن میں بانیٔ پاکستان کا یہ قول کس قدر حقیقت گشا ہے:

''انڈیا میں ایک وفاقی' متحدہ اور جمہوری ریاست کا نظریہ غلط ہے۔ اس قسم کی ریاست مسلم اقلیت کو ہمیشہ کے لئے ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر ڈال دے گی''۔ (24 ستمبر 1943ء)

۴- ہندو لیڈر خاص طور پر گاندھی' راجگوپال اچاریہ اور نہرو برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے زبردست مخالف تھے۔ وہ تقسیمِ ہند کو گئوماتا کی تقسیم کے مترادف قرار دیتے

ہوئے اس کے حق میں نہیں تھے۔ غیر منقسم ہندوستان کے نظریئے کے پردے میں ہندو مسلمانوں کو ہندو راج کے ماتحت رکھنے کے خواہش مند تھے۔ قائداعظمؒ ہندو لیڈروں کی اس چال کو اچھی طرح تاڑ گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے علم بردار بن گئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

''ہم یا تو پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا ہم موت سے ہمکنار ہو جائیں گے''۔
(اکتوبر 1942ء)

اقتصادی وجوہات

تاریخِ ہند کا گہرا مطالعہ کرنے والا کوئی شخص بھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ برطانوی دورِ حکومت میں مسلمانوں کو غربت و افلاس میں مبتلا کر دیا گیا تھا تاکہ وہ روٹی کے چکر ہی میں پھنسے رہیں اور زندگی کے دیگر اہم امور کی طرف کوئی چنداں توجہ نہ دے کر خطرۂ عظیم نہ بن سکیں۔ اس سلسلے میں انگریزوں اور ہندوؤں کے درمیان بہت گہرا گٹھ جوڑ تھا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد تو مسلمانوں کی اقتصادی حالت بدترین بنا دی گئی تھی۔ قیامِ پاکستان کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمان ایک آزاد اور خودمختار مملکت کے مالک بن کر اپنی معاشی حالت کو مستحکم بنا کر باعزت زندگی گزار سکیں۔ قائداعظمؒ مسلمانوں کے افلاس اور مالی زبوں حالی سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ اس طرح اقتصادی سبب بھی قیامِ پاکستان پر منتج ہوا ہے۔ اب اسے صحیح معنوں میں فلاحی ریاست بنانا حکومت کے اہم فرائض میں شامل ہے۔

□□□

قائداعظمؒ کا ایک اہم فرمان

قائداعظم محمد علی جناح بلاشبہ دورِ حاضر کی عظیم المرتبت سیاسی شخصیات اور جلیل القدر مسلمان قائدین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے مسلمانانِ عالم کے لئے بالعموم اور مسلمانانِ پاکستان کے لئے بالخصوص گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور توانائیوں کو اسلامیانِ ہند کی فلاح و بہبود اور قیامِ پاکستان کی جدوجہد کی خاطر وقف کر کے بقائے دوام حاصل کر لی ہے۔ ایسے نابغۂ روزگار انسان مدتوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور قوموں کی تقدیر سنوارا کرتے ہیں۔ یہ انسانیت دوست راہ نما اور قومی فلاح کے علمبردار اس بارانِ رحمت کی مانند ہوا کرتے ہیں جو مُردہ زمین میں فرحت بخش روئیدگی کے آثار نمایاں کر دیتی ہے۔ اُن کے خیالاتِ عالیہ اور افکارِ گوناگوں مایوس انسانوں کے اذہان و قلوب میں زندگی کی لہر دوڑا کر انھیں اعلیٰ مقاصد اور قابلِ ستائش اصولوں سے روشناس کراتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کے نظریات اور اقوال حکمت و دانش کے انمول خزانے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علیہ الرحمہ نے بھی برصغیر پاک و ہند کے محکوم، پس ماندہ اور مظلوم مسلمانوں کی نجات، اسلامی ثقافت کے تحفظ، حصولِ آزادی، دوقومی نظریئے کے فروغ، باہمی اتحاد اور ملّی ترقی کے ضمن میں جن اعلیٰ خیالات کا مختلف مواقع پر تذکرہ کیا تھا وہ ہم سب کی توجہ کے مستحق اور ہماری موجودہ قومی مشکلات کے تسلی بخش حل کے ضامن ہیں۔ پاکستان کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر ان کے ایک اہم فرمان ''اتحاد، ایمان اور تنظیم'' کی یہاں وضاحت کی جاتی ہے تاکہ ہم اس کے حقیقی مفہوم کو ذہن نشین کر کے اسے عملی جامہ پہنا سکیں اور عروج و کامرانی کی منزل کی جانب بہادروں کی طرح گامزن ہو سکیں۔ اگرچہ قائداعظمؒ کا یہ قول صرف چند الفاظ پر مشتمل ہے تاہم اس کی ہمہ گیر افادیت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم ان کے اس اہم فرمان کو ہمیشہ مدنظر رکھیں تو ہم کبھی بھی زوال پذیر نہیں ہو سکتے کیونکہ اس فرمان کے تین بنیادی الفاظ 'اتحاد'، 'ایمان' اور 'تنظیم'

اسلامی تعلیمات کے آئینہ دار اور فطرت کے اٹل قانون کے عکاس ہیں۔

اتحاد

یہ ایک بڑا سادہ اور آسان فہم لفظ ہے لیکن اس کی تہہ میں پوشیدہ معانی بڑے ہی وسیع اور سرور انگیز ہیں۔ اتحاد کی اہمیّت کافی ہمہ گیر ہونے کے باعث حیاتِ انسانی کے مختلف شعبہ جات اور مظاہرِ فطرت میں اپنی نیرنگیاں دکھا رہی ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے اشیائے کائنات کا ظاہری اختلاف مختلف عناصر کی وحدت کو منکشف کرتا ہے بقولِ اقبالؒ:

ع لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دِل چیریں

مذہبی اور صوفیانہ لحاظ سے اشیائے جہاں کی کثرت میں ہمیں وحدت کی مے چھلکتی نظر آتی ہے۔ سماجی اور سیاسی طور پر بھی قومی اتحاد اور ملّی وحدت کی اہمیّت سب پر بخوبی آشکار ہے۔ جس طرح پھولوں کے اتحاد کے بغیر خوبصورت گلدستہ اور خشت و سنگ کے اجتماع کے بغیر مضبوط عمارت کا وجود ناممکن ہوتا ہے اسی طرح افراد کی فکری ہم آہنگی اور نظریاتی اتحاد کے بغیر مستحکم قوم معرضِ وجود میں نہیں آیا کرتی۔ دیانت دار، فرض شناس، اتحاد پسند اور نیک کردار افراد ہی اپنی ملّت کی تقدیر سازی کا فریضہ سرانجام دیا کرتے ہیں۔ قوموں کی تقدیر اپنے افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جیسا کہ علامہ اقبال مرحوم و مغفور نے کہا تھا:

ع افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ

اقوام کا افراد پر اور افراد کا گھریلو زندگی اور معاشرتی روابط کے حُسن و اعتدال پر انحصار ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس لئے عمدہ جماعت کی تشکیل سے پہلے فرد کی اعلیٰ تربیت پر زور دیا ہے تاکہ یہ انفرادی استحکام بعدازاں ملّی استحکام کا مؤثر ذریعہ بن سکے۔ خدا تعالیٰ کی اس آخری کتابِ ہدایت نے مسلمانوں کو اتحاد اور اخوت کا درس دیتے ہوئے کہا ہے:

وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

''تم سب مل جُل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ بازی کا شکار نہ ہو جاؤ''۔

قرآنی اعتصام کو نظرانداز کر کے ہی بدقسمتی سے مسلمان دورِ حاضر میں باہمی انتشار کی دلدل میں بُری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ ایک قرآن، ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کعبہ رکھنے کے باوجود وہ اسلامی وحدت و اخوت سے دُور جا چکے ہیں۔ یک رنگی کے بدلے یہ ناآشنائی اور ایک ہی خرمن

کے دانوں میں موجودہ جدائی ہماری اجتماعی بدبختیوں اور زوال کا پیش خیمہ بنی ہوئی ہے۔

قیامِ پاکستان سے قبل اسلامیانِ ہند مختلف سیاسی اور مذہبی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ محمد علی جناحؒ، علامہ اقبالؒ، چودھری رحمت علیؒ اور دیگر ہمدرد قائدین ملت مسلمانوں کو باہمی اتحاد و الفت کا پیغام دیتے رہے تاکہ وہ ہندوؤں اور انگریزوں کی معاندانہ مساعی کو ناکام بنائیں اور الگ خطۂ زمین میں اپنے مذہبی تشخص، ثقافتی اقدار اور حریتِ فکر و عمل کے اصولوں کی حفاظت کرسکیں۔ بانیٔ پاکستان نے حصولِ پاکستان سے پہلے برصغیر پاک و ہند کے ذہنوں پر بھائی چارے اور باہمی اتحاد کے اصول مرتسم کرنے کے لئے بہت کچھ کہا تھا۔ اس ضمن میں ان کے یہ چند اقوال ملاحظہ ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

''جب تک مسلمانوں کے درمیان ہر حالت میں اتحاد نہ ہوگا وہ اپنا وجود کھو بیٹھیں گے''۔ (5 فروری 1938ء)

''اے مسلمانو! تمھیں اپنے اندر مکمل وحدت اور استحکام کو برقرار رکھنا چاہیئے۔ اگر تم آپس میں لڑتے رہو گے تو کوئی بھی تمھاری مدد نہیں کرے گا اور تم الگ الگ ہو جاؤ گے''۔ (2 نومبر 1941ء)

''آیئے آج ہم روحانی اور ذہنی وحدت کے حامل بن جائیں۔ آیئے ہم مضبوط قوم کی حیثیت سے متحد ہو جائیں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں''۔ (اکتوبر 1942ء)

کیا ان اقوال سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ بانیٔ پاکستان اتحاد بین المسلمین کی ہمہ گیر اہمیّت و افادیت سے بخوبی آگاہ تھے؟ کیا ان کے یہ اقوال قرآنی تعلیمات کی صدائے بازگشت نہیں ہیں؟

ایمان

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے حکیمانہ قول کا دوسرا اہم عنصر 'ایمان' ہے۔ ایمان کا مطلب ہے

کسی بات یا عقیدے کی صداقت کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرنا اور اسے فروغ دینے سے نہ گھبرانا۔ قرآنِ حکیم نے اپنے ماننے والوں کو بار بار ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ ایمان کو جماعتِ مومنین کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اقوال و اعمال کا سرچشمہ قرار دیتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی اعمال درحقیقت ہمارے عقائد و نظریات کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ جیسا ہمارا نظریۂ حیات ہوگا ویسے ہی ہمارے اعمال ہوں گے۔ فکرِ فاسد سے غلط اعمال ہی پیدا ہوں گے۔ اس کے برعکس فکرِ صالح درست اعمال کی تخلیق کرتا ہے۔ قرآن محض کسی بات یا نظریئے کی قلبی تصدیق اور زبانی اقرار کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ وہ عملِ صالح پر بھی زور دیتا ہے۔ اس طرح ایمان اور عملِ صالح کے توازن و ربط سے زندگی متوازن اور حسین بن جاتی ہے۔ عقلی اقرار کے ساتھ ساتھ دل و نگاہ کا مسلمان ہونا بھی لازمی ہوتا ہے۔ بقولِ اقبالؒ:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قائداعظمؒ کی نظر میں 'ایمان' کی قومی اہمیّت کیا ہے اور وہ اس پر زور کیوں دیتے ہیں۔ پاکستان کی تحریکِ آزادی اور مسلمانوں کی سیاسی نجات کی خاطر وہ ہمیں دو قومی نظریئے، ہمارے جداگانہ ملّی تشخص، الگ خطۂ زمین کے حصول، تصورِ پاکستان کی عملی جدوجہد اور آل انڈیا مسلم لیگ کی مؤثر تنظیم پر ابھارتے رہے۔ وہ اس امر سے اچھی طرح واقف تھے کہ نظریاتی اتحاد اور مضبوط فکری وابستگی میں پختہ ایمان لائے بغیر کوئی قوم بھی بامِ عروج تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس لئے وہ ہمیں اپنے قومی مقاصد اور ثقافتی اقدار میں گہرا ایمان رکھنے کی بار بار تلقین کرتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے ہم اسلامی تصورِ زندگی، نظریۂ پاکستان، قومیت کے مسلم تصور، توکل علی اللہ، اپنی سیاسی جماعت (آل انڈیا مسلم لیگ) اور اپنی ذات کی خداداد صلاحیتوں اور قوتوں پر ایمان لائیں اور اس ایمان کو عملی شکل دینے کے لئے ہمیشہ متحد و منظم رہیں۔ ہمارے دشمن ہماری صفوں میں انتشار پھیلانے اور ہمیں نظریۂ پاکستان کی اسلامی اساس سے مایوس کرنے کے لئے تمام ہتھکنڈے استعمال کرتے رہے مگر ہمارے اس عظیم اور دُوراندیش لیڈر نے اپنے عزمِ راسخ اور استقلال سے کام لیتے ہوئے ہمیں متزلزل ہونے سے بچائے رکھا۔ جب پاکستان کی بنیاد اسلام کو تسلیم کرلیا گیا تو پھر ہندوستان کے مسلمان ان کی ولولہ انگیز قیادت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور وہ ایک نئی مملکت کو تشکیل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو عزمِ راسخ کا حکم دیتے ہوئے یہ کہا تھا:
اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکّل عَلَی اللّٰہ ''جب تو کسی کام کا پختہ ارادہ کرے تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھ''۔

قائداعظمؒ نے اس قرآنی تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے نہ صرف خود قیامِ پاکستان میں مضبوط قوتِ ارادی کا شاندار مظاہرہ کیا بلکہ وہ مسلمانوں کے اندر بھی یہی تڑپ پیدا کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے۔اس سلسلے میں ان کے چند مندرجہ ذیل اقوال ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں:

''کوئی فیصلہ کرنے سے پیشتر تم سو بار سوچو لیکن جب تم ایک بار فیصلہ کر لو تو پھر اس پر ڈٹ جاؤ.....تم سچّے اور وفادار بنو اور مجھے یقین ہے کہ کامیابی تمہارے قدم ضرور چومے گی''۔(اکتوبر 1937ء)

''ہم یا تو پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا ہم موت سے ہمکنار ہو جائیں گے''۔(اکتوبر 1942ء)

''آیئے ہم اپنے نعرہ .....'اتحاد' 'ایمان' اور 'تنظیم' پر چلنے کا عزم بالجزم کریں''۔(30 ستمبر 1943ء)

تنظیم

جب ہمارے اندر ایمان کی بدولت فکری یگانگت اور خیالات کی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ہم اپنے ہم خیال حضرات کے ساتھ اتحاد کر لیا کرتے ہیں۔افراد کا بے ہنگم اور بے ترتیب ربط مضبوط جماعت کی تشکیل کا باعث نہیں ہو سکتا۔صحیح طور پر متحد ہونے کے لئے تنظیم لازم ہوتی ہے۔جس طرح تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کو خاص ترتیب دے کر حسین بنایا جاتا ہے اسی طرح ملت کے مختلف اور منتشر افراد کی بھی شیرازہ بندی کے لئے خاص اصول اور آئین لابدی ہوتے ہیں۔خاص قواعد وضوابط کی پابندی اور آئین کی صحیح اطاعت کے بغیر فکری ہم آہنگی اور عملی اشتراک چنداں مفید نہیں ہو سکتے۔اس تنظیم کی بدولت ہی افراد واقوام کو فروغ نصیب ہوتا ہے۔شاعرِ مشرقؒ کے الفاظ میں 'دہر میں عیشِ دوام آئین کی پابندی سے ہے'۔وہ تنظیم کو حسنِ اعتدال اور جذبِ باہمی پر منحصر خیال کرتے ہوئے بجا فرماتے ہیں:

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں
نغمہ از ضبطِ فغاں پیدا ستے

ملت کو منظم اور مستحکم بنانے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ افراد اپنے فروعی اختلافات اور معمولی تنازعات کو بھول کر متحد رہیں اور وہ کسی طرح بھی انتشار وافتراق کا شکار نہ ہونے پائیں۔قائداعظمؒ کے یہ اقوال ہمارے لئے یقیناً دلیلِ راہ ثابت ہوں گے.....وہ ملّی تنظیم کی اہمیّت پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''اگر ہم .....نظم وضبط اور اتحاد کے ساتھ کام کرتے رہے تو انشاءاللہ ہم بہت جلد جنگ جیت لیں گے''۔(4 اپریل 1943ء)

''میں ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو منظّم، مستحکم اور متحد رکھیں''۔(26 جولائی 1937ء)

''آپ لوگ مشکلات سے مت گھبرائیں۔آپ مسلمانوں کے اندر تنظیم، اتحاد، تربیت اور جفاکشی پیدا کر کے انھیں حیرت ناک سیاسی فوج بنا دیں''۔(25 فروری 1940ء)

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات پریشان کن دکھائی دیتے ہیں تاہم ہم بانیٔ پاکستان کے مندرجہ بالا ارشادات کو پیشِ نظر رکھ کر قومی اتحاد، ملّی استحکام، فکری وحدت، اسلامی اخوت اور باہمی الفت کی بدولت ان پر اب بھی قابو پا سکتے ہیں۔انتشار پسندوں کی ریشہ دوانیوں کی مؤثر روک تھام کے لئے تمام محبانِ وطن افراد کا مضبوط اتحاد وقت کی اشد ضرورت ہے۔پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کو منہدم کرنے والوں کا محاسبہ ہر ایک باشعور پاکستان کا اوّلین فریضہ ہے۔تمام پاکستانی اسلام، وطن اور قوم کے تحفظ وبقا کے لئے آپس میں متحد ومنظّم رہیں اور اس طرح بیرونی دشمنوں کے مکروہ عزائم کو ناکام بنا دیں کیونکہ اس میں ہماری نجات کا راز مضمر ہے۔

□□□

حمیدی

قیامِ پاکستان قائداعظمؒ کی نظر میں

پاکستان کا قیام برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا ایک اہم باب بن چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک قیامِ پاکستان کے تمام حقیقی مقاصد پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچے۔ اربابِ بصیرت سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اس مملکت کو معرضِ وجود میں آنے سے پہلے کن صبر آزما اور طویل مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ اس برصغیر میں ظہورِ اسلام کے بعد مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور یہاں مسلم فتوحات کا حلقہ وسیع تر ہوتا گیا۔ زیادہ تر مسلمان حکمران اپنی سلطنت کی توسیع و استحکام میں مشغول رہے اور مسلمان صوفیاء و اولیاء اپنی پاکیزہ زندگیوں کی نورانی کرنوں سے کفر و ضلالت کی تاریکی کو کافور کرنے میں لگ گئے۔ مسلمانوں کے اس جمال و جلال کے امتزاج کا یہ لازمی نتیجہ نکلا کہ یہاں مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ جب مسلم حکمرانوں کی بداعمالیوں، حماقتوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلم اقتدار کا سورج غروب ہو گیا تو انگریزوں نے یہاں اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے۔ ہندو عوام صدیوں تک مسلمانوں کے ماتحت زندگی بسر کر چکے تھے۔ وہ اب مسلمانوں سے اپنی محکومیت کا بدلہ لینے کے خواب دیکھنے لگے۔ اسی طرح سابقہ ادوار میں صلیبی جنگوں کے باعث عیسائی اور مسلمان مدت تک آپس میں برسرِ پیکار رہے تھے۔ یورپ کی عیسائی طاقتیں بھی مسلمانوں کے ہمہ گیر زوال پر خوش تھیں۔ ہندوؤں اور انگریزوں کی مشترکہ مسلم دشمنی انھیں ایک دوسرے کے قریب تر لے آئی اور یہ دونوں گروہ متحد ہو کر اسلامیانِ ہند کی آزادی کے شدید مخالف بن گئے تھے۔ 1857ء کی ناکام جنگِ آزادی میں اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی شامل ہوئے تھے لیکن انگریزی حکومت کا زیادہ تر عتاب مسلمانانِ ہند پر ہی نازل کیا گیا۔ ''نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد'' کے مصداق انگریزوں نے مسلمانوں کو ہر شعبۂ حیات میں پسماندہ کر دیا تاکہ وہ کسی طرح بھی دوبارہ عروج حاصل نہ کر سکیں۔ ان حالات میں کئی ہمدردِ قوم اور مخلص مسلم راہنما آگے بڑھے تھے۔ اس ضمن میں شاہ ولیؒ اللہ، سرسید احمد خانؒ، مولانا شبلی

نعمانیؒ، مولانا حالیؒ، اکبرالٰہ آبادیؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، چودھری رحمت علیؒ اور محمد علی جناحؒ کے اسمائے گرامی زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں ان گنت ہمدرد مسلمانوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق قیامِ پاکستان کے خواب کو ایک زندہ حقیقت میں تبدیل کرنے کے لئے جدوجہد کی تھی۔ عوام کی بے شمار قربانیوں اور انڈیا کی مسلمان اقلیتوں کے دلخراش واقعات کے بغیر تحریکِ پاکستان کا تذکرہ ادھورا رہ جائے گا۔ اس اجمالی پس منظر کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ قیامِ پاکستان کے کیوں حامی تھے اور وہ کن مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر آگے بڑھے تھے۔

سیاسی آزادی کا حصول

محمد علی جناحؒ جب انگلستان سے قانونی تعلیم حاصل کر کے انڈیا واپس گئے تو انھوں نے شروع شروع میں اپنے قانونی پیشے کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی۔ بعدازاں انھوں نے ملکی آزادی کی تحریک میں حصہ لینے کے لئے کانگرس میں شمولیت اختیار کر لی۔ جب ان پر کانگرس کی مسلم دشمنی کا راز فاش ہوا تو انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہو کر اسلامیانِ ہند کی بہتری کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا۔ مسلم لیگ میں ان کی شمولیت سے سیاسی آزادی کی تحریک میں بھی شدت پیدا ہو گئی۔ کانگرس کی رائے میں مسلمان ایک ملک میں رہنے کے سبب ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے تھے جب کہ زیادہ تر مسلم زعماء خصوصاً علامہ اقبالؒ، چودھری رحمت علیؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے علمبردار تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور تاریخی اختلافات اتنے گہرے تھے کہ صدیوں تک اکٹھا رہنے کے باوجود وہ دُور نہ ہو سکے۔ ہندو لیڈر مغربی نظریۂ قومیت کے پیشِ نظر جغرافیائی قرب اور وطنی اشتراک کو متحدہ انڈین قومیت کی اساس قرار دیتے تھے۔ اس کے برعکس لیگی قائدین اور ان کے ہم نوا علما و دانش ور رنگ، نسل، جغرافیائی حدود اور زبان کی بجائے لا الٰہ الا اللہ کو مسلم قومیت کی بنیاد خیال کرتے تھے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ اس نقطۂ نگاہ کی یوں ترجمانی کرتے ہیں:

؎ اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت گئی
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علی الرحمتہ بھی حضرت علامہ کی ہمنوائی کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں:

''مجھے دوبارہ یہ کہنے دیجیے کہ انڈیا نہ تو ایک قوم ہے اور نہ ہی یہ ایک ملک ہے۔ انڈیا کئی قوموں پر مشتمل ایک برصغیر ہے جس کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان ہیں''۔ (یکم اکتوبر 1939ء)۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمان الگ قومیت کے حامل ہیں تو پھر لامحالہ قومی زندگی گزارنے کے لئے ایک علیٰحدہ خطۂ زمین بھی درکار تھا۔ اس لئے وہ قیامِ پاکستان کے لئے سیاسی آزادی کے بہت بڑے نقیب بن گئے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کی آزادی کے خواہش مند تھے؟ کیا وہ پاکستان کے حصول کے بعد کسی مخصوص گروہ کی آزادی کے حامی تھے یا وہ عوام الناس کی وسیع تر آزادی کو قیامِ پاکستان کا اولین مقصد تصور کرتے تھے۔ وہ اپنے نظریۂ آزادی پر روشنی ڈالتے ہوئے خود فرماتے ہیں:

''مسلم لیگ آزادی کو حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کئے ہوئے ہے۔ یہ آزادی نہ صرف طاقتور اور غالب لوگوں کے لئے ہوگی بلکہ یہ کمزوروں اور مظلوموں کے لئے بھی ہوگی''۔ (5 فروری 1938ء)

اب اس قول کی روشنی میں ہم خود یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ وہ سیاسی آزادی کے ثمرات سے غریب، مظلوم اور کمزور عوام کو فیض یاب کرنے کے حامی تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی چند افراد کی حاکمیت اور عوام الناس کی محکومیت کے قائل نہیں تھے۔ سیاسی آزادی وہی ہے جس میں مساوات، اخوت اور عدل کا رنگ نظر آتا ہو.....

مسلم ثقافت کا تحفظ

پاکستان کو ایک جداگانہ اور خودمختار مملکت کی حیثیت سے معرضِ وجود میں لانے کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانانِ ہند کی تہذیب و ثقافت کو نہ صرف محفوظ رکھا جائے بلکہ اسے وہاں آزادی کے اصولوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق فروغ بھی دیا جائے۔ باقی ثقافتوں کی طرح دین اسلام بھی مخصوص ثقافت کا آئینہ دار ہے اور یہی ثقافت مسلمانوں کو غیر مسلموں سے ممیّز کرتی ہے۔ اگر کلچر کے لفظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح کھیتی کے لئے بیج بنیادی اہمیّت رکھتا

ہے اسی طرح کلچر بھی کسی قوم کی تشکیل کے لئے اساسی نظریۂ حیات کا درجہ رکھا کرتا ہے۔ نظریات کے بغیر اعمال اور اعمال کے بغیر انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ تیار نہیں کیا جاسکتا۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر بانیٔ پاکستان ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو مختلف ثقافتوں اور قوموں کے حامل خیال کیا کرتے تھے۔ دو علیٰحدہ ثقافتوں کی حامل دو قوموں کو اپنے مذہبی اور ثقافتی عقائد و تصورات کی رُو سے بہتر اور پُرامن زندگی بسر کرنے کے لئے الگ الگ علاقوں کی ضرورت تھی تاکہ وہ آزادانہ ماحول میں کسی کشمکش کے بغیر رہ سکیں۔ کانگرس ایک قوم کا نعرہ بلند کر کے آزادی حاصل کرنے اور بعدازاں مسلمانوں کو ہندو راج کے تحت رکھنے کی شدید آرزومند تھی۔ محمد علی جناحؒ کو یہ نظریہ کسی طرح بھی قبول نہیں تھا کیونکہ اسلام ناسازگار اور غیر اسلامی ماحول میں فروغ پذیر نہیں ہوسکتا۔ جس طرح ناسازگار ماحول میں عمدہ پودا کبھی نہیں پنپ سکتا بعینہٖ کافرانہ ماحول میں اسلام اپنے بہترین برگ و بار پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ عبادات غلبۂ اسلام کے لئے مجاہدین تیار کیا کرتی ہیں جیسا کہ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

یہ حکمتِ ملکوتی یہ علمِ لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

محمد علی جناحؒ بھی اسلامی ثقافت اور غلبۂ اسلام کی خاطر آزادی اور قیامِ پاکستان کے حامی تھے۔ اس بارے میں ان کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں: وہ ہندو کانگرسی لیڈروں سے یوں خطاب کرتے ہیں:

''تم مجھے اسلام کی روشنی میں اپنی تاریخ، اپنی روایت اور اپنی ثقافت و زبان کے مطابق زندگی بسر کرنے دو اور تم اپنے علاقوں میں ایسا ہی کرو۔ آیئے ہم امن و امان کے ساتھ زندہ رہیں۔ بدقسمتی سے ہندو قیادت کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کے سامنے جھک جائیں اور ہندو راج کے غلبے کے تحت سارے ہندوستان میں اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزارنے پر رضامند ہو جائیں۔ ہم کبھی بھی اس حالت کو قبول نہیں کریں گے''۔ (14 نومبر 1942ء)

اقتصادی خوشحالی کی آرزو

اس امر سے انکار محال ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل برصغیر پاک و ہند کی اقتصادیات پر انگریزوں کے بعد ہندو لوگ چھائے ہوئے تھے۔ پاکستان کے ایک اور ممتاز قومی راہنما چودھری

رحمت علیؒ کے قول کے مطابق اس ''برٹش بنیا اتحاد'' (British-Bania Alliance) کی بنا پر انڈین برصغیر میں عام مسلمانوں کی اقتصادی حالت اس قدر زبوں بنا دی گئی کہ وہ 'ماشکیوں اور چوب تراشوں' کی سطح پر آ گئے تھے۔ صدیوں تک یہاں مسلمانوں نے حکومت کی اور وہ خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے مگر برٹش حکومت نے ہندو تاجروں اور مہاجنوں کے ساتھ مل کر انھیں انتہائی غربت کا شکار بنا دیا تھا تا کہ وہ فکرِ معاش ہی میں الجھے رہیں اور ان گروہوں کی بالادستی کو چیلنج نہ کر سکیں۔ حسّاس مسلم مصلحین اس صورتِ حالات سے کافی رنجیدہ اور پریشان تھے۔ اکثر دیہاتوں میں مسلمان کسانوں اور زمینداروں کو ہندو مہاجنوں اور ساہوکاروں نے قرضوں کے بوجھ تلے اس قدر لاد دیا تھا کہ انھیں بھاری قرضے ادا کرنے کے لئے اپنی زمینوں کو فروخت کرنا پڑتا تھا۔ اس اقتصادی استحصال نے انھیں گوناگوں مشکلات میں مبتلا کر دیا تھا۔ علامہ اقبالؒ اپنے ایک خط مورخہ 28 مئی 1937ء میں اسلامیانِ ہند کی اس معاشی زبوں حالی کی طرف محمد علی جناحؒ کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''روٹی کا مسئلہ زیادہ سے زیادہ نازک ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ گذشتہ دو سو سالوں سے نیچے ہی جا رہا ہے۔ وہ عموماً یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی غربت ہندو ساہوکاری یا سرمایہ داری کی وجہ سے ہے۔ اسے ابھی تک مکمل طور پر یہ احساس نہیں ہوا کہ اس کا افلاس بیرونی حکومت کے باعث بھی ہے۔ امکان ہے کہ جواہر لال نہرو کی لادین سوشلزم مسلمانوں کی توجہ کا مرکز نہیں بنے گی''۔

انھوں نے بانیٔ پاکستان پر زور دیا کہ وہ مسلمانوں کی غربت کے مسئلے کو بھی مسلم لیگ کا منشور بنائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس لحاظ سے قیامِ پاکستان کا ایک ضروری مقصد اقتصادی خوشحالی بھی تھا۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ محمد علی جناحؒ پاکستان میں کسی قسم کے اقتصادی استحصال اور معاشی بنیادوں پر طبقاتی کشمکش کے حق میں نہیں تھے۔ وہ سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو سخت وارننگ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''میں یہاں اُن زمینداروں اور سرمایہ داروں کو یہ تنبیہ کروں گا جنھوں نے ایک غلط نظام کے سہارے ہمیں نقصان پہنچا کر خود ترقی حاصل کی ہے..... لوگوں کا استحصال ان کے خون میں رچ بس گیا ہے۔ انھوں نے اسلام کے اسباق کو بھلا دیا ہے..... میں نے دیہاتوں میں جا کر دیکھا ہے کہ ہمارے

> لاکھوں لوگوں کو ایک دن کا کھانا بھی مشکل سے ملتا ہے۔ کیا اس کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی مقصدِ پاکستان ہے؟..... اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو میں ایسے پاکستان کو حاصل نہیں کروں گا''۔ (24 اپریل 1943ء)

عوامی فلاح و بہبود کا جذبہ

حکومت کے بنیادی فرائض میں قیامِ امن، عوام کی جان، عزت اور آبرو کی حفاظت، عدل و انصاف، اندرونی استحکام، ملکی دفاع، رعایا کے جائز حقوق کی نگہداشت اور ان کی فلاح و بہبود کی سرگرمیاں شامل ہوتی ہیں۔ ان فلاحی سرگرمیوں میں عوام الناس کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل، رہائشی مسائل کے حل، تعلیمی مقاصد کے حصول، تہذیبی، اخلاقی، مذہبی اور ثقافتی اقدار کی ترویج کو نمایاں اہمیّت دی جاتی ہے۔ اگر کوئی حکومت عام لوگوں کی ہمہ گیر فلاح کے فرض کو بطریق احسن ادا نہیں کر سکتی تو اسے حکمرانی کا کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ سلطنت کا قیام ملک کے ایک مخصوص اور طاقتور طبقے کی خوشحالی اور عوام کی زبوں حالی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ ملکی دولت اور دیگر قدرتی وسائل کو سب کے لئے مفید بنانا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو جلد یا بدیر وہاں باہمی کشمکش، طبقاتی نزاع، بدامنی اور تخریب کاروں کی خفیہ تحریکیں پیدا ہو کر اس سلطنت کا شیرازہ منتشر کر دیا کرتی ہیں۔ اس طرح اندرونی بے چینی اور نااتفاقی کی فضا بیرونی حملہ آوروں کی تاخت و تاراج کو جنم دیتی ہے اور وہ قوم دوسروں کی محکوم بن جاتی ہے۔ بانیٔ پاکستان ایک ایسے دُور اندیش سیاستدان تھے جو ان حقائق سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے ان کی رائے میں پاکستان کی تاسیس کا ایک اعلیٰ مقصد عوام الناس کی فلاح و بہبود تھا۔ انھوں نے سیاستدانوں، طلبہ، سماجی کارکنوں، امیروں اور وزراء کو بار بار اس بات کی تاکید کی تھی کہ وہ پورے انہماک اور خلوص کے ساتھ عوامی بہتری اور اجتماعی مفادات کے لئے کام کرتے رہیں۔ ان کے مندرجہ ذیل تین اقوال اس حقیقت کے عکاس دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے مختلف مواقع پر یہ کہا تھا:

> تمھارا اولین فرض عوام کی بہبود کے لئے تعمیری اور فلاحی لائحہ عمل تیار کرنا اور مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی ترقی کے ذرائع کے بارے میں سوچنا ہے''۔ (اکتوبر 1937ء)

> ''اسلام کے خادموں کی حیثیت سے تم آگے بڑھو اور عوام کو اقتصادی، سماجی،

تعلیمی اور سیاسی طور پر منظم کرو"۔(مارچ 1940ء)

"آیئے، ہم عوام کی اجتماعی فلاح اور اعلیٰ نیک مقصد کی خاطر اپنے ذاتی فائدوں اور سہولتوں کو چھوڑ دیں۔ پاکستان کا یہی مقصد ہے"۔(4 اپریل 1943ء)

میں نے بڑے اختصار کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تصورِ پاکستان کے اہم عناصرِ ترکیبی کو بیان کر دیا ہے تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ ان کے ذہن میں پاکستان کے قیام کا کیا خاکہ تھا۔ اب یہ ہماری ملّی ذمہ داری ہے کہ ہم پاکستان کے استحکام نظامِ اسلام اور بہبودِ عوام کی خاطر اپنی باہمی رقابتوں، صوبائی عصبیتوں، ذاتی مفاد پرستیوں اور سیاسی محاذ آرائیوں کو ترک کر کے باہمی اتحاد، تنظیم اور ایمان کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیں اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست میں تبدیل کر دیں اور ملّی ترقی کا ذریعہ بنیں:

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

□□□

حمیدی

قائداعظمؒ کی وکالتِ پاکستان

قائداعظم محمد علی جناحؒ کو خدا تعالیٰ نے دل و دماغ کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ جسمانی لحاظ سے تو نحیف و نزار دکھائی دیتے تھے مگر دماغی لحاظ سے وہ بے حد طاقتور تھے۔ انسانوں میں بھی باقی اشیائے کائنات کی طرح قانونِ تنوع کی حیرت انگیز بوقلمونی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جسمانی اور دماغی مدارج عالمگیر عدم مساوات کے اصول کے آئینہ دار ہیں۔ بہرحال ملتِ اسلامیہ کے یہ بطلِ جلیل مضبوط اعصاب اور عزمِ بلند کے مالک تھے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

خالقِ کائنات نے انھیں جو خاص خوبیاں عطا کی تھیں وہ ان کی منفرد شخصیت اور امتیازی شان پر دال ہیں۔ وہ نہ صرف ایک بلند مرتبہ سیاستدان اور عظیم مدبّر تھے بلکہ وہ اعلیٰ پایہ کے وکیل بھی تھے۔ انگلستان کی ایک علمی درسگاہ سے قانونی تعلیم پا کر جب وہ اپنے وطنِ عزیز کو لوٹے تو بہت جلد ان کی قانونی قابلیت کو دیکھ کر انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ عام وکلاء تو عظمت و شہرت کو پانے کے لئے مدت تک تگ و دو کرتے رہتے ہیں لیکن محمد علی جناحؒ کو قدرت نے یہ موقع بہت جلد عطا کر دیا تھا۔ ایک ممتاز وکیل ہونے کی حیثیت سے انھوں نے بطریقِ احسن اپنے پیشہ ورانہ فرائض کو سرانجام دینے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ ان کی یہی مہارت بعدازاں ان کی سیاسی زندگی کی دلیل ثابت ہوئی اور دشمنوں کو بھی ان کی لاجواب اور مدلل گفتگو کی خوبی کا اعتراف کرنا پڑتا تھا۔ انگریزی حکومت، ہندوؤں اور نظریۂ پاکستان کے مخالفین کے خلاف ان کی قانونی اور سیاسی جنگ نے قیامِ پاکستان کی راہ ہموار کرنے میں بلاشبہ نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ انھوں نے پاکستان کے قیام کے ضمن میں جس طرح وکالت کی تھی اس کی نمایاں ترین خصوصیت سے قارئینِ کرام کو

متعارف کروانے کے لئے یہ مضمون سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ آیئے ہم مختصر طور پر اس امر کا جائزہ لیں کہ بانیٔ پاکستان نے اپنے مؤقف کی حمایت میں کیا دلائل دیئے اور انھوں نے کس طرح اپنے سیاسی حریفوں کو شکست دی تھی۔

۱- برصغیر پاک و ہند میں مسلم اقتدار کے خاتمہ اور برطانوی حکومت کے آغاز کے بعد اسلامیانِ ہند گوناگوں مشکلات و مصائب میں گھر گئے تھے۔ ایک طرف ہندو سیاستدان مسلمانوں کے سیاسی احیاء سے خائف تھے تو دوسری طرف برطانوی حکومت مسلمانوں کو ہمیشہ دبانے پر تلی ہوئی تھی۔ ہندوؤں اور انگریزوں کی اس باہمی سازش کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز حکمران یہاں غلبۂ اسلام کی بجائے غلبۂ کفر کے حامی تھے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ اسلام کے ان بدباطن دشمنوں کے عزائم سے بخوبی آگاہ تھے۔ انھوں نے بھی اس بات کا عزم بالجزم کرلیا تھا کہ وہ کسی صورت میں بھی یہاں ہندوراج کو گوارا نہیں کریں گے۔ وہ ان دونوں گروہوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مسلمان اپنی قسمت اور اپنے مستقبل کو کسی دوسرے کے ہاتھوں میں دینے کے لئے تیار نہیں ہیں''۔ (2 دسمبر 1939ء)۔

انھوں نے نومبر 1940ء میں اس بات کی مزید صراحت کرتے ہوئے یہ تاریخی الفاظ کہے:

''ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ ہندوراج کا خواب ترک کردیں اور انڈیا کو ہندو ملک اور مسلم ملک میں تقسیم کرنے پر رضامند ہوجائیں''۔

۲- یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے کئی سو سال تک پاک و ہند کے طول و عرض میں حکومت کی تھی۔ انگریزوں نے بعض غدار مسلمانوں اور غیر مسلموں کو مختلف حیلے بہانوں سے اپنے ساتھ ملا کر یہاں سے مسلم اقتدار کو ختم کردیا اور خود اس پر قابض ہوگئے تھے۔ انھوں نے یہ اقتدار ہندوؤں سے نہیں بلکہ مسلمان حکمرانوں سے چھینا تھا اس لئے حق و انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اب یہ اقتدار مسلمانوں ہی کے حوالے کرتے مگر مکّار اور متعصب انگریز حکمران یہ حقِ حکمرانی ہندوؤں کو منتقل کرنے کے خواہاں تھے۔ محمد علی جناحؒ مسلمانوں کے اس دعوے کی دلیل میں یہ کہتے تھے:

''انگریزوں نے مسلمانوں سے انڈیا چھینا تھا اس لئے ہم ہندوؤں سے کچھ دینے کا سوال نہیں اٹھا رہے ہیں۔ ہمارا مطالبہ تو انڈیا پر قابض انگریزوں سے ہے''۔ (2 مارچ 1941ء)

۳- یہ نکتہ ملحوظِ خاطر رہے کہ پاکستان کا قیام انڈیا کے کسی علاقے سے الگ تھلگ خطۂ زمین کے حصول پر منحصر نہیں تھا کیونکہ موجودہ پاکستان تو زمانۂ قدیم ہی سے انڈیا کا اہم حصّہ تھا۔ یہ پہلے بھی برصغیر پاک و ہند میں تھا اور اب بھی ہے۔ بانیٔ پاکستان اس حقیقت کی طرف یوں بلیغ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ امر حقیقت ہے کہ پاکستان تو صدیوں سے یہاں موجود ہے۔ یہ آج بھی ہے اور یہ رہتی دنیا تک یہاں موجود رہے گا۔ پاکستان ہم سے چھینا گیا تھا اور ہمیں تو اب صرف اسے واپس لینا ہے''۔ (10 مارچ 1941ء)

۴- ہندو اور کانگرسی لیڈر انڈیا پر اپنا حق جتانے کی خاطر یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ ہندو ہی اس کے قدیم باشندے ہیں۔ تاریخی لحاظ سے یہ دعویٰ درست نہیں۔ انڈیا کے اصل باشندے ہندو نہیں تھے بلکہ دراوڑ اور اس سے بھی پہلے اور لوگ تھے۔ ہندو بعد میں یہاں آئے تھے۔ ہندوؤں کے بعد یہاں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ انھوں نے 1940ء میں ہندوؤں کی دلیل کو کاٹتے ہوئے یہ کہا تھا:

''انڈیا کانگرس کی واحد ملکیت نہیں ہے..... ہندوستان پر آریائی لوگوں کا دعویٰ مسلمانوں کے دعویٰ سے بہتر نہیں سوائے اس کے کہ وقت کے لحاظ سے وہ ہندوستان میں مسلمانوں سے پہلے آئے تھے''۔

اس دلیل سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ انتقالِ اقتدار کے لئے وہ بھی ہندوؤں کی طرح حق دار ہیں۔

۵- کانگرسی لیڈر اور ان کے مسلمان ہم نوا ہندوؤں اور مسلمانوں کی واحد قومیت کا پرچار کیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس مسلم لیگی سیاستدان اور ان کے ہم خیال حضرات قومیت کی بنیاد نظریۂ اسلام کو قرار دیتے ہوئے جغرافیائی، لسانی اور وطنی اشتراک کو ثانوی تصور کرتے تھے۔ اس لئے یہ دو قومی نظریہ قیامِ پاکستان کی اہم وجوہات میں سے تھا۔ اس ضمن میں قائداعظمؒ کی وکالتِ پاکستان ملاحظہ ہو۔

وہ فرماتے ہیں: ''انڈیا کے مسلمان الگ قوم ہیں اور وہ ہندوؤں سے الگ قوم

ہونے کی حیثیت سے اپنے حقوق پر اصرار کرتے ہیں''۔(2 مارچ 1941ء)۔
ان کی طرح علامہ اقبالؒ بھی جداگانہ مسلم قومیت کے تصور پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

اس ضمن میں پاکستان کے ایک فراموش شدہ قومی راہنما اور ہمدردِ ملت چودھری رحمت علیؒ کے یہ الفاظ بھی اسی اسلامی حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''پاکستان--- پاک قوم کا آبائی وطن'' (Pakistan- The Fatherland of the Pak Nation) کے پندرہویں باب میں یوں رقم طراز ہیں:

''انڈین وحدت کے فرضی قصے پر پاک آئیڈیالوجی نے تباہ کن اثر ڈالا ہے۔ پاک نظریۂ حیات نے دیبیہ (مراد انڈیا ہے جو کئی اقوام اور کئی مذاہب پر مشتمل ہے) کی واحد قومیت اور واحد علاقائیت کے مسلک کو برباد کر کے رکھ دیا ہے''۔

۶- چودھری رحمت علیؒ کی طرح قائداعظمؒ بھی انڈین فیڈریشن' مرکزی حکومت' وفاقی آئین اور مغربی طرزِ جمہوریت کو برطانوی ہند کے لئے غیر موزوں' غیر منصفانہ اور ہندو مفادات کا محافظ خیال کر کے انھیں ہدفِ تنقید بنایا کرتے تھے۔ ان کی رائے میں ایسا وفاقی نظامِ حکومت اور جمہوری آئین ہندو اکثریت کے لئے تو مفید تھا مگر اس سے مسلمانوں پر ہندو راج قائم ہونے کا قطعی خطرہ تھا۔ ان کے یہ الفاظ کس قدر حقیقت کشا ہیں:

''مسلم انڈیا کسی ایسے آئین کو تسلیم نہیں کر سکتا جس کا لازمی نتیجہ ہندوؤں کی اکثریت پر مبنی حکومت ہو۔ اقلیتوں پر زبردستی ٹھونسے گئے جمہوری نظام کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکجا کرنے کا مطلب ہندو راج ہی ہو سکتا ہے''۔ (مارچ 1940ء)

۷- جب کسی قوم کے جداگانہ تشخص کو ثابت کر دیا جائے تو پھر اس قوم کو اپنی ثقافت اور

مذہب کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے جداگانہ مملکت بھی درکار ہوا کرتی ہے۔ قائداعظمؒ کی یہ منطق قابلِ غور ہے۔
وہ فرماتے ہیں: ''قوم کے پاس اپنا خطہ ہونا چاہیئے۔ کوئی قوم بھی ہوا میں نہیں رہا کرتی''۔(2 مارچ 1941ء)

یہ موضوع خاصا طویل اور دلچسپ ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں اس کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ بہرحال اس سے یہ تو ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارے یہ عظیم اور دُور اندیش لیڈر قیامِ پاکستان کی وکالت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ کیا یہ ہماری خوش نصیبی نہیں تھی کہ خدا نے مسلمانانِ ہند کی نجات کے لئے انھیں ایسا مخلص' لائق اور ذہین راہنما دیا تھا؟
علامہ اقبالؒ کا یہ شعر ان پر صادق آتا ہے:

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

□□□

قائداعظمؒ کا پیغام نوجوانوں کے نام

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کی تقاریر، بیانات اور انٹرویوز کے عمیق مطالعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ انھوں نے قیامِ پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کیا تھا۔ ان اہم موضوعات میں سے ایک موضوع کا تعلّق مسلمان نوجوانوں سے بھی ہے۔ انھوں نے ملتِ اسلامیہ کے اس فعال گروہ کی ملّی اہمیّت و افادیت کے پیشِ نظر جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے تو کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ نوجوان ہی کسی ملک اور قوم کے مستقبل کو تابناک یا تاریک بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا کرتے ہیں۔ نوجوان طبقہ میں بچوں اور بوڑھوں کی نسبت زیادہ قوتِ عمل اور جوش و خروش کی صفات پائی جاتی ہیں اس لئے وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو صحیح سمت میں بروئے کار لاکر قوموں کی تقدیر سنوارنے کی اہلیّت رکھتے ہیں۔ کسی قوم کا حقیقی سرمایہ زر و سیم نہیں بلکہ اس کے روشن دماغ، جفاکش، بلند کردار، باشعور اور فرض شناس نوجوان ہوتے ہیں جیسا کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبال مرحوم و مغفور نے کہا تھا:

؎ قوم را سرمایہ اے صاحب نظر!
نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مالِ اُو فرزند ہائے تندرست
تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست

یہ ایک جانی پہچانی حقیقت ہے کہ تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں مسلمان نوجوانوں خصوصاً اسلامیہ کالج لاہور اور علی گڑھ کے طلباء نے بہت بڑا حصّہ لیا تھا۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے قبل مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ اس فیڈریشن کے کارکنوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز قیادت اور پُرکشش شخصیت سے متاثر ہوکر پاکستان کی تشکیل کو ممکن بنانے کی خاطر بے پناہ قربانیاں دی تھیں اور انھوں نے شہروں کے علاوہ

دیہات میں بھی جاکر مسلم عوام کو نظریۂ پاکستان سے روشناس کرایا تھا۔ اس لحاظ سے طلبہ کی ان ملّت ساز، تعمیری اور مفید خدمات کا اعتراف نہ کرنا احسان فراموشی ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے قائداعظمؒ کو یہ بصیرت عطا کی تھی کہ وہ اپنے پُرخلوص خیالات اور اعلیٰ اصولوں سے دوسروں کو اپنی اصابت رائے سے متاثر کردیا کرتے تھے۔ مسلمان نوجوان بھی اس لئے آگے بڑھ کر تحریکِ پاکستان کا چرچا کرنے لگے تھے۔ اگرچہ قائداعظمؒ مسلمان نوجوانوں کو اپنی تعلیم کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ مبذول کرنے کی تلقین کرتے رہے تاہم قیامِ پاکستان کی جدوجہد کے لئے وہ انھیں آمادۂ عمل کیا کرتے تھے تاکہ وہ ان کا ہراول دستہ بن کر مفید اور تعمیری ملّی خدمات سرانجام دے سکیں۔ انھوں نے 10 مارچ 1941ء کو ان سے جو اہم اپیل کی تھی اس کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔ انھوں نے فرمایا تھا:

> ''میں تم سے اپیل کرتا ہوں کہ تم آنے والے ہنگامی حالات کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھو۔ علی گڑھ مسلم انڈیا کے لئے اسلحہ خانہ ہے اور تم اس کے بہترین سپاہی ہو۔ تم دیہاتوں میں جاکر اپنے لوگوں کو تعلیم دو اور ان کی اصلاح کرو۔ تم لوگوں کو بتاؤ کہ ہمارا نصب العین کیا ہے کیونکہ بہت سے لوگ انھیں گمراہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں''۔

ان حکمت آموز الفاظ سے کیا یہ امر واضح نہیں ہوجاتا کہ وہ نوجوانوں کی انتہا پسندی کے تو قائل نہیں تھے مگر وہ ان کو توازن و اعتدال کی راہ پر گامزن دیکھنے اور مفید قومی کام کرنے کے خواہاں ضرور تھے؟ اگر نوجوان قومی سدھار، ملکی ترقی اور عوامی فلاح کے کاموں میں جائز حد تک حصّہ لیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ مستقبل قوم کے اصل معمار تو وہی ہیں۔ بہترین افراد بہترین قوم تشکیل کیا کرتے ہیں اور بدترین افراد قوم کی تباہی، ذلّت، پستی اور محکومیت کا باعث ہوتے ہیں۔ افراد اور ملّت کے صحیح باہمی تعلقات ہی قومی عروج کے آئینہ دار ہوا کرتے ہیں بقول اقبالؒ:

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ

انسانی جسم میں دماغ اور دل کو جو اہمیّت حاصل ہے وہی اہمیّت کسی قوم اور ملک کے لئے ان کے مصلحین اور قائدین کو دی جاتی ہے۔ جسمانی حرکت سے پہلے ہمارے دماغ اور دل حرکت پذیر ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے خیالات اور جذبات ہوں گے ویسے ہی ہماری جسمانی حرکات اور ہمارے افعال ہوں گے۔ اس نقطۂ نگاہ سے قوموں اور ملکوں کی اچھی یا بُری تقدیر

اُن کے مفکرین اور قائدین کے افکار و اعمال پر منحصر ہوتی ہے۔ بہترین، مخلص اور ہمدرد قائدین اپنے افراد کی صحیح خطوط پر دماغی تربیت اور اخلاقی اصلاح کرنے کے لئے انھیں حیات بخش اقدار اور دوام پرور اصولوں پر عمل کرنے کی بار بار تلقین کرتے ہیں۔ بانیٔ پاکستان بھی ایسے ہی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے اسلامیانِ ہند خصوصاً مسلمانانِ پاکستان سے مختلف نوعیت کے قومی، سماجی، سیاسی، تعلیمی، اخلاقی اور مذہبی موضوعات کے بارے میں خطاب کیا تھا۔ ان کے مخاطبین صرف سیاست دان ہی نہیں تھے بلکہ ان میں عورتیں، عوام، طلبہ، نوجوان، تعلیم یافتہ طبقہ، سرمایہ دار، مزدور، سرکاری ملازمین اور فوجی بھی شامل تھے۔ موضوعِ زیرِ بحث کا تعلق چونکہ نوجوانوں سے ہے اس لئے یہاں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ انھوں نے نوجوانوں سے جو خطاب کیا تھا اس کے اہم نکات کیا ہیں۔ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ نوجوانوں کے نام ان کے پیغام کے چند اہم گوشوں کو بے نقاب کیا جائے گا۔

حصولِ تعلیم کی تاکید

بابائے قوم محمد علی جناحؒ اس امر مسلمہ سے بخوبی آگاہ تھے کہ نوجوانوں کا اوّلین فرض اپنے آپ کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا ہے۔ صحیح طالبِ علم وہی ہے جو اپنے دل میں تعلیم کی لگن رکھتا ہو اور اپنا زیادہ تر قیمتی وقت اس مقصد کے حصول میں صرف کردے۔ جوانی کے زمانے میں اگر اپنے آپ کو تعلیم اور ہنر کی صفات کا حامل نہ بنایا جائے تو پھر تابناک مستقبل کی توقع عبث ہوگی۔ والدین کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد اچھی سے اچھی تعلیم حاصل کر کے اپنی آیندہ زندگی کو خوشحال اور بہترین بنا سکے۔ جو طلبہ اپنی تعلیم کو نظر انداز کر کے غیر ضروری اور بیکار کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ نہ صرف اپنی ذاتی زندگی کو برباد کر دیتے ہیں بلکہ وہ اپنے خاندان، سماج اور قوم کے زوال کا بھی باعث بن جاتے ہیں۔ ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے بانیٔ پاکستان نوجوانوں اور طلبہ کو ہمیشہ یہ تلقین کرتے رہے کہ وہ سب کاموں پر حصولِ تعلیم کے مقصد کو ترجیح دیں۔ ان کا ایک قول ملاحظہ ہو۔ وہ طلبہ کو مشفقانہ انداز میں یوں خطاب کرتے ہیں:

> ''جب تک تم طالب علم ہو، تمھاری ذات، تمھارے والدین اور تمھاری قوم کی طرف سے تم پر یہ اولین فرض عائد ہوتا ہے کہ تم اپنی تعلیم پر پوری پوری توجہ مرکوز کرو۔ یاد رکھو کہ اگر اپنی طالب علمی کے دوران میں تم نے اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیا تو پھر یہ کھویا ہوا وقت ہرگز واپس نہیں آئے گا''۔ (2 نومبر 1941ء)۔

جو نوجوان اور طلبہ اپنی زندگی کے عزیز ترین لمحات کو غیر تعلیمی اور نقصان دہ کاموں میں صرف کر رہے ہیں انھیں اپنے قائد کے ان پُرسوز اور حکیمانہ الفاظ کی افادیت اور صداقت پر ضرور غور کرنا چاہیئے جو طلبہ سیاست کی خارزار وادی میں داخل ہو کر اپنے ہاتھ میں قلم کی بجائے کلاشنکوف پکڑ چکے ہیں وہ یقیناً اپنی زندگی کو برباد کرنے کے درپے نظر آتے ہیں۔ سیاست کے میدان میں داخل ہونے سے پہلے تعلیم کا حاصل کرنا اور اپنی اخلاقی تربیت کرنا اشد ضروری ہے جیسا کہ قائداعظمؒ نے متعدد مواقع پر کہا تھا۔ ان کا یہاں ایک قول نقل کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''جب میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ تم سیاست میں عملی حصہ نہ لو تو میں نہیں چاہتا کہ تمھیں میرے بارے میں کوئی غلط فہمی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے تم اچھی طرح تیاری کر کے اپنے آپ کو اس قابل بناؤ۔ اس لئے تمھاری ضرورت تعلیم، تعلیم اور تعلیم ہے''۔ (15 نومبر 1942ء)۔

سنجیدہ اور سمجھ دار طلبہ کے لئے قائداعظمؒ کے یہ الفاظ اپنے اندر غور و فکر کی دعوت رکھتے ہیں۔

ملّت ساز کاموں کی تلقین

بانیٔ پاکستان اور پاکستانیوں کے عظیم محسن یعنی محمد علی جناحؒ نوجوانوں اور طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں اور جوش و خروش کو تعمیری اور ملّت ساز کاموں کے لئے بروئے کار لانے کے حامی تھے تاکہ وہ بوقتِ ضرورت ملک و قوم کی بطریق احسن خدمت کر سکیں۔ جس وقت ملک و ملّت موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوں تو اس وقت تمام افراد بشمول نوجوانان کے لئے میدانِ عمل میں آ کر قومی اصلاح و نجات کی سعی کرنا لازم ہو جایا کرتا ہے۔ جونہی یہ ہنگامی حالات ختم ہو جائیں نوجوانوں کو فوراً دوبارہ اپنے تعلیمی مقاصد میں منہمک ہو جانا چاہیئے۔ تاریخِ پاکستان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب انگریز اور ہندو سیاستدان ایک مشترکہ سازش کے تحت مسلمانانِ ہند کو ہندو راج کے ماتحت زندگی گزارنے پر مجبور کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اُس وقت قائداعظمؒ کی قیادت میں مسلمانوں کی اکثریت نے مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انھیں سیاسی شکست دی۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک گروہ بھی کانگرس کی حمایت میں مسلمانوں کے دو قومی نظریئے کی شدید مخالفت کر رہا تھا۔ ان تین محاذوں پر قائداعظمؒ نے بڑی دلیری اور سیاسی بصیرت کی بنا پر اپنے دشمنوں سے جو آئینی لڑائی لڑی تھی وہ قیامِ پاکستان پر منتج ہوئی۔ ان کے ساتھ مسلمان عوام کی واضح اکثریت تو تھی ہی مگر مسلمان طلبہ نے اس تحریک میں شامل ہو کر جان ڈال

دی تھی۔ قائداعظمؒ اس لئے نوجوانوں اور طلبہ کی قومی خدمات کے معترف تھے اور مدح خواں تھے۔ ایسے ہنگامی حالات میں وہ مسلمان نوجوانوں کی عملی امداد اور بروقت تعاون کی یوں اپیل کرتے تھے:

''میں خاص طور پر مسلمان طلبہ اور ذہین طبقہ سے مستعد اور باعمل ہونے کی اپیل کرتا ہوں۔ کسی قوم کی خوشحالی اور ترقی کا دارومدار اس کے ذہین افراد پر ہوا کرتا ہے..... میں تم سے اپیل کرتا ہوں کہ تم آنے والے ہنگامی حالات کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھو''۔ (24 دسمبر 1942ء اور 10 مارچ 1941ء)

بابائے قوم نوجوانوں کی انتہاپسندی کو پسند نہیں کرتے تھے اس لئے وہ حصولِ تعلیم اور قومی فلاح کے درمیان گہرا ربط پاتے ہوئے نوجوانوں کی میانہ روی کے قائل تھے۔ اس ضمن میں یہ بات ضرور مدنظر رہے کہ وہ طلبہ کے تشدد کے ہرگز حامی نہیں تھے۔ وہ بلٹ (Bullet) کی بجائے بیلٹ (Ballot) اور انتہاپرستی کی بجائے استدلال اور اعتدال کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ وہ اپنے دشمنوں کو اپنے مضبوط دلائل اور آئینی اصولوں کے مطابق زیر کرنے کی پالیسی پر ہمیشہ عمل پیرا رہے اور اسی آئین پسندی کے باعث انھوں نے اپنے مخالفین کو سیاسی میدان میں بری طرح شکست دی تھی۔ طلبہ کو بھی اپنے اس عظیم قائد کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے مؤقف کو ٹھوس دلائل، تعمیری اندازِ فکر اور صلح پسندانہ طریق کے ساتھ اپنے مخالفین کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں طلبہ کی موجودہ انتہاپسندانہ محاذ آرائی اور خونِ مسلم کی ارزانی کسی طرح بھی قومی فلاح کی عکاس نہیں۔

جذبات پرستی اور نعرہ پرستی سے احتراز کا مشورہ

جوانی کے دور میں گرم جذبات، آتشیں ولولے، انقلابی اُمنگیں اور عمل کی قوتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں۔ یہ دور تعمیری نتائج کو بھی جنم دے سکتا ہے اور تخریبی نتائج کو بھی اس لئے اچھے اور برے نتائج کا دارومدار نوجوانوں کے طرزِ فکر اور اندازِ عمل پر منحصر ہوتا ہے۔ چونکہ عہدِ شباب کشتیٔ دل کے لئے بمنزلۂ سیلاب ہوتا ہے بنابریں جذبات اور خیالات کو نظم وضبط کا پابند بنانا اشد ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اکثر نوجوان جذبات اور روحانی خیالات کی رو میں بہہ کر راہِ حقیقت سے دور چلے جاتے ہیں۔ ایسے عالم میں انھیں بے جا جذبات اور غلط نعروں سے بچانا، مخلص اور دُور اندیش مصلحین اور قائدین کا اوّلین فریضہ بن جاتا ہے۔ نوجوانوں کے نام

قائداعظمؒ کے پیغام کا ایک اہم عنصر انھیں جذبات پرستی اور پُرکشش نعروں کے فریب سے نجات دلاتا ہے۔ وہ ایسے سادہ لوح اور جذبات پرست نوجوانوں سے یوں خطاب کرتے ہیں:

نوجوان نعروں اور پُرکشش الفاظ میں یقین رکھتے ہیں..... تم لوگ جذبات کی رو میں نہ بہہ جاؤ اور نہ ہی تم نعروں کا شکار بنو''۔ (26 دسمبر 1938ء، 2 مارچ 1941ء)

شاندار مستقبل کی تیاری

ماہرین نفسیات کی رائے میں شاندار مستقبل کے لئے زمانۂ حال ہی میں پوری اور صحیح تیاری کرنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ محض حسین تمناؤں اور سہانے خوابوں کے ذریعے آنے والے زمانے کو خوشگوار، درخشاں اور قابلِ رشک نہیں بنایا جاسکتا۔ مستقبل کو بہتر اور تابناک بنانے کے لئے موجودہ زمانے میں درست عمل، درست فکر، سعیٔ مدام، جفاکشی، عمدہ پلاننگ اور وقت کی قدردانی کا ہونا لازمی ہے۔ جو لوگ ان قوانینِ فطرت پر عمل پیرا نہیں ہوتے وہ کبھی اپنے مستقبل کو خوشگوار نہیں بنا سکتے۔ قائداعظمؒ اپنی ملّت کے نوجوانوں کو حال اور مستقبل کے اس گہرے باہمی ربط کی اہمیّت وافادیت سے روشناس کراتے ہوئے بجا فرماتے ہیں:

تعلیمی لحاظ سے مسلح ہو کر تم اپنے اندر عمل کرنے کی خوبی پیدا کرو..... تم جس قدر بہتر انداز میں اب تیاری کرو گے اسی قدر تمھاری کامیابی کے مواقع زیادہ روشن ہوں گے''۔ (4 جولائی 1943ء)

اپنی ذات کی تعمیر وتربیت کا یہ پروگرام دراصل استحکامِ خودی کا ایک اہم مرحلہ ہے۔ اگر کسی قوم کے جوان اپنی خداداد مخفی قوتوں کو عمدہ طریق پر پروان چڑھا سکیں تو پھر وہ قوم فولاد کی طرح مضبوط ہو جاتی ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

؎ اُس قوم کو فولاد کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

قائداعظمؒ کے پیغام کے مندرجہ بالا عناصرِ ترکیبی خودی کی تعمیر، استحکامِ ذات اور ملّی فلاح و بہبود کے ضامن دکھائی دیتے ہیں۔ امید ہے ہمارے نوجوان اور طلبہ اپنے قومی محسن کے پیغام پر عمل پیرا ہو کر اپنی ذات کی تعمیر اور قومی ترقی کا باعث بن سکیں گے۔

□□□

محمد علی جناحؒ وکیل کی حیثیت سے

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کی سیاست دانی اور قائدانہ صلاحیتوں کے بارے میں تو بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر ان کی قانون دانی اور ان کے پیشۂ وکالت کے موضوع کو کافی حد تک منظر عام پر نہیں لایا گیا۔ یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ انھوں نے قیامِ پاکستان اور مسلمانانِ ہند کی سیاسی قیادت کے ضمن میں جن اعلیٰ اصولوں اور سیاسی کارناموں کا مظاہرہ کیا ہے وہ درحقیقت ان کی ابتدائی قانونی مہارت، زبردست قوتِ استدلال، گہری عوامی نفسیات، وسیع مطالعہ و مشاہدہ اور کردار کی پختگی کے ثمرات تھے۔ ان کو پیشۂ وکالت سے اس قدر گہرا شغف تھا کہ انھوں نے اس کی خاطر عام نوجوانوں کی طرح زندگی کے عزیز ترین لمحات کو بیکار مشاغل اور خودی سوز جذبات کی نذر نہیں کیا تھا۔ عالمِ شباب تو عموماً کشتیٔ دل کے لئے بمنزلہ سیلاب ہوا کرتا ہے اس لئے اس کی طوفان خیزیوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا اور ''نقش و نگارِ دیر'' میں اپنا خونِ جگر تلف نہ کرنا ہر نوجوان کے بس میں نہیں ہوتا۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے اپنے باکمال تدبر اور سیاسی بصیرت کی بنا پر 'برٹش۔ بنیا گٹھ جوڑ' اور کانگرس نواز مسلمان لیڈروں کی ریشہ دوانیوں اور مزاحمتوں کے باوجود اسلامیانِ ہند کو نہ صرف مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد کر دیا تھا بلکہ انھوں نے حصولِ پاکستان کو بھی ممکن بنا کے چھوڑا تھا۔ اس سیاسی کامیابی کا ان کی قانونی مہارت کے ساتھ بھی گہرا تعلق تھا۔ اس لئے ان کی قانون دانی اور پیشۂ وکالت سے بھی عوام الناس کو باخبر کرنے کے لئے زیرِ نظر مضمون تحریر کیا گیا ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ میدانِ سیاست میں وارد ہونے سے قبل انھوں نے ایک کامیاب بیرسٹر کی حیثیت سے کیا کردار ادا کیا تھا۔ یہاں بانیٔ پاکستان کی زندگی کے اس اہم پہلو کا اختصار

سے جائزہ لیا جائے گا۔

محمد علی جناحؒ نے جب کراچی کے ایک اسکول (مشن اسکول) سے سولہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تو ان کے والد محترم جناح پونجہ نے بمبئی اور کراچی کے ایک انگریز ایکسچینج بروکر، فریڈرک کروفٹ کے کہنے پر انھیں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے 1892ء میں لندن بھیج دیا تھا۔ اس لحاظ سے محمد علی جناحؒ مزید تعلیم کے لئے کالج میں تو نہ جا سکے تاہم انھوں نے لندن کی ایک شہرۂ آفاق قانونی درسگاہ لنکنز اِن میں اسی سال داخلہ لے لیا۔ انھوں نے 1947ء میں کراچی بار ایسوسی ایشن کو خطاب کرتے ہوئے لنکنز اِن میں اپنے داخلے کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہا تھا: ''میں نے لنکنز اِن میں اس لئے داخلہ لیا تھا کیونکہ اس کے مین گیٹ پر دنیا کے عظیم قانون سازوں میں رسول کریم کا اسمِ گرامی بھی شامل تھا''۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں نبیٔ اکرم کا کتنا احترام موجود تھا اور وہ اسلامی شعور سے کس قدر بہرہ ور تھے۔ آپ اندازہ کیجئے کہ اس سولہ سالہ نوجوان نے کس طرح یہاں کے اجنبی ماحول میں رہ کر اپنی قانونی تعلیم کو مقصدِ حیات بنایا اور اسے جلد ہی حاصل کر کے چھوڑا۔ ان کے سوانحِ حیات کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے کسی وقت بھی اپنی زندگی کے اس اعلیٰ مقصد کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ حالانکہ ہمارے عام طلبہ کی طرح وہ اپنے وطن سے کوسوں دُور تھے اور ان پر والدین کی کڑی نگرانی بھی نہ تھی۔ انھیں قانون کی تعلیم کا اس قدر جنون تھا کہ وہ اپنے فارغ اوقات میں ہاؤس آف کامنز میں جا کر پارلیمانی مباحثوں اور تقریروں کو سنتے اور عدالتوں میں جا کر وکلاء کی قانونی بحث و تمحیص سے علمی استفادہ کیا کرتے تھے۔ سمندر پار ملکوں سے تعلق رکھنے والے عام طالب علموں کی طرح ۔۔۔۔۔ فضول مشاغل، گپ بازی، لغویات اور عیش کوشیوں میں مصروف رہنے اور اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے سے اپنے آپ کو بڑی سنجیدگی سے محفوظ رکھا۔ اندھا دھند تقلید کرنے اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں کو تو بامقصد اور حرکت پذیر زندگی سے فراغت ہی فراغت ہوتی ہے لیکن مقصد پرست اور حریت فکر کے حامل افراد کی زندگی سراپا مصروفیت ہوتی ہے بقولِ علامہ اقبالؒ

؎ میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندۂ حُر کے لئے جہاں میں فراغ

محمد علی جناحؒ کے قیامِ انگلستان کے دوران ہی میں انھیں سیاست سے کسی قدر دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ اس زمانے میں لندن کے فنس میری پارک کے علاقے سے ایک بوڑھے انڈین پارسی

دادا بھائی' نے لبرل پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے پارلیمنٹ کا الیکشن جیتا اور وہ اس کا پہلا انڈین ممبر بنا تھا۔ اس انتخاب نے محمد علی جناحؒ کے سیاسی فکر کو بیدار کر دیا تھا اور وہ ہندوستان کی آزادی کے بارے میں سوچنے لگے۔ سیاست میں داخل ہونے سے پہلے وہ قانونی پیشے میں مہارت تامہ حاصل کرنے کا عزم کئے ہوئے تھے۔ اپنے قیامِ انگلستان کے دوران وہ لندن کے مغربی علاقے کینزنگٹن میں 35 رسل روڈ پر رہائش گزین رہے تھے۔

لنکنز اِن سے بیرسٹری کی سند پانے کے بعد محمد علی جناحؒ 1896ء میں کراچی واپس آ گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کی بیوی اور ان کی والدہ وفات پا چکی تھیں اور ان کے والد کے کاروباری حالات بھی دگرگوں ہو گئے تھے۔ ایسے نامساعد حالات میں بھی انھوں نے ہمت نہ ہاری بلکہ زیادہ جوش وخروش کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود کی جانب گامزن ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ محمد علی جناحؒ بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے والوں میں سب سے کم عمر نوجوان تھے۔ اس کم عمری میں زمانے کے ناسازگار حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ ہمارے یہ عظیم قائد شروع ہی سے آہنی قوتِ ارادی' خوداعتمادی' عزمِ راسخ' محنتِ شاقہ' جفاکشی اور متانت و بردباری کی خوبیوں کے مالک تھے اس لئے وہ گوناگوں مصائب کی تند و تیز آندھیوں میں بھی صبر واستقامت کے چراغ جلاتے رہے۔ ان کا اپنا قول ہے: ''ناکامی ایک ایسا لفظ ہے جس سے میں آشنا نہیں ہوں''۔ جب انھیں کراچی میں کامیابی کے آثار دکھائی نہ دیئے تو وہ 1897ء میں بمبئی آ گئے تاکہ یہاں قسمت آزمائی کر سکیں۔ بمبئی میں تین سال تک اُنہیں عسرت کے مزید صبر آزما حالات پیش آئے اور ان کی وکالت کو فروغ نہ ہوا۔ 1900ء میں جا کر ان کے حالات بہتر ہونے لگے کیونکہ بمبئی کے قائم مقام ایڈووکیٹ جنرل' جان مولز ورتھ میکفرسن نے انھیں اپنے چیمبرز میں کام پر لگا دیا۔ بعدازاں جب بمبئی میں پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی اسامی کا اعلان ہوا تو جوڈیشل ڈیپارٹمنٹ کے انچارج' سراولی وینٹ نے میکفرسن کی پُرزور سفارش پر انھیں یہ عارضی ملازمت دے دی۔ اس طرح ان کے حالات سازگار ہو گئے اور انھیں خوشحالی کے مواقع میسر آئے۔ حالات خوشگوار ہوتے ہی انھوں نے اپنی بہن فاطمہ جناح کو بمبئی بلا لیا اور یہ دونوں بہن بھائی اکٹھے رہنے لگے۔

آیئے اب اس بات کا بغور جائزہ لیں کہ محمد علی جناحؒ نے بمبئی میں رہ کر اپنے پیشۂ وکالت کے دوران کون سی کامیابیاں حاصل کیں اور کس طرح انھیں وکلاء کی صف میں نمایاں مقام

حاصل ہوا۔

یہ ایک مسلّمہ قانونِ قدرت ہے کہ ہر چیز آناً فاناً مرتبۂ کمال تک نہیں پہنچ جاتی بلکہ اسے پہلے کئی ارتقائی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ محمد علی جناحؒ کی قانونی عظمت وشہرت بھی قدرت کے اس لگے بندھے اصول کی دلنشیں داستان ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے اس کائنات کے لئے خاص قوانین کی پابندی کا التزام نہ کیا ہوتا تو یہاں ہر جگہ فساد اور انتشار کا ظہور ہو جاتا۔ انسانی شخصیت کی تعمیر وترقی کے لئے بھی اس خالقِ کائنات نے کچھ قوانین وضع کر رکھے ہیں جن پر عمل کئے بغیر ہم کامرانیاں حاصل نہیں کر سکتے۔ ایسا ہی ایک قانونِ قدرت سعی وکوشش سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ ارشاد ایزدی ہے: لَیْسَ لِلانسان اِلاَّ مَا سَعٰی ''انسان کو اس کی کوشش کا پھل ملتا ہے''۔

اس لئے سعی وعمل کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر ہم ترقی وکمال کو نہیں پا سکتے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قانونی کامرانیاں بھی اسی قانونِ قدرت کے تابع تھیں۔ وہ اپنے مقدمات کو کامیاب بنانے کے لئے ان تھک محنت' مسلسل کوشش' اپنی خداداد ذہانت اور عمیق مطالعہ سے کام لینے کے عادی تھے۔ انھیں خوداعتمادی کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ پر بھی توکل ہوا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ بے حد دیانت دار' صاف گو' حقیقت پسند' حقوقِ انسانی کے دلدادہ اور خوددار انسان تھے۔ اس طرح ان کی ذاتی خوبیوں اور ان کی قانونی مشق ومہارت کے امتزاج سے انھیں بہترین وکیل اور قابلِ احترام انسان بنا دیا تھا۔ ذیل میں چند قانونی واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن سے ان کی باکمال قانون دانی' زبردست قوتِ استدلال اور عظمت کردار پر روشنی پڑتی ہے۔

۱- بمبئی کے جوڈیشل محکمہ کے انچارج' سراولی وینٹ نے محمد علی جناحؒ کو اپنے دفتر کے تحت پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی عارضی ملازمت دی تھی۔ محمد علی جناحؒ نے وہاں بڑی محنت اور دیانت داری سے کام کر کے اس کا دل موہ لیا تھا۔ چنانچہ سراولی وینٹ نے جب انھیں مستقل طور پر پندرہ سو روپے ماہوار والی ملازمت کی پیشکش کی تو انھوں نے یہ کہہ کر اسے ٹھکرا دیا کہ وہ روزانہ اتنی رقم کمانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس سے اندازہ لگایئے کہ انھیں اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا کتنا شدید احساس تھا اور وہ اپنی قوتِ عمل اور توکل علی اللہ کی بدولت مزید ترقی کے کس قدر خواہش مند تھے۔ کیا اس سے ان کی خوداعتمادی اور آزادی پسندی کا پتہ نہیں چلتا؟ دنیا میں عظمت وشوکت

کو حاصل کرنے سے پہلے کیا انسان کے دل میں خودشناسی اور خودداری کے جذبات موجزن نہیں ہوا کرتے؟ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے بجا ہی کہا تھا:

؎ پہلے خوددار تو مانندِ سکندر ہو لے
پھر جہاں میں ہوسِ شوکتِ دارائی کر

۲- 1903ء میں بمبئی کی میونسپل کارپوریشن کا صدر اسکاٹ لینڈ کا ایک باشندہ جیمز میکڈونلڈ تھا۔ میونسپل کارپوریشن کا اتنا بڑا عہدہ دار ہونے کی حیثیت سے وہ بے حد اہمیّت کا حامل تھا۔ ایک بار بمبئی کی ہائی کورٹ میں بہت بڑا مقدمہ چل رہا تھا۔ اگرچہ عدالت میں لوگوں کا ہجوم تھا تاہم وہاں وکیلوں کے لئے چند نشستیں مخصوص کر دی گئی تھیں۔ جیمز میکڈونلڈ کو جب بیٹھنے کے لئے کوئی کرسی نہ ملی تو وہ وکلا کی ایک کرسی پر براجمان ہوگیا۔ محمد علی جناحؒ جب اندر داخل ہوئے تو انھوں نے وکیلوں کی کرسی پر ایک غیر وکیل جیمز میکڈونلڈ کو بیٹھا ہوا پایا۔ انھوں نے عدالت کے کلرک سے کہا کہ وہ جیمز میکنڈونلڈ سے وہ کرسی خالی کروائے تاکہ وہ وہاں بیٹھ سکیں۔ کلرک اتنے بڑے عہدہ دار کو یوں ذلیل کرنے سے آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ محمد علی جناحؒ نے کہا: ''اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں جج سے خود کہوں گا کہ وہ میرے لئے وہ مخصوص نشست خالی کروائے کیونکہ یہ وکیلوں کے لئے ہے''۔ 'نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن' کے مصداق چاروناچار کلرک نے میکڈونلڈ سے وہ کرسی چھوڑنے کے لئے کہا۔ میکنڈونلڈ نے خاموشی کے ساتھ وہ کرسی محمد علی جناحؒ کے لئے خالی کر دی اور محمد علی جناحؒ کا نام اور پتہ بھی نوٹ کر لیا۔ چند دنوں کے بعد جیمز میکنڈونلڈ نے انھیں کارپوریشن کے قانونی معاملات کی پیروی کے لئے ایک ہزار روپے ماہوار والی ملازمت دے دی۔ اس ملازمت سے انھیں مزید مالی استحکام نصیب ہوا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی جناحؒ کو اپنے جائز حقوق کو حاصل کرنے کا کتنا خیال تھا۔ جیمز میکنڈونلڈ کے عہدے سے خائف ہونے کی بجائے انھوں نے آئینی طور پر اپنا حق حاصل کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کی اور نہایت جرأت وحق گوئی کا مظاہرہ کیا۔ جواں مردوں کا یہی وطیرہ ہوا کرتا ہے:

؎ آئینِ جوانمرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جیمز میکڈونلڈ کے کردار کی بھی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے خشمگیں ہوکر کوئی انتقامی کارروائی کرنے کی بجائے حق و انصاف کے مسلک کو نہ صرف قبول کیا بلکہ قائداعظمؒ کی عظمتِ کردار سے متاثر ہوکر انھیں معقول تنخواہ پر اپنے ہاں جگہ بھی دی۔ کیا ہمارے ملک کے بڑے عہدہ دار اور افسرانِ بالا بھی اپنے مخالف کے ساتھ ایسا عمدہ برتاؤ کر سکتے ہیں؟

۳- ایک بار محمد علی جناحؒ اپنے مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے۔ جج نے انھیں یوں مخاطب کیا: ''مسٹر جناح یاد رکھو کہ تم کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ سے خطاب نہیں کر رہے ہو۔ میں ایک بلند مرتبہ جج ہوں''۔ وہ جج کے ان طنزیہ اور ہتک آمیز الفاظ کو برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ انھوں نے فوراً ہی اسے تُرکی بہ تُرکی جواب دیتے ہوئے کہا: ''مائی لارڈ! آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں کہ آپ بھی یہاں کسی تھرڈ کلاس وکیل سے خطاب نہیں کر رہے ہیں''۔

اس امر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے اس عظیم لیڈر کو اپنی عزتِ نفس، خودداری اور خوداعتمادی پر کتنا ناز تھا۔ دورِ غلامی میں کسی غیر ملکی جج سے یوں کلام کرنا ہر کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

۴- ایک غریب موکل کا مقدمہ انھیں دیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کے پاس یہ مقدمہ لڑنے کے لئے زیادہ رقم نہیں۔ محمد علی جناحؒ نے اس غریب موکل کا کیس لے لیا۔ اتفاق سے وہ یہ مقدمہ ہار گئے تاہم انھوں نے اسے اپیل کورٹ تک پہنچانے پر زور دیا۔ موکل کے سالسٹر نے دوبارہ انھیں یاد دلایا کہ ان کے موکل کے پاس روپے پیسے زیادہ نہیں ہیں۔ ہماری قوم کے اس ہمدرد اور نوجوان وکیل نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اب فیس نہیں لیں گے۔ چنانچہ اپیل کورٹ میں انھوں نے یہ مقدمہ جیت لیا۔ جب موکل کے سالسٹر نے انھیں فیس پیش کی تو انھوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے فیس نہ لینے کا وعدہ کیا تھا اس لئے میں یہ فیس نہیں لوں گا۔

ایسے بااصول اور ایثار پیشہ وکلاء خال خال ہی نظر آئیں گے۔ یہاں ایک لطیفہ بیان کر دینا بے موقع نہ ہوگا۔ ایک بار ایک مصور نے ایک وکیل کی تصویر بنائی۔ اس نے اپنی تصویر میں دکھایا

کہ وکیل کے پاس ایک غریب شخص بھی کھڑا ہے جس کی پتلون کی دو جیبوں میں وکیل اپنے دونوں ہاتھ ڈالے مزے سے کھڑا ہے۔ مصور یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ عام طور پر وکیل غریب اور نادار موکلوں کی غربت سے بے نیاز ہوا کرتے ہیں۔

۵- ان کا ایک موکل ان کی کارکردگی، قانونی لیاقت اور عظمتِ کردار سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے مقدمہ جیتنے پر اپنی مقررہ فیس سے زائد رقم دی۔ محمد علی جناحؒ نے اپنی مقررہ فیس تو لے لی مگر اس کی زائد رقم یہ کہہ کر واپس کر دی کہ یہ میری فیس میں شامل نہیں تھی۔

کیا اس سے یہ حقیقت منکشف نہیں ہو جاتی کہ محمد علی جناحؒ اپنے اصولوں اور وعدوں کے کتنے پابند تھے؟ اگر وہ خود غرض اور لالچی ہوتے تو موکل کی زائد رقم واپس نہ کرتے بلکہ اس سے مزید رقم ہتھیانے پر مائل ہوتے۔ ہمارے ملکوں میں تو قانون کے بعض محافظوں کو قیمتی تحائف اور نذرانے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ مظلوم کہیں انصاف حاصل نہ کر سکیں۔ کیا قائداعظمؒ کا یہ کردار ہمارے لئے مشعلِ راہ نہیں ہے؟

۶- محمد علی جناحؒ ایک دفعہ اپنے ایک مقدمے کے سلسلے میں اپنے دلائل پیش کر رہے تھے۔ جج کے سامنے قانون کی کتابوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ وہ صحیح طور پر جناح مرحوم کے الفاظ نہیں سن رہا تھا۔ اس نے انھیں کہا: ''مسٹر جناح! میں تمہاری آواز نہیں سن سکتا ہوں''۔ انھوں نے فی الفور جواب دیتے ہوئے کہا: ''میں بیرسٹر ہوں کوئی ایکٹر تو نہیں''۔ یہ الفاظ سن کر جج نے صبر سے کام لیا اور دوبارہ کہا: ''مسٹر جناح! میں کہتا ہوں کہ تم ذرا اونچی آواز سے بولو''۔ اس سوال پر انھوں نے یہ جواب دیا: ''اگر آپ اپنے سامنے سے کتابوں کا وہ ڈھیر ایک طرف کر دیں تو پھر آپ میرے الفاظ سن سکیں گے''۔

۷- بمبئی کا ایک مشہور و معروف کاروباری حاجی عبدالکریم ایک مشکل مقدمے میں پھنس گیا۔ وہ محمد علی جناحؒ کی قانونی خدمات حاصل کرنے کا خواہش مند تھا کیونکہ اُن دنوں جناحؒ کی وکالت کی کافی دھوم تھی۔ اس نے آ کر کہا: ''آپ میرے مقدمے کے سلسلے میں مجھ سے کتنی فیس لیں گے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''روزانہ پانچ سو روپے''۔ حاجی عبدالکریم اس صاف گوئی سے قدرے پریشان ہوا کیونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ کتنی رقم مقدمے پر صرف ہو جائے گی۔ اس نے گھبراتے

ہوئے کہا: ''میرے پاس تو کل پانچ ہزار روپے ہیں اگر آپ سارے مقدمے کے لئے یہ رقم قبول کریں تو اچھا ہوگا''۔ محمد علی جناحؒ نے کہا: ''میں تو روزانہ پانچ سو روپے ہی لوں گا۔ اگر تمھیں میری یہ شرط منظور نہیں تو تم کسی اور وکیل کو یہ مقدمہ دے دو''۔ حاجی عبدالکریم ہر صورت میں انھیں اپنا وکیل مقرر کرنے پر تلا ہوا تھا اس لئے اس نے اپنے وکیل کی یہ شرط مان لی۔ اتفاق سے محمد علی جناحؒ نے تین دن ہی میں یہ مقدمہ جیت لیا اور حاجی عبدالکریم سے صرف تین دن ہی کی فیس وصول کی۔

مندرجہ بالا چند واقعات سے قارئین کرام پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہوگی کہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے وکیل کی حیثیت سے مختلف مواقع پر کیا کردار ادا کیا تھا۔ جب وہ پیشۂ وکالت سے منسلک تھے تو انھوں نے پوری تندہی اور دیانت داری سے اپنے فرائض سرانجام دیئے اور اس ضمن میں انھوں نے ہمیشہ سخت محنت، بلند ہمتی، جواں مردی، صاف گوئی، بے باکی، عزم بالجزم، خود اعتمادی، سنجیدگی، مقصدیت، حقیقت پسندی اور بے پناہ ذہانت و فطانت کا ثبوت دیا۔ قانونی تعلیم کے حصول کے دوران اور پیشۂ وکالت کو اختیار کرنے کے بعد بھی وہ خاص اصولوں کے پابند رہے۔ شروع ہی سے انھیں اپنی خداداد صلاحیتوں کو اُبھارنے اور انھیں صحیح سمت میں استعمال کرنے کا شعوری احساس تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ جب کسی کیس کے تمام حقائق کو جان لیتے تو پھر وہ بے پناہ قوتِ استدلال کا سہارا لے کر اپنے نکات کو دوسروں پر واضح کرتے اور مخالفین کے غلط دلائل کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیتے تھے۔ ان کی آئین پسندی اور منطقی استدلال کے سامنے ہندو لیڈر اور انگریز حاکم بھی بے بس ہو گئے تھے۔ دراصل ان کی شاندار وکالت کی اساس پر ہی پاکستان کی عملی تشکیل کی عمارت ممکن ہوئی۔

انھوں نے شروع شروع میں وکیل کی حیثیت سے جس قانونی مہارت اور ذہنی ذکاوت کا مظاہرہ کیا تھا وہی بعد ازاں سیاست میں ان کی کامیابی کی دلیل ثابت ہوئی۔ انھوں نے وکالت کا آغاز تو بمبئی کی محدود عدالتوں میں کیا تھا لیکن بعد میں انھوں نے تمام دنیا میں قیامِ پاکستان کی وکالت کر کے تہلکہ مچا دیا اور دنیا کے نقشے پر ایک نئی مملکت کا وجود ممکن بنا دیا۔ اس لحاظ سے ان کی ابتدائی پیشہ ورانہ وکالت اور سیاسی وکالت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ان کی اوّلین وکالت ہی کا کرشمہ ہے کہ انھوں نے بعد ازاں نظریۂ پاکستان کو آفاقی تناظر میں ٹھوس دلائل کے سہارے نہایت کامیابی اور دُور اندیشی کے ساتھ پیش کیا تھا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے

اور ہمارے راہنماؤں اور سیاست دانوں کو یہ توفیق دے کہ وہ پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے متحد و منظم ہو جائیں اور بانیٔ پاکستان کے اسلامی فکر کی مشعل کو درخشاں رکھیں۔ قوموں کی تقدیر سنوارنے والے ایسے عظیم، جاں نثار، ہمدرد اور دُور اندیش انسان روز روز دنیا میں پیدا نہیں ہوا کرتے۔ بقولِ اقبالؒ:

عمرہا درکعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

□□□

حمیدی

قائداعظم کا نظریۂ پاکستان

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کے تصورِ پاکستان کے بارے میں اگرچہ کوئی ابہام نہیں تاہم ہمارے ملک کے چند افراد دیدہ و دانستہ اس موضوع کو اُلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ نام نہاد دانش ور اور سیاست دان عوام الناس کے ذہنوں میں انتشار پیدا کر کے انھیں قیامِ پاکستان کے حقیقی مقاصد اور اسلامیانِ پاکستان کے عظیم ترین سیاسی راہ نما محمد علی جناح علیہ الرحمۃ کے اصلی نظریۂ پاکستان سے آگاہ کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہ سیکولر ذہن کے مالک ہیں اور یہاں صحیح اسلامی اور فلاحی مملکت کی تشکیل ان کے بعض مذموم ارادوں کی راہ میں حائل ہے۔ اگر ان حضرات نے قائداعظمؒ کے تمام بیانات اور تقاریر کا عمیق اور بے لاگ مطالعہ کیا ہوتا تو وہ ہرگز ان کے نظریۂ پاکستان کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب قومیں اپنے اصلی قومی نصب العین سے غافل ہو جاتی ہیں تو وہ آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونے لگتی ہیں۔ بے مرکزیت اور منزلِ مقصود کے غلط تعین کے باعث افرادِ قوم میں فکر و عمل کی وحدت مفقود ہو جایا کرتی ہے۔ جب قوم کے افراد میں خیال اور عمل کی یگانگت کا خاتمہ ہو جائے تو پھر اس کا لازمی نتیجہ غلامی اور تباہی ہی ہوگا۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایسے نام نہاد اربابِ فکر و دانش تعصب اور جہالت کی وادیوں میں نہ صرف خود ہی سرگرداں اور حیران ہوتے ہیں بلکہ وہ دوسروں کی گمراہی اور تباہی کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ اگر ہم موجودہ حالات کا بغور جائزہ لیں تو ہم اس لازمی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ بانیٔ پاکستان ایسے پاکستان کے قیام کے ہرگز خواہاں نہیں تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کے پاکستان کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہے ہیں اور وہ کیسا پاکستان معرضِ وجود میں لانے میں پختہ یقین رکھتے تھے۔ ذیل میں ان کی چند اہم تقاریر کے اقتباسات کی روشنی میں ان کے تصورِ پاکستان کو واضح کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ ان کے نظریۂ

پاکستان کے اساسی مقاصد اور لازمی عناصر کیا ہیں۔

ہندو غلبہ سے نفرت

برصغیر پاک و ہند میں جب سلطنتِ مغلیہ زوال پذیر ہوگئی اور یہاں انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو مسلمان زندگی کے ہر اہم شعبے میں ہندوؤں سے پیچھے رہ گئے۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد تو انگریزوں نے زیادہ تر مسلمانوں ہی کو اپنی انتقامی اور جابرانہ کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی اس ہمہ گیر ابتری اور زبوں حالی کو دیکھ کر ہندو بھی خوش ہونے لگے۔ وہ کئی صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت کے زیرِ سایہ اگرچہ پُر امن اور خوشگوار زندگی بسر کرتے رہے تھے تاہم انھوں نے بھی انگریز حاکموں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کو مزید پست کرنے پر کمر باندھ لی۔ اس شیطانی سازش کی بنا پر ہندوؤں کو بہت سی مراعات حاصل ہوگئیں اور وہ کلیدی آسامیوں پر فائز ہو گئے۔ اس طرح مسلمانانِ ہند غربت و افلاس کی چکی تلے پستے ہی چلے گئے۔ جب انڈیا میں انگریزوں کی حکومت کو زوال آنے لگا اور وہ یہاں کے باشندوں کو آزادی دینے پر مائل ہوئے تو ان کی خواہش تھی کہ مسلمان ان کے جانے کے بعد ہندوؤں کے ماتحت رہیں۔ ہندوؤں کی بھی یہی آرزو تھی۔ علامہ اقبالؒ، چودھری رحمت علیؒ اور قائداعظمؒ کسی طرح بھی ہندو راج کے قیام کے حق میں نہیں تھے۔ شروع شروع میں محمد علی جناحؒ ہندو۔مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔ بعدازاں جب ان کو ہندو ذہنیت کے مُسلم کش عزائم کا پتہ چلا تو وہ تقسیمِ ہند کے بعد یہاں ہندو راج کے قیام کے زبردست مخالف بن گئے تھے۔ انھوں نے انڈیا کو 'ہندو انڈیا' اور 'مسلم انڈیا' میں تقسیم کرنے اور دو الگ آزاد ملکوں کو قائم کرنے پر زور دیتے ہوئے نئی دہلی میں مسلمان طلبہ کی منعقدہ کانفرنس کے موقع پر نومبر 1940ء میں یہ کہا تھا:

''ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ ہندو راج کا خواب دیکھنا ترک کر دیں اور انڈیا کو ہندو ملک اور مسلمان ملک میں تقسیم کرنے پر متفق ہو جائیں''۔ کیا ان کے یہ الفاظ ظاہر نہیں کرتے کہ وہ کسی طرح بھی مسلمانوں پر ہندو غلبہ و نفاذ کے حامی نہیں تھے؟ قیامِ پاکستان کے بعد کسی طرح بھی ہندوؤں کی چودھراہٹ کے تحت رہنا گویا قائداعظمؒ کے نظریۂ پاکستان سے انحراف کرنا ہے۔

غیر مسلم باشندوں سے حسنِ سلوک پر زور

تاریخِ اسلام کے مطالعہ سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ صحیح اسلامی مملکت میں نہ صرف مسلمانوں کی جان' آبرو اور مال کی پوری پوری حفاظت کی جاتی ہے بلکہ

غیر مسلم رعایا یعنی ذمیوں کو بھی وہاں یہ بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کے تحت معرضِ وجود میں آنے والی فلاحی مملکت میں غیر مسلموں کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ ہادیٔ اعظم اور محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور فرمانبردار جانشینوں نے ہمیشہ اسلامی تعلیمات کے اس زریں اصول پر عمل کر کے دکھایا تھا۔ صدیوں تک عیسائیت کے ستائے ہوئے لوگوں خصوصاً یہودیوں کو آخرکار اسلام کی آغوش میں پناہ ملی تھی۔ انڈیا کی تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے یہاں بھی غیر مسلم رعایا کی خوشحالی اور پُر امن زندگی کے مواقع بہم پہنچائے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ انھیں اعلیٰ مناصب پر بھی فائز کیا گیا تھا۔ محمد علی جناحؒ نے اسلامی تعلیمات کے اس اہم پہلو کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے 2 نومبر 1941ء کو علی گڑھ میں تقریر کے دوران کہا تھا:

''ہماری حفاظت میں رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ اسلام عدل و انصاف' مساوات' بردباری اور فیاضانہ سلوک کا حامی ہے''۔

اس بات سے انکار محال ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا اور اقلیت کے ساتھ ہمیشہ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ یہاں اچھوتوں کو جو اہمیّت دی جاتی ہے وہ انڈیا میں بالکل مفقود ہے۔ چونکہ ہندو مذہب کی بنیاد ذات پات کی تقسیم اور امتیازی سلوک پر ہے اس لئے وہاں غیر برہمنوں کے ساتھ کبھی عمدہ سلوک کی اُمید بھی نہیں کی جاسکتی۔ مسلمان تو درکنار اب سکھوں کو بھی طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کیا انڈیا میں آئے دن ہندو مسلم فسادات کو ہوا دے کر مظلوم و محکوم مسلمانوں کا خون نہیں بہایا جاتا؟ کیا وہاں کی حکومت ان کی جان' آبرو اور مال کی ویسی ہی حفاظت کرتی ہے جیسی پاکستان میں غیر مسلموں کی حفاظت کی جاتی ہے؟ حال ہی میں کشمیر کے مظلوم اور مقہور مسلمانوں نے جس تحریکِ آزادی کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ جاری کر رکھا ہے' انڈین حکومت اسے دبانے کے لئے غیر انسانی اور غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔ روزانہ بے گناہ اور آزادی کے متوالے حریت پسندوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اب تو درندہ صفت اور وحشت پرست انڈین فوجیوں نے گھبرا کر مسلمان عورتوں کی عصمت دری کا بھی آغاز کر دیا ہے تاکہ کشمیری مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو دبایا جاسکے۔ کیا اسی کا نام ہندو تہذیب اور انسانیت ہے؟ پاکستان میں تو غیر مسلموں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ اہلِ پاکستان آج بھی اسلام کی تعلیمات کو مدنظر رکھ کر غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ رواداری اور شرافت کا سلوک کر رہے ہیں۔

ہمہ گیر قومی ترقی کی خواہش

قدرت کا یہ ایک اٹل اصول ہے کہ ہر اچھا یا بُرا عمل نتیجہ خیز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو لوگ بھی قدرت کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق عمل کریں گے وہ اس عمل کے نتائج سے ضرور متاثر ہوں گے۔ افراد کی طرح قوموں پر بھی خدا کے وضع کردہ قوانین کا اطلاق ہوا کرتا ہے۔ ہماری آرزوئیں اور تمنائیں خواہ کتنی حسین اور نیک کیوں نہ ہوں' ان کو پورا کرنے کے لئے عمل کا سہارا لازمی ہوا کرتا ہے۔ امیر اور ترقی یافتہ ہونے کے لئے محض تمنا ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے عملی اقدامات بھی لازم ہوا کرتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک نظری سیاست دان نہیں تھے۔ وہ نظریئے کے ساتھ ساتھ عملی جدوجہد کے بھی زبردست قائل تھے۔ یہی وجہ ہے وہ اپنی محکوم اور تقدیر پرست قوم کے افراد کے اندر بھی عملی اسپرٹ دیکھنے کے قائل تھے۔ کیا پاکستان کا حصول مسلمانانِ ہند کی مشترکہ کوششوں' بے پناہ قربانیوں اور عملی سرگرمیوں کی ایک دلچسپ اور حیران کن داستان نہیں؟ ہماری عملی جدوجہد کے بغیر حصولِ پاکستان کی نیک تمنا کبھی پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ یہی قانونِ قدرت ہے اور قرآنی تعلیم بھی۔ قرآنِ حکیم نے اس قانونِ فطرت کی ان بدی الفاظ میں یوں تصدیق کی تھی:

لَیْسَ لِلانسان اِلاَّ مَا سَعٰی

انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے اس نے کوشش کی ہو۔

محمد علی جناحؒ ہمیشہ قوم کی ہمہ گیر اور متوازن ترقی پر زور دیتے رہے ہیں۔ ان کی نگاہ میں کوئی یک طرفہ ترقی بھی قوم کی صحیح فلاح کی ضامن نہیں ہوسکتی۔ نہ صرف قیامِ پاکستان کے بعد بلکہ اس سے پہلے بھی وہ مسلمانانِ ہند کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کرتے رہے کہ روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ مادی ترقی کی طرف توجہ دینا بھی اشد ضروری ہوتا ہے۔ انسان چونکہ جسم و روح دونوں کا مجموعہ ہے اس لئے متوازن اور خوش گوار زندگی بسر کرنے کے لئے ان دونوں کے فطری تقاضوں کی تکمیل کو کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے خیال میں قوم وملت کی اصل بنیاد اقتصادی' سماجی اور تعلیمی ترقی پر ہے۔ مارچ 1942ء میں راولپنڈی میں پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا سالانہ اجلاس ہوا تھا۔ اس موقع پر انھوں نے طلبہ کے نام اپنے ایک مختصر مگر بڑے جامع پیغام میں یہ کہا تھا:

"کسی قوم یا گروہ کی حقیقی بنیاد کی تشکیل اقتصادی اور سماجی ترقی اور لوگوں کی تعلیم ہی سے ہوتی ہے..... میں مسلمانوں سے دوبارہ یہ درخواست کرتے

ہوئے کہتا ہوں کہ تم کسی اور پر بھروسہ نہ کرو۔ تمھیں صرف اپنی خداداد طاقت پر ہی تکیہ کرنا چاہیئے"۔

جن حضرات نے برصغیر پاک و ہند کے حالات و واقعات کو پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کا زوال ہر شعبۂ حیات میں نمایاں تھا۔ وہ نہ صرف سیاسی بلکہ اقتصادی' سماجی اور تعلیمی لحاظ سے بھی بہت پس ماندہ تھے۔ سرسید احمد خاں مرحوم نے ان کی دوبارہ بحالی کے لئے حصولِ تعلیم پر زور دیا۔ سعدیٔ ہند مولانا الطاف حسین حالی نے انھیں ان کا شاندار ماضی یاد دلا کر خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے انھیں ماضی سے متعارف کرانے کے علاوہ تابناک مستقبل کی نوید بھی سنائی۔ انگریزوں اور ہندوؤں کی باہمی سازش کے تحت مسلمانوں کو تعلیم سے دُور رکھا گیا اور وہ غربت و افلاس کا شکار ہوکر رہ گئے تھے۔ ایسے حالات میں انھیں تعلیم' سماجی اور اقتصادی ترقی کی طرف مائل کرنا وقت کا اہم تقاضا تھا۔ آج بھی نظریۂ پاکستان کا استحکام ہماری اخلاقی' سماجی' تعلیمی اور معاشی ترقی و خوشحالی کا متقاضی ہے۔

ایثار و تعاون کی تلقین

قوم کے عروج و زوال ہنگامی حالات کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا دارومدار قدرت کے ابدی اور ٹھوس حقائق پر ہوتا ہے۔ یہ وسیع و عریض کائنات کسی اندھی طاقت کے ماتحت نہیں بلکہ یہ ایک ایسی ہستی کے احکام کے تابع ہے جو ازل سے ابد تک ہے اور جس کے ہر کام میں حکمتِ بالغہ کی نیرنگیاں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ جو معاشرہ خودغرضی' باہمی انتشار' حسد و حرص اور استحصال پر مبنی ہوگا وہاں ہر طرف تخریب' زوال اور کمزوری کے آثار دکھائی دیں گے۔ اس کے برعکس جس سوسائٹی کی اساس کو باہمی محبت' تعاون' نیکی' ایثار' خدمتِ خلق' انسان دوستی اور تعمیری نظریات کے لائقِ ستائش اور حیات بخش اصولوں پر استوار کیا جائے گا وہاں ہمیں تعمیر و ترقی' استحکام اور عظمت و عروج کی حکمرانی نظر آئے گی۔ قائداعظمؒ کے تصورِ پاکستان میں ایسی عظیم اور قابلِ تعریف اقدار کو خاص اہمیّت حاصل ہے جیسا کہ ان کی اس طویل اور بصیرت افروز تقریر سے مترشح ہوتا ہے جو انھوں نے مسلم یونیورسٹی یونین' علی گڑھ کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے اجلاس میں 2 نومبر 1942ء کو کی تھی۔ انھوں نے ملک اور قوم کی ترقی اور کامیابی کے ضمن میں چند ضروری امور پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''میں نے ایک سابقہ موقع پر تمہارے ذہنوں پر ایمان' اتحاد اور تنظیم کی اہمیّت مرتسم کی تھی..... اگر تم نے اپنے اندر مل جل کر کام کرنے' ذاتی ایثار' باہمی تعاون اور امداد کرنے کی خوبیاں پیدا کرلیں تو پھر روئے زمین کی کوئی طاقت تمھیں دبا نہیں سکتی''۔

آج ہمارے وطنِ عزیز میں ذاتی مفاد' عدمِ تعاون' باہمی محاذ آرائی' نفسانفسی اور زر پرستی کی مسموم فضا نے ہماری اجتماعی زندگی اور ملکی استحکام کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ روپے پیسے کی اندھی خواہش اور سیاسی اقتدار کی رسہ کشی نے ہماری سوسائٹی میں حسد' بغض' نفرت' منافقت' خودغرضی اور انتشارِ فکر و عمل کو جنم دے کر عام لوگوں کی زندگیوں کو اجیرن بنا دیا ہے۔ ہمارے موجودہ سیاسی' معاشرتی اور اقتصادی ناگفتہ بہ حالات اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ ہم نے اپنے محسنِ ملت اور عظیم سیاسی راہنما محمد علی جناحؒ کے مندرجہ بالا حکیمانہ اور بصیرت افروز قول کو بھلا دیا ہے۔ اب بھی موقع ہے کہ ہم ذاتی مفاد کی بجائے ذاتی ایثار' انفرادی فلاح کی بجائے اجتماعی بہبود' باہمی محاذ آرائی کی بجائے محبّت و تعاون اور اخوت و مساوات کے حقیقی اصولوں کو اپنائیں اور دنیا میں سرخروئی حاصل کریں۔ اگر ہم نے اپنے اندر ان صفات کو صحیح معنوں میں پیدا کرلیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ علامہ اقبالؒ نے شاید ایسے ہی وقت کے لئے یہ کہا تھا:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

عورتوں کے تعاون کی ضرورت

اسلامی تعلیمات نے طبقۂ نسواں کی خانگی اہمیّت کے ساتھ ساتھ اس کی ملّی افادیت کو بھی تسلیم کیا ہے۔ معاشرتی زندگی کو خوشگوار' متوازن اور مستحکم بنانے کی خاطر عورتوں کا تعاون بھی اشد لازم ہوا کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی رو سے حصولِ تعلیم' تکریم انسانی' نیکیوں میں سبقت لے جانے کا جذبہ' اعلیٰ اخلاقی صفات' غلبہ و نفاذِ اسلام کی مساعی اور خداداد ذہنی صلاحیتوں کی صحیح نشوونما محض مردوں تک ہی محدود نہیں۔ مسلمان عورتوں کے لئے بھی ان کمالات و صفات کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جب تک عورتیں عمدہ کردار اور بہترین اصولوں کی حامل نہ ہوں گی وہ ہرگز خانگی اور معاشرتی زندگی کی خوشگواری کا باعث نہیں بن سکیں گی۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا بہترین ماں ہی بہترین اولاد کی تخلیق و تولید کا فریضہ بطریقِ احسن پورا کرسکتی ہے۔ نظریاتی استحکام اور ملکی

دفاع کے ضمن میں بھی عورتوں کا تعاون خاص اہمیّت رکھتا ہے۔ سوسائٹی کے اتنے بڑے اور اہم حصّے کو مکمل طور پر نظرانداز کر کے اس کے تعاون کو حاصل نہ کرنا کوئی دانشمندانہ فعل نہیں ہے۔ کیا قیامِ پاکستان کی تشکیل میں ہماری بہادر اور ملت دوست خواتین نے بھی ہمارے ساتھ مل کر عملی جدوجہد کا ثبوت نہیں دیا تھا؟ کیا انھوں نے بھی مملکتِ پاکستان کو معرضِ وجود میں لانے کے لئے اپنی عزیز جانوں کا نذرانہ پیش نہیں کیا تھا؟ اگر اس تحریکِ آزادی میں ہم اپنی ان محبِ وطن اور اسلام دوست خواتین کے تعاون سے محروم ہوتے تو شاید قیامِ پاکستان کا خواب ادھورا ہی رہتا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے متعدّد مواقع پر عورتوں کے تعاون کی اہمیّت پر زور دیا تھا۔ ان کی ایک تقریر کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں' وہ فرماتے ہیں:

''مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ نہ صرف مسلمان مردوں بلکہ مسلمان عورتوں اور بچوں نے بھی پاکستان کی تجویز کو سمجھ لیا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم بھی اپنی عورتوں کے تعاون کے بغیر کوئی ترقی نہیں کرسکتی۔ اگر مسلمان عورتوں نے اپنے مردوں کی اسی طرح حمایت کی جس طرح انھوں نے پیغمبرؐ اسلام کے زمانے میں کی تھی تو ہم جلد ہی اپنے نصب العین کو حاصل کرلیں گے''۔

یاد رہے کہ انھوں نے یہ تقریر جناح اسلامیہ کالج فار گرلز' لاہور' میں 22 نومبر 1942ء کو کی تھی۔

قرآنی پیغام کی اہمیّت

اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامِ پاکستان کی تحریک کے کئی اہم مقاصد تھے اس لئے کسی ایک مقصد ہی کو اس کی اساس قرار دینا درست نہیں۔ پاکستان بننے سے قبل مسلمانانِ ہند کو کئی مسائل درپیش تھے مثلاً غیر منقسم انڈیا میں آئے دن ہندو مسلم فسادات رونما ہوتے رہتے تھے۔ مسلمان ہندو مہاجنوں کے اقتصادی چنگل میں پھنس کر غربت زدہ ہو چکے تھے' ان پر اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے بھی بند تھے۔ ہندو لیڈر ہندو راج کے قیام کے لئے انتہائی کوشش کر رہے تھے۔ مسلمان انگریزوں کے علاوہ ہندوؤں کے استحصال اور غلامی سے نجات پانے کے خواہاں تھے۔ علاوہ ازیں وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کرنے کے لئے ایک الگ آزاد مسلم مملکت کے قیام کا شدید جذبہ رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے قیامِ پاکستان کے بنیادی مقاصد اسلامی' اقتصادی' سیاسی اور معاشرتی تھے۔ اگر کوئی شخص اس کے اقتصادی مقاصد ہی کو سب کچھ خیال

کرلے تو وہ پاکستان کے مکمل تصور سے ناواقف قرار دیا جائے گا۔ اسلام چونکہ زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کی زبان پر یہی نعرہ ہوتا تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ''۔ دوسرے الفاظ میں وہ پاکستان میں 'لا الٰہ' کی بنیاد پر ایسا قرآنی نظام قائم کرنے پر تُلے ہوئے تھے جو ہمارے اخلاقی' معاشی' سماجی' سیاسی اور ملّی تقاضوں کو بہترین انداز میں پورا کرسکے۔ جو لوگ نظریۂ پاکستان کی اسلامی اور نظریاتی اساس کو گرانے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں انھیں کسی طرح بھی پاکستان' اسلام اور پاکستانیوں کا بہی خواہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام اور پاکستان کے گہرے باہمی ربط کے محض قائداعظمؒ ہی قائل نہیں تھے بلکہ علامہ اقبالؒ اور چودھری رحمت علیؒ نے بھی اسے جداگانہ اور آزاد اسلامی مملکت کی نمایاں ترین خوبی قرار دیا تھا۔ ذیل میں ان بزرگانِ ملّت کے یہ اقوال ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں۔ محمد علی جناح علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا:

> ''تم نے مجھ سے پیغام مانگا ہے۔ میں تمھیں کیا پیغام دے سکتا ہوں؟ قرآنِ حکیم میں ہماری رہنمائی اور ہماری روحانی و ذہنی جِلا کے لئے عظیم ترین پیغام پہلے ہی سے موجود ہے''۔ (4 اپریل 1943ء کو این ڈبلیو ایف پی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام ایک پیغام)

مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ نے بانیٔ پاکستان کو ایک طویل خط لکھا تھا جس میں انھوں نے بتایا کہ مسلمانوں کی موجودہ غربت کا حل اسلامی شریعت کے نفاذ میں موجود ہے۔ انھوں نے مزید تحریر کیا کہ انڈیا میں اسلامی شریعت کا نفاذ وارتقا ایک یا ایک سے زیادہ مسلم ریاستوں کے قیام کے بغیر ممکن نہیں۔ انھوں نے یہ اہم خط انھیں 28 مئی 1937ء کو لکھا تھا۔ ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> But the enforcement and development of the Shariat of Islam is impossible in this country without a free Muslim state or states.

چودھری رحمت علیؒ نے آزادیٔ وطن کی تحریک میں جو قابلِ قدر خدمات سرانجام دی تھیں وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ وہ بھی ان دو بزرگوں کی طرح ہندو اور انگریز راج کے زبردست مخالف تھے۔ ان کا نظریۂ پاکستان بھی اسلامی نظام کے نفاذ کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا تھا جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

> "..... so far as Pakistan in concerned, its national laws are Muslim laws ... at present most of the national laws of Pakistan are in abeyence.... However the time

> is not far off when the national laws of Pakistan will be re-inforced in full". (Pakistan- The Fatherland of the Pak Nation, Chapter xii).

کیا ان شواہد سے یہ ثابت نہیں ہوجاتا کہ ہماری قوم کے ان تین عظیم سیاسی راہنماؤں کے نظریۂ پاکستان میں اسلامی نظامِ حیات کو سب سے بڑا دخل تھا؟

مسلم ممالک کی بہبود کی آرزو

قیامِ پاکستان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ پاکستان معرضِ وجود میں آکر مسلم ممالک اور مسلم اُمت کے اتحاد و ترقی کا باعث بنے۔ علامہ اقبالؒ نے تو اس موضوع کی اہمیّت و افادیت کو ہر لحاظ سے واضح کرنے کے لئے بہت کچھ کہا ہے۔ وہ جمال الدین افغانیؒ اور دیگر مسلم قائدین کی طرح اسلامی نشأۃِ ثانیہ اور مسلم اتحاد کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے اور مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی تلقین کرتے رہے۔ ان کا یہ مشعور شعر کسے معلوم نہیں ہے؟ وہ فرماتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

علامہ اقبال مرحوم و مغفور کی طرح بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ اور لفظ ''پاکستان'' کے خالق چودھری رحمت علیؒ بھی پاکستان اور عالمِ اسلام کے باہمی گہرے روابط کے علمبردار تھے۔ قائداعظمؒ نے 24 ستمبر 1943ء کو بمبئی میں فورن پریس کو ایک اہم انٹرویو دیا تھا جس میں انھوں نے عرب مسلمانوں کے ساتھ اپنی ہمدردی اور نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''ہم مشرقِ وسطیٰ میں رہنے والے اپنے بھائیوں کی فلاح و بہبود میں عمیق ترین دلچسپی لیتے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے مقاصد و عزائم میں کامرانی سے ہمکنار ہوں''۔

نظریۂ پاکستان کے حامی سیاستدان اور دانش ور اپنے قائد کے نقشِ قدم پر چل کر اور عالمِ اسلام کے مسائل میں گہری دلچسپی لے کر اپنی اسلامی اخوت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ اسی اتحاد میں مسلمانانِ عالم کی نجات' خوشحالی اور بقا کا راز مضمر ہے۔

پاکستان کے استحکام کا مشورہ

اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلمانانِ ہند نے قائداعظمؒ کی بے مثال اور جرأت مندانہ قیادت

میں پاکستان تو حاصل کرلیا تھا مگر یہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں میں گھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف ہمیں ان دوست نما دشمن پاکستانیوں سے واسطہ پڑ رہا ہے جو بیرونی حکومتوں کے ایماء پر وطنِ پاک میں نت نئے شیطانی منصوبوں پر عمل کر رہے ہیں۔ دوسری طرف ہمیں بھارت، افغانستان اور روس کے گٹھ جوڑ کی بنا پر شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ علاوہ ازیں بین الاقوامی طور پر بھی ہمارے خلاف اسلام دشمن طاقتیں مصروفِ عمل ہیں۔ بانیٔ پاکستان نے ہمیں بار بار ''ایمان، اتحاد اور تنظیم'' کا درس دیا تھا تاکہ ہم متحد و مستحکم رہیں لیکن اب ہمیں پنجابی، بلوچی، سندھی اور پٹھان گروہوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ نعرہ ہمارے اتحادِ ملّی کو ختم کرنے کے مترادف نہیں؟ کیا یہ اندازِ فکر ہماری بیمار ذہنیت، وطن دشمنی اور جہالت و تعصب کا غماز نہیں؟ ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، قرآنِ حکیم، ہمارے ہمدرد مصلحین اور قائدین ہمیشہ ہمیں مضبوط و متحد رہنے کا درس دیتے رہے ہیں کیونکہ اس اتحاد میں ہماری بقا کا راز پنہاں ہے۔ آج ہماری جغرافیائی سرحدوں کے علاوہ ہماری نظریاتی سرحدیں بھی غیر محفوظ نظر آتی ہیں۔ یہ پریشان کن حالات ہم سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اسلامی نظریۂ حیات اور اس کی شاخ یعنی نظریۂ پاکستان کی بقا، حفاظت اور مضبوطی کے لئے ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس ضمن میں بجا ہی کہا تھا:

> ''مضبوطی سے اپنے مؤقف پر قائم رہو اور اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دو۔ پاکستان پر ہماری نجات، ہمارے دفاع اور ہماری تقدیر کا انحصار ہے''۔ (24 دسمبر 1943ء کو کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں صدارتی تقریر)

اس بات کو ذہن میں رکھیئے کہ ہماری انفرادی اور اجتماعی مضبوطی ہی ہمارے ملکی اور قومی استحکام کا باعث ہے۔

سوال یہ تھا کہ قائداعظمؒ یہاں کس قسم کے پاکستان کی تشکیل کے حامی تھے۔ امید ہے اب آپ کو اپنے اس سوال کا کسی قدر جواب مل گیا ہوگا۔ میں نے بڑے مختصر انداز میں ان کے نظریۂ پاکستان کے چند اہم اور بنیادی نکات کا تذکرہ کر دیا ہے۔ خدا کرے ہمارے اربابِ بست و کشاد اس تصور کی بقا، حفاظت اور فروغ کے لئے بہ دل و جان کام کریں اور پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک فلاحی اسلامی مملکت بنا کر یہاں عدل و انصاف، مساوات و اخوت، انسان دوستی، باہمی محبّت و تعاون اور حب الوطنی کو پروان چڑھائیں۔

□□□

قائداعظمؒ کا نظریۂ تقسیمِ ہند

اسلامیانِ ہند کے عظیم ترین سیاسی قائد محمد علی جناحؒ نے اپنی سیاسی بصیرت، ان تھک جدوجہد، عزمِ راسخ، مومنانہ تدبر اور خلوصِ نیت کی بدولت ایک جداگانہ آزاد مملکت قائم کر کے تاریخِ عالم کے صفحات میں اپنا نام ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا ہے۔ اگرچہ وہ نحیف و نزار جسم کے مالک تھے تاہم ان کے مثبت فکر، زبردست قوتِ استدلال، عزم بالجزم، اصول پرستی اور دیانت پر مبنی قیادت کے سامنے ان کے مخالفین گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ظاہر میں ان کی شخصیت سنجیدگی اور مزاج کی سختی کی آئینہ دار تھی مگر حقیقت میں وہ قلبِ تپاں کی دولت سے مالا مال تھے۔ قیامِ پاکستان کے حصول کے لئے انھیں بیک وقت تین محاذوں پر اپنے مخالفین سے لڑنا پڑا تھا۔ ایک طرف انگریز حاکم انڈیا کی تقسیم کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر رہے تھے اور دوسری طرف ہندو لیڈر اس بات کی کوشش میں مصروف تھے کہ انگریزوں کے بعد وہ مسلمانوں پر حکومت کریں۔ تیسری طرف بعض نادان مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں کے دام میں پھنس کر قیامِ پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے۔ ایسے نامساعد حالات میں قائداعظمؒ نے اپنے مقصدِ پاکستان کو کبھی بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا اور اسلامیانِ ہند کے دل و دماغ میں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دیا تاکہ وہ جفاکشی، سعیِ پیہم، عملِ مسلسل اور باہمی اتحاد و محبّت کی بدولت اپنی منزلِ مقصود کی طرف برابر بڑھتے چلے جائیں۔ وہ اتنے مضبوط ارادے اور بلند کردار کے مالک تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت نہ تو انھیں اپنے مؤقف سے ہٹا سکی اور نہ ہی انھیں کسی ترغیب و تحریص سے اپنے دام میں گرفتار کر سکی۔ کیا یہ مسلمانانِ ہند کی خوش بختی نہیں تھی کہ انھیں خدا نے ایک ایسا سیاسی راہنما دیا جو انھیں غیروں کی محکومیت سے نجات دلا سکا؟ کیا ایسے محسنِ قوم اور مخلص لیڈر کے زریں اور ولولہ انگیز کارناموں کو اُجاگر کرنا ہمارا قومی اور اخلاقی فریضہ نہیں؟ ایسے عظیم انسان روز روز پیدا نہیں ہوا کرتے۔ بقولِ اقبالؒ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

قیامِ پاکستان دورِ حاضر کی سیاست کا ایک ایسا معجزہ ہے جس نے بہت سے اہلِ دانش وفکر کو حیران کر دیا ہے۔ 23 مارچ 1940ء کو مسلمانوں نے لاہور کے تاریخی شہر میں ایک قرارداد منظور کی جس میں انھوں نے محمد علی جناحؒ کی زیرِقیادت ایک جداگانہ اسلامی مملکت کو حاصل کرنے کا عزم بالجزم کیا تھا۔ ان کی ان تھک کوشش اور شدید لگن کا نتیجہ یہ نکلا کہ 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ گویا ساڑھے سات سال کی قلیل مدت میں نظریۂ پاکستان کے دیوانوں نے پاکستان کے حسین خواب کو زندہ و تابندہ حقیقت میں تبدیل کر کے دنیاوالوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ خدا کا شکر بجالانا چاہیئے کہ اس نے ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات دی اور اب ہم اپنی مملکت میں آزاد قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر پاکستان میں عوام کی دیرینہ اور جائز خواہشات کی تکمیل نہیں ہوئی تو اس میں پاکستان بنانے والے بزرگوں اور محسنوں کا تو کوئی قصور نہیں۔ بدقسمتی سے بانیٔ پاکستان کی وفات کے بعد ہمارے سیاست دان پاکستان کی تشکیل کے اساسی مقاصد سے غافل رہے اور یوں ہم منزلِ پاکستان سے دُور ہوتے گئے۔ پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی فلاحی ریاست نہ بنانے کے ہم اور ہمارے سیاست دان ذمہ دار ہیں۔ موجودہ پریشان کُن حالات کو دیکھ کر بعض حقیقت ناشناس حضرات تقسیمِ ہند کے عمل کو غلط قرار دینے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں۔ ہندو لیڈر خصوصاً برہمنی سیاست کے کرتا دھرتا تو ہمیشہ سے تقسیمِ ہند کی مخالفت کر رہے ہیں مگر اب ہمارے ناداں دوست بھی اپنی جہالت سے ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ غیروں کا گلہ بے کار ہے لیکن اپنوں سے شکایت ہے کہ وہ قیامِ پاکستان کے تاریخی پس منظر کو بھول کر بانیٔ پاکستان کے نظریۂ تقسیم ہند پر معترض ہیں۔ آیئے ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ قائداعظم علیہ الرحمتہ کن اسباب و دلائل کے پیشِ نظر برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے زبردست حامی تھے۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے یہاں مختصر اشارات پر ہی اکتفا کروں گا:

اے اہلِ نظر! ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا؟

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے جب ایک علیٰحدہ مسلم مملکت کا مطالبہ کیا تو کانگریسی لیڈروں اور ان کے حامیوں نے قائداعظمؒ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ ان کی انتہائی کوشش تھی کہ

پاکستان معرضِ وجود میں نہ آئے اس لئے انھوں نے مختلف حربے استعمال کئے۔ ہمارے اس عظیم سیاسی لیڈر نے ان کے تمام اعتراضات کا مدلل انداز میں جواب دیا اور اپنی زبردست قوتِ استدلال کی بنا پر ان کی تنقید کی لغویت کو آشکارا کر دیا۔ مخالفین کے اعتراضات کا خلاصہ درجِ ذیل کیا جاتا ہے تاکہ قارئینِ کرام حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوسکیں۔

قراردادِ لاہور پر اعتراض

جب مسلم لیگ نے 1940ء میں قیامِ پاکستان کے ضمن میں لاہور میں ایک ریزولیوشن منظور کیا تو کانگریسی اور ہندو لیڈروں نے واویلا کھڑا کر دیا اور تقسیم ہند کے مطالبہ کی زبردست مخالفت شروع کر دی۔ ایک ممتاز ہندو لیڈر راج گوپال اچاریہ نے تقسیمِ ہند کو حضرت سلیمانؑ اور ایک بچے کی کہانی سے تشبیہ دی۔ کہانی کی تلخیص یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس ایک ایسے بچے کا مقدمہ لایا گیا جسے دو عورتیں اپنا قرار دے رہی تھیں۔ دونوں کا کہنا تھا کہ یہ بچہ میرا ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ میں ابھی بچے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں تاکہ وہ دونوں میں تقسیم ہو جائے۔ بچے کی حقیقی ماں یہ سن کر بہت زیادہ مضطرب ہوگئی اور کہنے لگی کہ آپ بچے کو دو حصوں میں تقسیم نہ کریں اور اسے دوسری عورت کو دے دیں جو غلط طور پر اسے اپنا بچہ ظاہر کر رہی ہے۔

قائداعظمؒ نے راج گوپال اچاریہ کی اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

> ''مسٹر راج گوپال اچاریہ نے تقسیمِ ہند سے متعلق اپنے دلائل کی بنیاد بچے اور حضرت سلیمانؑ کی تمثیلی کہانی پر رکھی ہے..... انڈیا کانگرس کی واحد ملکیت نہیں ہے۔ اگر اس کی حقیقی ماں کا سراغ لگایا جائے تو وہ دراوڑ اور اس سے بھی آگے اس کے قدیم اصلی باشندے ہوں گے۔ اس صورت میں انڈیا کی ماں کا درجہ نہ تو آرین لوگوں کو اور نہ ہی مسلمانوں کو حاصل ہوگا۔ انڈیا پر آرین لوگوں کا دعویٰ مسلمانوں کے دعویٰ سے بہتر نہیں سوائے اس کے کہ وقت کے لحاظ سے وہ انڈیا میں مسلمانوں سے پہلے آئے تھے''۔ (لاہور ریزولیوشن کے بارے میں بیان' 1940ء)

گاندھی کا اعتراض

راج گوپال اچاریہ کی طرح اس کے سیاسی گرُو آنجہانی گاندھی نے بھی انڈیا کی تقسیم کے خلاف زبردست بیان بازی کی اور اس تقسیم کو انڈین وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف

قرار دیا تھا۔ تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند شروع ہی سے مختلف قوموں' گروہوں اور تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے اور یہ کبھی بھی متحد نہیں رہا۔ اس کے مختلف علاقوں میں مختلف راجدھانیاں قائم تھیں جہاں کا راجہ کسی مرکزی حکومت کے ماتحت نہیں ہوتا تھا اس لئے انڈین وحدت کبھی موجود ہی نہیں تھی۔ یہ علاقہ تو ہمیشہ سے مختلف حکومتوں میں منقسم رہا ہے۔ قائداعظمؒ کی دلیل یہ تھی کہ انڈیا پہلے ہی سے منقسم ہے اس لئے ہم اگر الگ ریاست بنانا چاہتے ہیں تو اس تقسیم پر شور کیوں مچایا جاتا ہے۔ راج گوپال اچاریہ اور گاندھی جی کی اس عجیب وغریب منطق کو ردّ کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے 26 مئی 1940ء کو بمبئی پریذیڈنسی پراونشل مسلم لیگ کی کانفرنس کے نام ایک پیغام میں یہ کہا تھا: ''یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ مسٹر گاندھی اور مسٹر راج گوپال اچاریہ جیسے آدمی قراردادِ لاہور کو ''انڈیا کی تقسیم'' اور ''بچے کو دو نصف حصوں میں'' کاٹنے کے الفاظ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ یقیناً آج قدرت نے انڈیا کی خود تقسیم کر رکھی ہے۔ انڈیا کے طبعی نقشے پر آج مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا موجود ہیں۔ میں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس کے خلاف یہ واویلا کیوں ہے؟ وہ ملک کہاں ہے جسے تقسیم کیا جا رہا ہے؟ وہ قوم ہی کہاں ہے جس کی قومیت کو ختم کیا جا رہا ہے؟ ذاتوں اور گوتوں کا تو ذکر ہی کیا انڈیا کئی قوموں کا مرکب ہے۔ انڈیا کو برطانوی اقتدار نے برقرار رکھا ہوا ہے۔ اس ہاتھ سے اسے تھام کر متحدہ انڈیا اور وحدانی حکومت کا تاثر دیا ہے''۔ قائداعظمؒ کی طرح ایک اور ممتاز مسلم سیاست دان یعنی لفظ ''پاکستان'' کے خالق چودھری رحمت علیؒ نے بھی انڈیا کو ہمیشہ منقسم قرار دیتے ہوئے اسے ''دیبیہ'' یعنی متعدّد مذاہب کے ماننے والوں کا علاقہ کہا تھا۔

فرقہ پرستی کا طعنہ

کانگرسی لیڈر خصوصاً ہندو سیاست دان تقسیمِ ہند کے مطالبہ کو فرقہ پرستی کی پیداوار قرار دیتے تھے۔ ان کی رائے میں ہندو اور مسلم متحدہ قومیت کے حامل ہیں اس لئے انھیں فرقہ پرستی میں مبتلا ہو کر مشترکہ وطن کی تقسیم کا تصور ترک کر دینا چاہیئے۔ مسلمان قائدین خصوصاً مسلم لیگی سیاستدان اور عامۃ المسلمین اپنے آپ کو ہندوؤں سے الگ قوم خیال کرتے تھے۔ وہ اپنی مذہبی اور ثقافتی اقدار کے مطابق علیٰحدہ خطۂ زمین میں زندگی بسر کرنے کے علمبردار اور متحدہ انڈین قومیت اور انڈین وفاق کے زبردست مخالف تھے۔ وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد وہ ہندوؤں کی غلامی اختیار کر لیں۔ علاوہ ازیں فرقہ پرستی کو خود ہندو لیڈروں

نے ہوا دی تھی۔ چنانچہ انڈیا کے مختلف علاقوں میں مساجد کی بے حُرمتی' قرآنِ حکیم کی توہین اور رسولِ کریمؐ کی حیاتِ طیبہ کو ہدفِ تنقید بنانے کے کئی واقعات رونما ہو چکے تھے۔ ان فسادات اور واقعات کی زیادہ تر وجہ سیاسی تھی۔ فرقہ پرست ہندو لیڈروں کا اصل مقصد مسلمانوں کو خوف زدہ کر کے انھیں ہندو راج قبول کرنے پر مجبور کرنا تھا۔ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ ہندو لیڈروں کی اس تنگ ذہنیت کو یوں بے نقاب کرتے ہیں:

> ''ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہمارا مطالبہ فرقہ پرستی کا نچوڑ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم تجویز کرتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنا اپنا وطن دیا جائے تاکہ وہ باعزت قوموں اور اچھے ہمسایوں کی طرح پہلو بہ پہلو زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ ہندو اعلیٰ قوم ہوں اور مسلمان پست قوم بن جائیں اور انھیں آپس میں مصنوعی طور پر اس طرح جکڑ دیا جائے کہ ہندو دھرم کی اکثریت کے حامل غالب ہو کر اسلامیانِ ہند پر حکمرانی کرنے لگیں''۔
> (بمبئی پریذیڈنسی صوبائی مسلم لیگ کی کانفرنس کے نام پیغام' 26 مئی 1940ء)

غیر مفید اسکیم

مسلمانوں کو تقسیمِ ہند کی اسکیم پر عمل درآمد سے روکنے کے لئے ہندو لیڈروں نے بہت سے حربے استعمال کئے۔ جب قائداعظمؒ اپنے مسکت دلائل سے ان کی ایک دلیل ردّ کر دیتے تو وہ دوسری دلیل مختلف الفاظ میں پیش کر دیتے تھے۔ محمد علی جناحؒ کی مومنانہ فراست' بلند نظری' ثابت قدمی اور اصابتِ رائے کی داد دینا پڑتی ہے کہ وہ تنِ تنہا پاکستان کے مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے اور انھیں لاجواب کرتے رہے۔ نظریۂ پاکستان کے مخالفین نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا تھا کہ تقسیمِ ہند کی تجویز خود مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث ہوگا۔ قائداعظمؒ ان کی اس دلیل کو ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ہمیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ تقسیمِ ہند بذاتِ خود مسلمانوں کے مفاد میں نہیں ہے۔ میں اپنے ہندو دوستوں سے کہتا ہوں کہ آپ مہربانی کر کے ہمارے بارے میں فکرمند نہ ہوں..... ہم اپنی خوب سوچی سمجھی قرارداد کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہیں''۔ (پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن میں صدارتی خطبہ' 2 مارچ 1941ء)

نا قابلِ عمل اسکیم

مسلمانوں کو قیامِ پاکستان اور تقسیمِ ہند کے نظریئے سے منحرف کرنے کے لئے دشمنوں نے اپنے ترکش میں سے ایک اور تیر چھوڑا جس کا تعلق اقتصادی پہلو سے تھا۔ اقتصادیات کا سیاست اور حکومت کے نظام سے جو گہرا رشتہ ہے' اس کی اہمیّت سے اربابِ فکر و دانش بخوبی واقف ہیں۔ پہلے سے موجود کسی مملکت کے اقتصادی حالات اگر دگرگوں ہو جائیں تو تمام ملک میں زبردست بے چینی پھیل جاتی ہے۔ کاروباری طبقہ کے علاوہ سوسائٹی کے دیگر طبقات بھی پریشان ہو کر حکومت کے لئے مشکلات پیدا کرنے لگتے ہیں۔ اگر کوئی مملکت ابھی معرضِ وجود میں آئی ہی نہ ہو اور چاروں طرف دشمنوں کی کثرت ہو تو ایسے مخدوش حالات میں بڑے سے بڑا لیڈر اور حکمران بھی بوکھلا جایا کرتا ہے۔ ہندو لیڈروں نے نظریۂ پاکستان کے حامیوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لئے یہ بھی پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ اگر پاکستان بن بھی گیا تو یہ اقتصادی طور پر قائم نہیں رہ سکے گا۔ جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا اس وقت مہاجرین کی آمد کے علاوہ دفتری زندگی چلانے میں بھی خاصی دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ قائداعظمؒ کو آئندہ پیش آنے والے ان خطرات کا بھی بخوبی احساس تھا مگر انھوں نے ہمت نہ ہاری اور برابر قیامِ پاکستان کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ وہ دشمنوں کی اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"The next argument is that it is economically not a practical scheme.... why do you bother about this? If the worse comes to the worse, like a sensible man we will cut our coat according to our cloth". (Presidential Address at the Session of the Punjab Muslim Students Federation on 2nd March, 1941).

کیا مندرجہ بالا الفاظ سے بانیٔ پاکستان کی مقصد پرستی' بلند ہمتی' پختہ عزم اور پُر اعتماد قیادت کا ثبوت نہیں ملتا؟ کیا آج ہمارے لیڈر غیروں سے ہمیشہ اقتصادی امداد کی بھیک مانگتے رہنے کی بجائے کفایت شعاری' خود انحصاری اور خودداری کی پالیسی پر عمل کر کے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے غیور اور عظیم لیڈر کی طرح اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہو سکتے ہیں؟ اب ایسے حالات تو نہیں جیسے قیامِ پاکستان کے وقت تھے۔

دفاع کا مسئلہ

انڈیا کی تقسیم اور تشکیلِ پاکستان کی تجویز کے خلاف ہندو لیڈروں نے یہ دلیل بھی دی کہ انڈیا پر تمام حملے اس کے شمال مغرب سے ہوئے ہیں۔ اس لئے دفاعی نقطۂ نگاہ سے انڈیا کی تقسیم مفید نہیں ہوگی۔ اس دلیل کو مضبوط بنانے کے لئے یہ کہا گیا کہ پاکستان ایسے حملوں کو دُور کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔ قائداعظمؒ نے اس دلیل کے پرخچے اڑاتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

> یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صرف متحدہ اور جمہوری انڈیا ایسے حملوں کو روک سکتا ہے۔ اس لئے انڈیا میں مرکزی اور جمہوری حکومت ہونی چاہیئے--- کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ پُرتگالی کہاں سے آئے؟ فرانسیسی اور ہمارے برطانوی آقا کہاں سے آئے؟ کیا یہ حملہ آور درۂ خیبر سے یہاں داخل ہوئے تھے؟ یہ حملہ آور ساحلوں سے انڈیا میں داخل ہوئے تھے سچ تو یہ ہے کہ جدید جنگ زمینی سرحدوں کو کچھ نہیں سمجھتی۔ جدید جنگ کا فیصلہ کُن ہتھیار تو فضائی فوج ہے اس لئے موجودہ جنگوں میں ارضی اور سمندری فوجوں کو ثانوی حیثیت مل گئی ہے"۔
>
> (مسلم یونیورسٹی یونین' علی گڑھ میں تقریر' 10 مارچ 1941ء)

مسلم اتحاد کا خوف

ایک وقت تھا جب کہ مسلمان روئے زمین کے مختلف خطوں پر حکمران تھے۔ بعدازاں اسلامی تعلیمات کی دُوری' باہمی نااتفاقی' آپس کی جنگوں اور جذبۂ جہاد کی کمی کے باعث وہ اپنی عظمتِ رفتہ سے محروم ہوتے گئے۔ صلیبی جنگوں نے مسلمانوں اور اہلِ مغرب کے درمیان نفرت و عداوت کو ایسا جنم دیا کہ اب تک یہ جنگ مختلف شکلوں میں جاری ہے۔ غیر مسلم طاقتوں نے آلاتِ جنگ' فنی مہارت اور سائنسی ترقیات کے باعث اپنا پلڑا بھاری رکھا اور اپنے محکوم مسلم ممالک کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ اب بھی یہ ممالک گوارا نہیں کرتے کہ مسلم ممالک متحد ہو کر ترقی یافتہ بن جائیں۔ اسلامک پین ازم (PANISM) کا ہوّا اب تک ان کی نیندیں حرام کر رہا ہے۔ ہندو لیڈروں نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے اسی تاریخی پس منظر کی رُو سے انگریزوں کو مسلمانوں سے مزید بدظن کرنے اور انھیں تقسیمِ ہند کی تجویز کی قبولیت سے روکنے کے لئے ایک اور خطرناک حربہ استعمال کیا۔ انھوں نے انگریزوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اگر پاکستان بن گیا تو پھر اس کے قریبی مسلم ممالک آپس میں متحد ہو جائیں گے اور یوں انگریزوں کے لئے

خطرہ بن جائیں گے۔ قائداعظمؒ نے ہندوؤں کی اس شرارت اور بیمار ذہنیت کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''پاکستان کے مخالفین برطانوی حکومت سے کہتے ہیں کہ اگر پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا تو آسام میں سرگوشی کی گونج انقرہ اور استنبول میں سنائی دے گی۔ اس طرح پاکستان کا قیام ہندوؤں کی نسبت برطانوی لوگوں کے لئے زیادہ خطرناک ہوگا۔ وہ برطانوی حکومت سے کہتے ہیں پہلی ضرورت مسلم ریاستوں میں انتشار پیدا کرنا ہے۔ اگر تم نے مسلم ممالک میں انتشار پیدا کر دیا تو پھر پاکستان گہری زمین میں دفن ہو جائے گا۔ اس طرح تم اور ہم مل کر انڈیا پر حکومت کریں گے۔ میری رائے میں یہ احمقانہ ترین تجویز ہے۔ کیا وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ مسلمان ملکوں کا شیرازہ بکھرنے کا مطلب ہندوستان کی تمام قوموں کی دائمی غلامی ہوگا''۔ (مسلم یونیورسٹی یونین، علی گڑھ میں تقریر، 2 نومبر 1941ء)

قارئینِ کرام! آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ قیامِ پاکستان کے دشمنوں نے قائداعظمؒ کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے کتنے پاپڑ بیلے مگر وہ اپنے ابلیسی عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ خدا کی تائید، مسلم عوام کے تعاون اور اپنی سیاسی بصیرت، بلند حوصلگی، ثابت قدمی، یقینِ کامل اور عزمِ راسخ کی بدولت انھوں نے دشمنوں کے تمام مذموم ارادے خاک میں ملا دیئے تھے۔ کیا اب یہ ہمارا ملّی اور اخلاقی فرض نہیں کہ ہم ملکِ پاکستان کے استحکام، سالمیت اور ترقی کے لئے کوشاں ہوں اور اس آزادی کی قدر کریں۔ آزادی کی قدر اُن لوگوں سے پوچھئے جو ابھی تک آزاد نہیں ہوئے اور وہ غلامی کی زنجیروں سے نجات پانے کے لئے اپنی جانوں اور عصمتوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں۔ کیا کشمیر، فلسطین اور بوسنیا کے مظلوم و محکوم بھائیوں کے خونچکاں حالات اب بھی ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں؟

یاد رکھیے پاکستان کی بقا میں ہماری بقا کا راز پوشیدہ ہے۔

□□□

قائداعظمؒ کا نظریۂ طاقت

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علیہ الرحمۃ بلاشبہ دورِ حاضر میں مسلمانانِ ہند کے عظیم لیڈر تھے۔ خدا تعالیٰ نے انھیں دل و دماغ کی بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ایسے عدیم النظیر، بے باک، دُور اندیش، مخلص اور ہمدردِ قوم کا یومِ پیدائش منانا اور ایسے موقع پر اُن کی خوبیوں کا ذکرِ خیر کرنا ہمارا اخلاقی اور قومی فریضہ ہے۔ پاکستان کے موجودہ اندرونی اور بیرونی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح جیسے محسنِ قوم اور بے لوث لیڈر کے یومِ پیدائش کی اہمیّت کو اُجاگر کیا جائے تاکہ ہمارے سیاستدان بھی ان کے نقوشِ قدم پر چل کر صحیح انداز میں ہماری رہنمائی کر سکیں۔ قومی ادبار، پستی اور انحطاط کے دور میں عظیم انسانوں اور بہترین قائدین کے ملت ساز کارناموں کا تذکرہ یقیناً مُردہ دلوں میں زندگی کی حرارت پیدا کر دیا کرتا ہے۔ ایسے بلند ہمت اور بلند نگاہ لیڈر روز روز پیدا نہیں ہوا کرتے بقولِ علامہ اقبالؒ:

؎ عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے یہ سیاسی نجات دہندہ بلامبالغہ مصلحینِ قوم کے اُس گروہ سے تعلّق رکھتے ہیں جنھوں نے اپنے مجبُور و مقہور اور محکوم بھائیوں کی آزادی اور ان کی فلاح و فوز کے لئے ناقابلِ فراموش خدمات سرانجام دی ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے حالاتِ زندگی اور ان کے بصیرت افروز سیاسی افکار کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے مسلمانانِ ہند کے دل و دماغ میں آزادی، ترقی اور بلند نظری پیدا کرنے اور انھیں متحد و منظّم کرنے کے لئے بہت کچھ کہا ہے۔ ان کے تمام نظریات کا نچوڑ مسلمانوں کو ہر لحاظ سے متحد اور طاقتور بنانا تھا تاکہ وہ غیروں کی غلامی سے نجات پا کر آزاد قوم کے افراد کی حیثیت سے اپنی تہذیبی اور ثقافتی قدروں کے مطابق بہتر زندگی گزار سکیں۔ اس نقطۂ

نگاہ سے ان کے نظریۂ طاقت کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس مختصر مضمون میں ان کے تصورِ طاقت کے چیدہ چیدہ پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا۔

آیئے ہم سب سے پہلے یہ معلوم کریں کہ قائداعظمؒ کی رائے میں طاقت کی اہمیّت کیا ہے اور ہم اسے کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم اس مسلّمہ حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ قوت و طاقت کے بغیر ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کامل آزادی کے ساتھ بسر کرنے سے قاصر رہتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری خداداد صلاحیتیں بطریقِ احسن نشوونما نہیں پا سکتیں اور ہم زندگی کی پست سطح سے بلندی پر نہیں جا سکتے۔ کمزور ہونا ہر لحاظ سے نقصان دہ ثابت ہوا کرتا ہے۔ یہاں تو ہر جگہ ہمیں قانونِ بقائے اصلح (survival for the fittest) کی حکمرانی دکھائی دیتی ہے۔ مولانا رومؒ نے اس عالمگیر حقیقت کو ایک ہی مصرع میں اس طرح بند کر دیا ہے جس طرح کوزے میں دریا کو مقید کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ع جُملہ عالم آکلِ و ماکول داں..... یعنی تم تمام دنیا کی چیزوں کو دو حصوں میں تقسیم کرو۔ ہر ایک شے دوسری شے کو کھاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہاں طاقت ور چیز کمزور چیز کو ہڑپ کر رہی ہے۔ یہ اصول چیزوں کے علاوہ نظریات پر بھی منطبق ہوتا ہے کیونکہ طاقت ور نظریہ کمزور نظریئے کو شکست دیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے مرشدِ روحانی مولانا رومؒ کی طرح طاقت و قوت کی اہمیّت و افادیت کو یوں شعر کے قالب میں ڈھال کر بیان کیا ہے:

؎ تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے اَزل سے
ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

الغرض ذاتی نشوونما، اجتماعی ترقی، آزادی، نیکی کے فروغ، بدی کے انسداد اور قومی شان و شکوہ کے حصول کے لئے طاقت کی اہمیّت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

طاقت کے بارے میں یہاں قائداعظمؒ کے گوناگوں نظریات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئینِ کرام کو بخوبی معلوم ہو جائے کہ ہمارے عظیم قائد نے ہمیں دنیا میں طاقتور بنانے کے لئے کن اصولوں کی تاکید کی ہے:

سیاسی قوت

تاریخِ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ جو قوم سیاسی طاقت سے محروم ہوتی ہے، اس کا دنیا میں

کوئی مقام نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی آواز میں کوئی جان ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں چونکہ مسلمان ممالک حقیقی سیاسی قوت کے مالک نہیں اس لئے اتنی بڑی تعداد کے باوجود وہ ہر جگہ ذلیل و خوار دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا باہمی انتشار ان کی کمزوری کی دلیل اور ان کے دشمنوں کی قوت باہمی اتحاد کی علامت ہیں۔ سیاست کا کھیل اصل میں غلبہ و اقتدار حاصل کرنے کا دوسرا نام ہی تو ہے۔ ہر سیاسی گروہ اپنے استحکام اور اقتدار کے لئے مصروفِ جدوجہد ہوا کرتا ہے۔ بانیٔ پاکستان نے اکتوبر 1937ء میں لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کے موقع پر اپنے صدارتی خطاب میں سیاسی طاقت کی اہمیّت اور کمزور قوموں کی زبوں حالی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا تھا:

> ''سیاست سے مراد قوت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب صرف انصاف، ایمان داری اور نیک خواہشات کی چیخ و پکار پر بھروسہ کرنا نہیں ہے۔ ذرا دنیا کی قوموں پر تو نظر ڈال کر دیکھو کہ یہاں ہر روز کیسے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ فلسطین کے المیہ کا تو ذکر ہی کیا..... غور کرو کہ حبشہ کے ساتھ کیا واقعہ رونما ہوا ہے''۔

اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی نے حبشہ کی کمزوری کو بھانپتے ہوئے اس پر 1935ء میں حملہ کر دیا تھا؟ قائداعظمؒ نے یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیا فلسطین، عراق، کشمیر اور بوسنیا کے موجودہ دلخراش سیاسی حالات اس بات کی غمازی نہیں کرتے کہ جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات ہی ہوا کرتی ہے؟

قائداعظمؒ مسلمانانِ ہند پر یہ حقیقت منکشف کرنا چاہتے تھے کہ وہ سیاسی طاقت کے حصول کے بغیر انگریزوں اور ہندوؤں کی سیاسی غلامی سے نجات نہیں پا سکتے! اس لئے وہ انھیں منظم اور طاقت ور ہونے کا مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ہمیں اپنے اندر قوت و طاقت پیدا کرنی چاہیئے یہاں تک کہ تمام مسلمان مکمل طور پر منظم ہو جائیں''۔ (صدارتی خطبہ لکھنؤ، اکتوبر 1937ء)

عسکری طاقت

اس کائناتِ رنگ و بو میں ازل ہی سے نیکی اور بدی، طاقت اور کمزوری اور حاکم و محکوم کے درمیان معرکہ آرائی جاری ہے۔ یہاں ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا اصول کارفرما رہا ہے۔ ہوشیار، ذہین، طاقتور اور بااثر افراد اور گروہ ذہنی، جسمانی، روحانی اور عسکری لحاظ سے کمزور افراد اور

گروہوں پر غلبہ پاتے رہے ہیں۔ دنیا کی تاریخ اس امر کی بار بار گواہی پیش کرتی ہے کہ جو قومیں فوجی طاقت کی مالک نہیں ہوتیں وہ ہمیشہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہوا کرتی ہیں کیونکہ بقول شاعرِ مشرقؒ: ع کہ سربہ سجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک!

عسکری کمزوری جارحیت پسندی کا نشانہ بن کر قومی غلامی اور ہمہ گیر سماجی پستی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ مسلم ممالک کی موجودہ زبوں حالی اور ذلت و رسوائی کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ وہ قدرت کے عطا کردہ وسیع ذخائر اور افرادی قوت کے باوجود غیر مسلموں کے سامنے گریۂ مسکین بنے ہوئے ہیں۔ اگر انھوں نے مشترکہ طور پر اپنے آپ کو فوجی لحاظ سے مضبوط بنایا ہوتا تو آج انھیں جگہ جگہ پسپا نہ ہونا پڑتا۔ قرآنِ حکیم نے تو انھیں واضح طور پر یہ حکم دیا تھا:

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ

اور تم اپنی استطاعت کے مطابق دشمنوں کی تیاری کرو۔

بانیٔ پاکستان نے قومی طاقت کے حصول کے اس اہم گوشے کو بے نقاب کرتے ہوئے بجا ہی کہا تھا:

> ''کمزور گروہ کی طرف سے صلح کی پیشکش کا ہمیشہ مطلب اپنی کمزوری کا اعتراف اور جارحیت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے..... ایسے حالات میں تمام تحفظات اور تصفیہ جات کی ضمانت کاغذ کا پرزہ ثابت ہوں گے جب تک کہ انھیں طاقت کی پشت پناہی حاصل نہ ہو''۔ (آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں صدارتی خطبہ' اکتوبر 1937ء)

کیا یہ امر واقعی نہیں کہ کمزور گروہ اور قوم کی طرف سے پُرامن مذاکرات اور صلح کی درخواست کو ہمیشہ اس کی کمزوری خیال کیا جاتا ہے؟ کیا ایسی قومی کمزوری طاقتور قوم کی جارحیت کا ترنوالہ ثابت نہیں ہوا کرتی؟ کیا حیدر آباد' جونا گڑھ' کشمیر' فلسطین اور دیگر علاقوں کے حالات قائداعظمؒ کے مندرجہ بالا قول کی صداقت کے آئینہ دار نہیں؟ پاکستان نے بارہا انڈیا کی طرف باہمی دوستی اور صلح کا ہاتھ بڑھایا ہے مگر اسے ہمیشہ پاکستان کی کمزوری جان کر نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ انڈیا کو اپنی عسکری برتری پر ناز ہے اس لئے وہ پاکستان کی مخلصانہ پُرامن مساعی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اگر مسلمان ممالک نے قرآنی ارشاد کو مدنظر رکھتے ہوئے عسکری لحاظ سے بھی دشمنوں کی خاطر کماحقہ تیاری کی ہوتی تو آج وہ یوں کمزور اور رُسوا نہ ہوتے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ کہا تھا:

ع اُمتاں را لا جمال الا جلال

قوموں کے لئے جلال یعنی طاقت کے بغیر جمال نہیں۔

اگر کوئی نظریۂ حیات طاقت و غلبہ کا مظہر نہیں تو وہ محض حسین وعظ و نصیحت کا درجہ رکھتا ہے۔ بقولِ اکبرالٰہ آبادی:

ے نہ ہو مذہب میں گر زورِ حکومت
نِرا اِک فلسفہ ہی فلسفہ ہے

اسلامی قوت و غلبہ

اسلام کا پیش کردہ نظامِ حیات اپنے نفاذ و استحکام کے لئے طاقت و غلبہ کا تقاضا کرتا ہے۔ طاقت و استیلا کے لئے وہ اپنے ماننے والوں کے دل و دماغ کی تطہیر کر کے ایک ایسا شاندار اور دیرپا انقلابِ عظیم پیدا کرنا چاہتا ہے جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام دنیا کے لئے باعثِ رحمت ثابت ہو۔ اس نقطۂ نظر سے اسلام کا مرکزیت' اجتماعیت اور باہمی اتحاد و تعاون کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اسلام محض عقائد و عبادات اور اخلاقیات ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں زندگی کے دیگر اہم شعبہ جات مثلاً اقتصادیات' سیاسیات اور بین الاقوامی معاملات بھی شامل ہیں۔ اسے محض نماز و روزہ تک محدود رکھنا اسلام کی روح سے ناواقفیت کہا جائے گا۔

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے قبل مسلمانوں کو نماز' روزہ اور حج وغیرہ کی ادائیگی کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلام کا پودا کفر و نفاق کی سرزمین میں بارآور نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شاعرِ اسلام علامہ اقبالؒ نے درست کہا تھا:

ے مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

قائداعظمؒ بھی بعدازاں اسی نظریئے کے حامی بن کر مطالبۂ پاکستان کے لئے سرگرمِ جہاد ہو گئے تھے۔ انھوں نے 6 مارچ 1940ء کو علی گڑھ کے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے ہندو راج کے تحت زندگی گزارنے کے خلاف یہ الفاظ کہے تھے:

> ''مسٹر گاندھی کی توقع ہندو راج کے تحت مسلمانوں کو محکوم بنانے کی ہے۔ میں نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اسے روکا ہوا ہے''۔

وہ یہ درست خیال کرتے تھے کہ مسلمان کسی غیر اسلامی نظام کے ماتحت نہیں رہ سکتے۔

نبیٔ اکرمؐ کی مثالی اور پاکیزہ زندگی سے بھی یہ سبق ملتا ہے کہ اسلامی ریاست کے قیام کے بغیر اسلام اپنی ہیئتِ اجتماعیہ کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست معرض وجود میں آئی تو اسلام کو فروغ اور تقویت کا سہارا مل گیا تھا۔ قرآنِ حکیم میں بعثتِ نبویؐ کی غرض و غایت غلبہ ونفاذ قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے:

هُوَ الَّذِی اَرسَلَ رَسُولَه بالهدیٰ ودین الحق لِیُظهِرَهٗ علی الدِّین کله

''اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اسے باقی ادیان پر غالب کر سکے''۔

جب اسلام دینِ حق اور دینِ ہدایت ہے تو پھر اس کی نشر واشاعت کے لئے غلبہ وطاقت کا ہونا اشد ضروری ہے۔ اس دین کے علمبردار کیسے غیر خدائی نظام کے ماتحت زندہ رہنا پسند کریں گے۔ ایمانِ کامل اور غلبہ لازم وملزوم ہیں جیسا کہ حکیم الامت اور ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز

طاقت اور ہمہ گیر ترقی

قائداعظمؒ نے طاقت کے مختلف اہم پہلوؤں پر اپنے متعدد خطابات اور تقاریر میں ذکر کیا ہے تاکہ ہم پر طاقت وغلبہ کی اہمیّت بخوبی واضح ہو جائے۔ ان کی رائے میں طاقت کا تعلق محض ہمارے دفاع، سیاست اور مذہب سے نہیں بلکہ اس کی گرفت میں تعلیم، اقتصادیات، حقوق و فرائض، صنعت وحرفت اور سماجی سدھار بھی آجاتے ہیں۔ انفرادی خودی کے استحکام اور اجتماعی ترقی کے لئے آزادی اور طاقت کا حصول بے حد اہمیّت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے انھوں نے ہر شعبۂ زندگی میں اس کی ہمہ گیر اہمیّت کو بیان کیا ہے۔ یہاں ان کے چند فرمودات ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں:

۱- ''اپنی ذاتی طاقت کے سوا کسی اور پر تکیہ نہ کرو۔ یہی چیز تمھاری واحد اور بہترین محافظ ہے''۔ (مارچ 1940ء)

۲- ''تم اپنے آپ کو مضبوط بناؤ اور اپنے آدمیوں کو تعلیم، تجارت، صنعت اور ملکی دفاع کے لئے تیار کرو''۔ (10 مارچ 1941ء)

حمیدی

۳- ''اگر ہمیں دنیا میں کچھ کرنا ہے تو پھر ہمیں اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونا چاہیئے اور اپنی ہی طاقت پر بھروسہ کرنا ہوگا''۔ (15 مارچ 1942ء)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بانیٔ پاکستان کا نظریۂ طاقت جرمن فلسفی نطشے کے نظریۂ طاقت کی طرح اخلاقیات سے عاری نہیں۔ وہ اندھی طاقت کی بجائے اخلاق آمیز انسانیت ساز اور تعمیری طاقت میں پختہ یقین رکھتے تھے۔ گاندھی کی طرح وہ تشدد آمیز سیاست کے قائل نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اپنے مؤقف کو منوانے کے لئے آئینی طریقِ کار اور معقول دلائل کا سہارا لیا ہے۔ خدائے علیم وحکیم نے انھیں زبردست قوتِ استدلال سے نوازا تھا۔ ان کی اس قوتِ استدلال کا انگریز مدبرین نے بھی بارہا اعتراف کیا تھا۔ اس عظیم لیڈر نے اپنے عزمِ راسخ، بلند نظری، جفاکشی، عملِ مسلسل، کوششِ پیہم، خلوصِ نیت، بے مثال ایمانداری اور مومنانہ بصیرت کی بنا پر اسلامیانِ ہند کی اکثریت کو اپنا اس طرح ہمنوا بنایا کہ ان کی قیادت میں ہم نے شیعہ سنی، بریلوی، دیوبندی، پٹھان، بلوچ، پنجابی، بنگالی اور سندھی کے اختلافات کو بھلا دیا تھا۔ کیا یہ ان کی قیادت کا معجزہ نہیں تھا کہ انھوں نے ایک ہی سیاسی تنظیم کے تحت اور ایک ہی پلیٹ فارم پر سب متحارب اور فرقہ پرست گروہوں کو متحد کر دیا تھا؟ آج پھر اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہم ان کے یومِ پیدائش کو مناتے ہوئے یہ عہد کریں کہ ہم اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کرتے رہیں گے اور یوں دنیا میں اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور عظمت کو بحال کر کے دکھائیں گے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک مثالی لیڈر کی جو صفات مندرجہ ذیل شعر میں بیان کی ہیں وہ محمد علی جناحؒ پر صادق آتی ہیں:

؎ نگہِ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

□□□

عیدالفطر قائداعظمؒ کی نظر میں

عیدالفطر مسلمانانِ عالم کے لئے بلاشبہ ایک ایسا تہوار ہے جس کی ہمہ جہت اہمیّت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عیدالفطر کو 'عیدالصغیر' یعنی چھوٹی عید بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی اسلامی سالانہ تقریبِ سعید ہے جو نہ صرف مذہبی لحاظ سے اہم ہے بلکہ یہ سماجی' ثقافتی' اقتصادی اور سیاسی اہمیّت کی بھی حامل ہے۔ اسلام چونکہ ایک مکمل اور متوازن نظریۂ حیات ہے اس لئے اس میں دنیا اور دین کی تفریق نہیں پائی جاتی۔ اس لحاظ سے عیدالفطر بھی باقی اسلامی تقاریب کی مانند دنیوی امور اور اُخروی سعادتوں کا حسین امتزاج لئے ہوئے ہے۔ جو حضرات اسے محض مذہبی تقریب خیال کرتے ہیں وہ اسلام کے جامع اور ہمہ گیر تصورِ زندگی سے آگاہ نہیں۔ باقی مذاہب عالم کی طرح اسلام محض پوجا پاٹ کا نظام نہیں بلکہ یہ دین ہونے کی حیثیت سے زندگی کے تمام شعبہ جات پر محیط ہے۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ عیدالفطر کے موقع پر اکثر و بیشتر اس کے مذہبی پہلوؤں کو مختلف انداز میں اجاگر کیا جاتا ہے اور اس کے دیگر گوشوں پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی جاتی۔ اس نقطۂ نگاہ کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عیدالفطر جیسے عظیم الشان واقعہ کی اہمیّت محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی تعلیمات اور تقریبات کا ایک طرۂ امتیاز ان کی جامعیت اور ہمہ گیریت ہے اس لئے اس کے باقی پہلوؤں کو بھی موجودہ حالات کی بدلتی ہوئی حقیقتوں کے پیشِ نظر اُجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ اپنوں کے علاوہ غیروں کو بھی معلوم ہو سکے کہ اسلام محدود اور یک طرفہ نظریہ نہیں ہے۔ مسلمان علماء اور قائدین نے اپنی اپنی فکر کے مطابق اسلامی تعلیمات کے گوہر ہائے آبدار کی ضیاپاشیوں سے فیض یاب ہو کر اپنی عقیدت و محبّت کا اظہار کیا ہے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ چونکہ ایک سیاسی قائد تھے اس بنا پر انھوں نے عیدالفطر کے مختلف

گوشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے اس کی حرکی' عملی اور شخصیت ساز سرگرمیوں کا اپنے ایک مختصر سے پیغام میں جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے یہ پیغام اکتوبر 1941ء میں عید کے موقع پر دیا تھا۔ اگرچہ ان کا یہ پیغامِ عید مجمل ہے تاہم انھوں نے بڑے خوبصورت اور دلنشین انداز میں اس کے لبِ لباب پر روشنی ڈالی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس پیغام کے ضروری نکات کو بیان کرنے سے قبل اس کا پس منظر دکھانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ محمد علی جناحؒ کافی عرصہ تک ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں رہے۔ جب ہندو لیڈروں کی ان پر مسلم دشمنی بخوبی واضح ہوگئی تو انھوں نے مسلمانانِ ہند کی آزادی اور نجات کے لئے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ بعدازاں ان کی زیرِ قیادت منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں 23 مارچ 1940ء کو قراردادِ لاہور یعنی قراردادِ پاکستان پاس ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پورے عزم و استقلال سے قیامِ پاکستان کے لئے مصروفِ عمل ہوگئے۔ انھوں نے مسلمانانِ ہند کی شیرازہ بندی شروع کر دی تاکہ وہ منظّم اور متحد ہو کر ایک جداگانہ اسلامی ریاست کی تشکیل کر سکیں۔ اپنے مذکورہ بالا پیغامِ عید میں بھی انھوں نے اس کے مذہبی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے سماجی' ثقافتی اور سیاسی پہلو کا تذکرہ کیا ہے۔ اس طرح وہ ہندوستان کے محکوم' پس ماندہ اور مظلوم مسلمانوں کو یہ درس دینا چاہتے تھے کہ ایک علیٰحدہ مسلم مملکت کے قیام کے بغیر وہ صحیح معنوں میں خوشگوار اور پُرامن زندگی بسر نہیں کر سکیں گے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ غلبہ و نفاذ کے بغیر دین اسلام فروغ نہیں پایا کرتا۔ اسے اپنے قیام اور غلبہ کے لئے الگ خطۂ زمین درکار ہوا کرتا ہے۔ سیاسی غلبہ و اقتدار کے بغیر علم و حکمت کی سرگرمیاں چنداں مفید نہیں ہوا کرتیں۔ بقولِ علامہ اقبالؒ:

؎ یہ حکمتِ ملکوتی یہ علمِ لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اسلامیانِ ہند کے نام اکتوبر 1941ء میں عید کے موقع پر جو پیغام دیا تھا اس کے قابلِ ذکر نکات درجِ ذیل ہیں:

رمضان' مبارک مہینہ ہے

انھوں نے اپنے پیغام کے آغاز میں رمضان المبارک کی فضیلت و عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بجا کہا ہے کہ اس پاک مہینے میں قرآن حکیم کا نزول ہوا تھا۔ علماء اور مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رمضان شریف میں رسول اکرمؐ پر سب سے پہلی وحی آئی تھی۔ اس طرح اس

ماہِ مبارک میں نزولِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

شهر رمضان الذی انزل فیهِ القرآن هُدًی للناس وبینت من الهدیٰ والفرقان

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لئے راہ نما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے۔

رمضان کے مہینے کو یہ برکت اور فضیلت نزولِ قرآن ہی بدولت ملی۔ قرآنِ حکیم بنی نوع انسان کی ہدایت اور حق و باطل کے امتیازات کو واضح کرنے کے لئے نازل کیا گیا تھا۔ یہ کتاب ہدیٰ انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو منور کرنے اور انسانوں کی جملہ معاشرتی ضرورتوں کی تکمیل کی ضامن ہے۔ یہ دنیا و دین کی مغائرت اور جسم و جان کی دوئی کو باطل ٹھہراتی ہے۔ یہ وہ مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کے احکام محکم، اٹل اور ابدی ہیں۔ بدلتی ہوئی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے اس کی مقررہ کردہ حدود اور اساسی تعلیمات کی روشنی میں جزئیات کو وضع کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ خدائی آئین ہے جو انسانی فلاح و کامرانی کی ضمانت دیتا ہے۔ خالقِ کائنات کی نظر میں تمام انسان اس کی مخلوقات ہیں اس لئے اس نے ان کی فلاح و بہبود کے لئے ایسا بے مثال اور حیرت انگیز نظامِ حیات دیا ہے جو تمام انسانوں کے لئے پیامِ امن و راحت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانوں کا بنایا ہوا دستورِ حیات قومی، وطنی اور گروہی تعصّبات کا آئینہ دار ہونے کی حیثیت سے امنِ عالم کے دائمی امن کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ یہ لافانی ضابطۂ حیات رمضان میں نازل کیا گیا تھا۔

رمضان المبارک میں روزے رکھنے کا مقصد 'تقویٰ' بتایا گیا ہے جس کا عام مطلب خوفِ خدا ہے۔ اس کی یہاں قدرے وضاحت کی جاتی ہے تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ تقویٰ سے حقیقی مراد کیا ہے۔ قرآنِ حکیم نے روزہ رکھنے کی بنیادی غرض و غایت خوفِ خدا اور پرہیزگاری بتائی ہے۔ اگر انسان کے اندر خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی سے بچنے کا شدید اور ہمہ وقتی احساس پیدا نہ ہو تو وہ نہ صرف بے محابا خدا کا باغی بن جائے گا بلکہ وہ دیگر انسانوں کے حقوق پامال کرنے سے بھی نہیں چُوکے گا۔ جس طرح کوئی عقلمند انسان پُرخار وادی سے گزرتے ہوئے اپنے دامن کو کانٹوں سے بچایا کرتا ہے اسی طرح متقی آدمی زندگی کے کانٹوں اور برائیوں سے بھری ہوئی راہ پر چلتے ہوئے اپنے دامن کو گناہوں اور منکرات سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ خوفِ خدا کے شدید احساس کے بغیر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں نکھار پیدا نہیں ہو سکتا۔ رمضان کے مہینے دراصل ہماری ذاتی اور معاشرتی زندگی کو صحیح سمت میں لے جانے کی روحانی

تربیت کا مفید اور تعمیری پروگرام ہیں۔ یہ ہمیں بھوک اور پیاس میں مبتلا کر کے ہمارے دل و دماغ میں بھوکے اور پیاسے انسانوں سے ہمدردی اور ایثار کے پاکیزہ جذبات پیدا کرتے ہیں۔ ہم خدا کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی خواہشات کی اندھا دھند پیروی سے باز رہتے ہیں۔ ایک مہینہ تک لگاتار روزے رکھنے سے ہمارے اندر اتنی اخلاقی جرأت پیدا ہو جانی چاہیئے کہ ہم اپنے نفسِ امّارہ پر قابو پا کر اپنی زندگی کو بے لگام ہونے سے بچالیں۔ قرآنِ حکیم اور فرقانِ حمید نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ ہم پر ہی بوجھ ڈالا گیا ہے۔ خالقِ کائنات نے روزوں کی فرضیت اور اس کی مقصدیت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون

تم پر پہلی اُمتوں کی طرح روزے فرض کئے گئے تاکہ تم تقویٰ اختیار کر سکو۔

قائداعظمؒ نے اپنے پیغام میں نزولِ قران کے علاوہ رمضان المبارک سے پیدا ہونے والے روحانی نظم و ضبط، اخلاقی تربیت اور اس کی سماجی اور طبعی قدر و قیمت کی طرف بھی ہماری توجہ مبذول کراتے ہوئے یہ الفاظ کہے ہیں:

I wish Muslims a happy and prosperous Id. The month of Ramazan is the month of fasting, prayer and communion with God. It is in this month that the Holy Quran was revealed. It is primarily a spiritual discipline enjoined upon the Musalmans, but, in the performance of this duty, its value in regard to the moral discipline, and its social and physical value follow in no small degree.

It teaches you what hunger means.

It teaches you the lesson that you should be prepared for privation and to undergo a hard trial in the performance of duty. That lesson is repeated from day-to-day for a whole month, and its exercise develops in no small degree the moral, physical and ethical side of the life. It enables you to feel that you are not a slave of food or appetite, but that you should be its master.

عیدالفطر اور ماہِ صیام کے درمیان نہ ٹوٹنے والا رشتہ پایا جاتا ہے۔ عید کی تمام خوشیاں اس

مبارک مہینے ہی سے وابستہ ہیں۔ اس لئے عیدالفطر کی اہمیّت کو دوبالا کرنے کے لئے اس کے تاریخی اور حقیقی پس منظر پر ہمیشہ کافی زور دیا جاتا ہے۔ محمد علی جناحؒ نے بھی اسلام سے اپنی گہری واقفیت کا ثبوت دیتے ہوئے ماہِ رمضان کی نمایاں ترین خصوصیات کا تذکرہ ذرا تفصیل سے کیا ہے۔ جب تک روزوں کی اہمیّت کے بڑے بڑے پہلوؤں کو اجاگر نہ کیا جائے اس وقت تک ہمیں عیدالفطر جیسے عظیم الشان واقعہ کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوسکتا۔ اس بات سے تو آپ بخوبی آگاہ ہوں گے کہ اسلام محض روحانی تقاضوں کو پورا ہی نہیں کرتا بلکہ یہ ہمارے جائز مادی تقاضوں کی تکمیل کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ انسان چونکہ مادہ اور روح کے حسین توازن کا نام ہے۔ اس لئے خوشگوار زندگی کا راز ان دونوں کے ساتھ گہرے ربط پر منحصر ہے۔ دیگر اسلامی عبادات کی طرح روزے بھی روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر طبعی فوائد بھی رکھتے ہیں۔ کیا یہ امر مسلّمہ نہیں کہ ہماری زندگی حرکت و آرام کے دونوں عناصر کا مجموعہ ہے؟ جب ہم تھک جاتے ہیں تو ہمیں آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اگر ہم ہمیشہ ہر وقت حرکت ہی میں رہیں اور آرام نہ کریں تو پھر ہمارے جسمانی اور ذہنی قویٰ میں بگاڑ جنم لیتا ہے۔ تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ ہر وقت کھاتے رہنا صحت کے لئے مضر ہوا کرتا ہے۔ ہمارے معدے اور نظامِ انہضام کے دیگر اجزاء کو بھی آرام کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ ہم سارا سال کھاتے رہتے ہیں مگر رمضان کے روزے ہمارے اس نظام کو آرام پہنچاتے ہیں جس کی وجہ سے ہم صحت مند رہتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے روزوں کی اس طبّی اور سائنسی حقیقت کو اپنے پیغامِ عید میں یوں بیان کیا ہے:

> Its physical value also cannot be underrated: for the rest given to the digestive organs of the body for the whole month only gives them additional health and strength, like the fallow ground by which rest becomes more productive. It is a scientific fact that all organs of the body are so made that the rest only increases their capacity for work, and the better the capacity of the digestive organs the more healthy is the physical growth of man.

عیدالفطر اور اجتماعی عبادت

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ایک سلجھے ہوئے سیاسی مفکر اور منطق پسند انسان ہونے کی

حیثیت سے عیدالفطر کے بارے میں کچھ کہنے سے قبل اس کے اصلی پس منظر کا تذکرہ کیا ہے تاکہ ہمیں اس کے ارتقا سے آگاہی ہوجائے۔ یہ منطقی ربط ان کی شخصیت کا ایک ایسا نمایاں پہلو تھا جس کی صلابت اور عظمت کے قائل ان کے سیاسی مخالفین بھی تھے۔ جس طرح نماز، زکوٰۃ، حج اور روزے اپنے اندر اجتماعیت کی شان لئے ہوئے ہیں اسی طرح عیدالفطر بھی اجتماعی عبادت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نام ہی اجتماعی طرزِ زندگی کا ہے۔ جس طرح روزمرہ کی نمازِ پنجگانہ کا مقصد مسلمانوں کے اتحاد، اخوت اور مساوات کا عملی اور زندہ ثبوت بہم پہنچانا ہے۔ اسی طرح عیدالفطر ہمارے عظیم تر ملّی اتحاد اور اخوت و مساوات کی آئینہ دار ہونی چاہیئے۔ شاعرِ مشرق اور ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ نے نماز کی اس اخوت ساز حقیقت پر یوں روشنی ڈالی ہے: ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

روزمرہ اور جمعہ کی نمازوں کے اجتماعات چھوٹے ہوتے ہیں مگر عید کا اجتماع سب سے بڑا ہوا کرتا ہے۔ نمازوں کے ذریعے جو باہمی ربط پیدا ہوتا ہے وہ سماجی تعلقات کی وسعت، گہرائی اور پختگی کا عکاس ہونا چاہیئے۔ محض صفوں کی ظاہری درستی سے تو دلوں کی کجی دُور نہیں ہوسکتی۔ اسلام کے نظامِ صلوٰۃ کا اصلی مقصد خدا کی عبادت کے علاوہ مسلمانوں کی باہمی محبت، اتحاد، یگانگت اور موانست کے دائمی جذبات کو مستحکم کرنا تھا تاکہ وہ ایک مثالی اور پُرامن معاشرت کو پروان چڑھا سکیں۔ آج اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہماری نمازیں اور مسجدیں صحیح اسلامی اخوت و اتحاد کو فروغ دیں وگرنہ ہمیں بقولِ اقبالؒ یہ کہنا پڑے گا ؎

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے — مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

برصغیر پاک و ہند کے اس عظیم سیاسی قائد کو اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور اخوت پرور اتحاد سے اتنا پیار تھا کہ وہ ان کے اندر اسلامی تعلیمات کی روح بیدار کرنے کے کسی اہم موقع اور تہوار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ 1940ء میں قراردادِ پاکستان منظور کی گئی اور اگلے سال ہی انھوں نے عیدالفطر کے شاندار اجتماعات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا یہ فکرانگیز اور

ایمان افروز پیغام دینا اپنا اسلامی، ملّی اور اخلاقی فریضہ تصور کیا۔ وہ عیدالفطر اور اجتماعی عبادت کے پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ فرماتے ہیں:

> Nor can its social value be underrated. Islam lays great emphasis on the social side of things. Every day the rich and the poor, the great and the small, living in a locality, are brought five times in a day in the mosque in terms of perfect equality of mankind and thereby the foundation of a healthy social relationship is laid and established throught prayer. Then at the end of Ramazan comes the new moon, the crescent, as a signal for a mass gathering on the Id day, again in perfect equality of brotherhood, which affects the entire Muslim world.

یورپ میں رہنے والے سب مسلمانوں کے لئے بھی یہ پیغام خاص اہمیّت رکھتا ہے کیونکہ اسلامی بھائی چارہ کی بنیاد رنگ و نسل، زبان، جغرافیائی حدود اور قومیت کے تنگ نظریات پر نہیں۔ اسلام پہلے مسلمانوں میں اخوت کا وسیع تصور راسخ کر کے انھیں ساری انسانیت کی وحدت و محبت کا پیامبر بنانا چاہتا ہے کیونکہ اس کی تعلیمات کسی خاص گروہ انسانی اور علاقے تک محدود نہیں ہیں۔ برطانیہ میں بھی ہماری مساجد اور ہماری مسجد کمیٹیوں کے ارکان کو صحیح اسلامی وحدت و اخوت کے فروغ کا ذریعہ بننا ہوگا۔ وگرنہ ظاہری عبادات بے روح اور غیر مؤثر ہو کر رہ جائیں گی اور ہماری نسل فکری ژولیدگی کا شکار ہو کر ہم سے دُور ہو جائے گی۔

عیدالفطر اور اجتماعی مسرت

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنے مذکورہ بالا پیغامِ عید میں عیدالفطر کے لغوی معانی کی روشنی میں اجتماعی مسرتوں کے اظہار کی طرف توجہ دلائی ہے۔ 'عید' کا لفظ عود سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے لوٹ کر آنا۔ چونکہ عید کا تہوار ہر سال رمضان المبارک کے اختتام پر بار بار آتا ہے اس لئے اسے 'عید' کہتے ہیں۔ عرفِ عام میں اس سے مراد وہ خوشی ہے جو ہر سال عود کرتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عید کی تقریبِ سعید ہماری اجتماعی مسرتوں اور ملّی شادمانیوں کی آئینہ دار ہے۔ اسلامیانِ ہند کے اس عظیم محسن نے انھیں انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے

نجات دلانے کے لئے جو قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ 1940ء اور قیامِ پاکستان کے درمیان کے سال مسلمانانِ ہند کی سیاسی جدوجہد کی حیرت انگیز داستان کے ترجمان ہیں۔ ایک طرف پاکستان کے مخالفین نے اپنی معاندانہ اور تخریبی سرگرمیاں تیز کر دیں اور دوسری طرف بانیٔ پاکستان نے بھی اپنی جدوجہد کی رفتار بڑھا دی تھی۔ اس لئے وہ اپنے پیغامِ عید میں اس کی قومی اہمیّت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ وہ عید کے لغوی معانی پر روشنی ڈالنے کے علاوہ اس کی اجتماعی اور ملّی افادیت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> You have gone through the rgime and the discipline of Ramazan for one whole month, and now comes the Id-Fitr, which means recurring happiness. It is a day of happiness which follows the performance of duty in order to inculcate in you and to show you that true happiness lies in the successful performance of duty.
>
> But while we are engaged in our own struggle for freedom, let us not forget our brethren who, in other parts of the world, are doing likewise. Let us pray for their success.

ابھی بیان کیا گیا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی نظریاتی اساس جغرافیائی، لسانی، لونی اور نسلی حدود سے بے نیاز ہے۔ کلمۂ طیبہ توحید اور رسالت کے دو اہم اجزاء کا مجموعہ ہے اس لئے ہر کلمہ گو مسلمان خواہ وہ کسی ملک، قوم، نسل اور رنگ سے تعلق رکھتا ہو وہ اسلام کی عالمگیر ملّت کا فرد ہے۔ مغربی تصورِ قومیت کی طرح اسلامی قومیت انسانوں کے خودساختہ، محدود، عارضی اور نزاع پرور تصورات کی حامی نہیں۔

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت گئی
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

اِس نقطۂ نگاہ سے عید کی اجتماعی مسرت بھی ایک گروہ اور ایک مسلم ملک تک محدود نہیں

ہوسکتی۔ اگر دنیا کے کسی خطے میں رہنے والے مسلمان غیروں کے محکوم اور ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہوں تو دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی عید کی خوشیاں نامکمل خیال کی جائیں گی۔ ایک بھائی غیروں کے مظالم سہہ رہا ہو اور دوسرا عیش وطرب میں مبتلا ہو' یہ اسلامی اخوت کے منافی ہے۔ آج کشمیر' فلسطین' بوسنیا' بھارت اور دنیا کے دیگر علاقوں میں کلمہ گو مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے اس لئے جب تک وہ بھی اجتماعی مسرتوں میں شریک نہ ہوں ہماری عید کی خوشی ادھوری رہے گی۔ عیدالفطر اور فطرانہ کی ادائیگی کے حکم کی روح یہی ہے کہ غریب اور پس ماندہ مسلمانوں کو بھی اس کی خوشیوں میں شریک کیا جائے۔ قائداعظمؒ نے اپنے مرقومہ بالا الفاظ میں اس بات کی طرف بڑا بلیغ اشارہ کیا ہے کہ عیدالفطر کی خوشی کے موقع پر ہمیں اپنے ان مفلوک الحال' مظلوم' پس ماندہ اور محکوم مسلمانوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے جو اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کررہے ہیں۔ اسلام تو بندۂ مومن کو برتری اور غلبہ کا درس دیتا ہے اس لئے غیر کی غلامی اور مسلمان دو متضاد چیزیں ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم ومغفور نے بجا ہی کہا تھا:

شکوہِ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن — قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں
عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں — عیدِ محکوماں' ہجومِ مومنیں

□□□

قائداعظمؒ اور پاکستان کی نظریاتی اساس

قائداعظمؒ محمد علی جناحؒ نے جب کانگرس کے تعصب خیز اور مسلم کُش طریقِ عمل سے بے زار ہوکر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی تو اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی گئی اور اس طرح مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی اکثریت کے جذبات وافکار کی علمبردار بن گئی۔ انھوں نے دیگر مسلم زعماء اور ہمدردانِ ملّت کی مانند انڈیا کے محکوم' پس ماندہ' مجبور ومقہور اور منتشر مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے اپنی زندگی وقف کرکے ان کے لئے ایک الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کیا جہاں وہ اپنی دینی اور ثقافتی اقدار کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کرسکیں۔ ان سے پہلے اسلامیانِ ہند کو انگریزوں اور ہندوؤں کے مظالم اور استحصالی ہتھکنڈوں سے بچانے کے لئے سرسید احمد خاں' اکبرالٰہ آبادی' مولانا شبلی نعمانی اور علامہ اقبالؒ وغیرہ اپنے اپنے اندازِ فکر کے مطابق سعیٔ بلیغ کرتے رہے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے اندر آزادی کی روح پھونکی۔ انھیں مغرب کی مرعوبیت سے بچنے کی تلقین کی اور ان کو اسلامی نظریۂ زندگی کے حقائق ومعارف سے روشناس کرایا تاکہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی خودی کو مستحکم بنا کر دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرسکیں۔ اس طرح انھوں نے اپنی ولولہ انگیز شاعری کے ذریعے مسلمانوں کے مردہ دلوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑادی اور ان کے ذہنوں میں اسلامی افکار ونظریات کے ایسے صالح اور جاندار بیج بوئے جو بعدازاں بارآور ہوگئے۔ انھوں نے اپنی قوم کو جو تعمیری فکر عطا کی' قائداعظمؒ نے اسے اپنی عدیم النظیر اور جرأت آفریں قیادت کی بدولت عملی شکل دی اور دورِ حاضر کی ایک نظریاتی مسلم مملکت مرضِ وجود میں آگئی۔

مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ اور بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کے ذہنوں میں اس خودمختار مسلم مملکت کی حقیقی اساس کا عقیدہ پختہ اور بالکل واضح تھا۔ وہ دینِ اسلام کے جامع اور ہمہ گیر

نظریئے کی بنیاد پر اسے تعمیر کرنے کے خواہاں تھے تا کہ اسلامیانِ ہند اس اساسی تصور کی روشنی میں اپنی معاشرت، معیشت، تعلیم، تہذیب اور سیاست کو متشکل کر دیں۔ افسوس ہے کہ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد اس تصور کو دھندلا دیا گیا اور پاکستان کی اس حقیقی بنیاد کے بارے میں عوام الناس کے اذہان وقلوب میں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے گئے۔ اس انتشارِ فکر ونظر کو پھیلانے کے مختلف محرکات ہیں۔ اس پریشاں نظری کو عام کرنے میں غیروں کے سوا کچھ اپنے بھی خود غرض اور نادان لوگ شامل ہیں۔ قیامِ پاکستان کے خوابِ حسین کی اتنی متضاد اور مبہم تعبیریں پیش کی جارہی ہیں کہ ناطقہ سر بگریباں ہے اور خامہ انگشت بدنداں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ع شُد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا۔

جس طرح چند اندھوں نے ہاتھی کے جسم کے مختلف حصوں کو چھو کر اپنے اپنے قیاس کے مطابق اس کی نوعیت بتائی تھی اسی طرح آج بعض کور باطن اپنی نادانی کی وجہ سے تشکیلِ پاکستان کے نظریئے کی جزوی تعبیریں پیش کر کے عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ حقیقت بین اور محبِ وطن اہل فکر ودانش کی یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ دیانت داری اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے عوام کو قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے صحیح افکار کی روشنی میں پاکستان کی اصلی اساس سے روشناس کرائیں۔ اگر یہ نظریاتی اساس ہی لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہی تو وہ کیسے پاکستان کے ان دو محسنوں کی فکری میراث کی حفاظت کر سکیں گے؟ پاکستان کسی خاص گروہ کے مفادات کے تحفظ کے لئے نہیں بنایا گیا تھا بلکہ یہ سب کے جائز حقوق کی نگہداشت، فلاح و بہبود اور فروغِ اسلام کے لئے معرضِ وجود میں لایا گیا تھا۔ وقت کی قلت اور صفحات کی تنگ دامانی کے باعث اس مختصر مضمون میں پاکستان کی حقیقی اساس کے بارے میں بہت کچھ نہیں لکھا جا سکتا تاہم اس تصور کے مختلف نمایاں ترین پہلوؤں کو یہاں بیان کیا جاتا ہے تا کہ اس کے چند اہم خدوخال کسی قدر واضح ہو جائیں۔ اس امر سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے مفکرِ پاکستان علامہ اقبالؒ کے افکار ونظریات کی روشنی میں عملی اقدامات کئے تھے۔ قائداعظمؒ نے خود اپنے بیانات میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں انھیں علامہ مرحوم کا تعاون اور فکری راہنمائی ملی۔ اس لئے ان دونوں بزرگانِ ملت کے افکار ہی کو پاکستان کی حقیقی اساس سمجھنا چاہیئے۔ آیئے اب ہم اساسِ پاکستان کے ضمن میں درج ذیل امور کا جائزہ لیں۔

۱-قراردادِ پاکستان

قراردادِ لاہور، یعنی قراردادِ پاکستان میں محمد علی جناحؒ نے دو قومی نظریئے کی بنیاد پر مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ قوم قرار دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ اس مسلم قومیت کی بنیاد اسلام کے سوا اور کیا تھی؟ معیشت، معاشرت، زبان، رسم ورواج اور مشترک خطۂ زمین کو تو مسلم قومیت کی اساس نہیں بنایا گیا تھا حالانکہ مسلمان اور ہندو صدیوں سے اکٹھے رہ رہے تھے۔ جب مسلم قومیت قراردادِ پاکستان کا مرکزی خیال ٹھہری تو پھر پاکستان کی اساس اسلام ہی تو ہے۔ مسلم قومیت کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے بانیٔ پاکستان نے اس قرارداد میں یہ کہا تھا:

> ''اس بات کو ہمیشہ ہی سے فرض کر لیا گیا ہے کہ مسلمان اقلیت ہیں..... مسلمان اقلیت کے حامل نہیں۔ قومیت کی ہر تعریف کی رُو سے مسلمان ایک قوم ہیں..... ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندو مذہب کی اصلی نوعیت کا ادراک کرنے میں ناکام کیوں رہتے ہیں۔ وہ اپنے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے مذہب نہیں بلکہ فی الحقیقت دو مختلف اور واضح سماجی نظام ہیں۔ یہ ایک خواب ہے کہ مسلمان کبھی بھی مشترکہ قومیت کو پروان چڑھا سکتے ہیں''۔

اسلامیانِ ہند کو اسلام پر مبنی جداگانہ قوم تسلیم کراتے ہوئے وہ ان کے لئے ایک الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کرتے ہوئے اسی قرارداد میں مزید کہتے ہیں:

> ''یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہم اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں ایک قوم کے پاس اپنا خطہ ہونا چاہیئے''۔

علامہ اقبالؒ بھی مسلم قومیت کی بنیاد اسلام قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت گئی
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

گویا انھوں نے منطقی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ ملت اور قوم کا تشخص جمعیت سے وابستہ ہے اور جمعیت کا دارومدار دینِ اسلام پر ہے اس لئے مسلم قوم اسلام پر مبنی ہے۔ بانیٔ پاکستان

نے بھی یہ ثابت کیا کہ پاکستان کی بنیاد قراردادِ پاکستان اور قراردادِ پاکستان کی اساس مسلم قومیت اور مسلم قومیت کی جان دینِ اسلام ہے۔ اس کا منطقی اور لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کے قیام کی اساس دینِ اسلام ہے۔ لفظ ''پاکستان'' کے خالق' برطانیہ میں تحریکِ پاکستان کے بانی اور اسلامی نظریۂ قومیت کے ایک اور مشہور علمبردار چودھری رحمت علیؒ نے بھی اپنے ایک اہم اور تاریخی پمفلٹ 'اب یا کبھی نہیں' (Now or Never) میں 1933ء کے آغاز میں یہ لکھا تھا:

> ''ہم اپنے مخصوص مذہب' کلچر' تاریخ' روایات' اقتصادی نظام' وراثت' جانشینی اور شادی بیاہ کے قوانین کی رُو سے انڈیا کے باقی حصّے میں مقیم لوگوں سے بنیادی طور پر مختلف ہیں۔ یہ اختلافات وسیع البنیاد اصولوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ان کا دائرۂ اثر ہماری زندگیوں کی چھوٹی چھوٹی تفاصیل تک پھیلا ہوا ہے''۔

علامہ اقبالؒ اپنی کتاب ''تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ'' (The Reconstruction of Religions Thought in Islam) کے چھٹے لیکچر میں رقم طراز ہیں:

> The essence of `Tauhid' as a working idea is equality, solidarity, and freedom. The State, from the Islamic standpoint, is an endeavour to transform these ideal principles into space-time forces, an aspiration to realize them in a definite human organization.

اب یہ امر واضح ہو گیا کہ علامہ اقبالؒ اسلامی مملکت کو توحید کے تصور پر مبنی مساوات' اخوت' حریت اور عدل و انصاف کے انسانیت ساز اور تعمیری اصولوں کا عملی اور خارجی پیکر بنانے کے علمبردار تھے۔ قائداعظمؒ کا بھی یہی نظریہ تھا۔

۲- اسلامی نظریۂ حیات کی جامعیت

جن حضرات نے تحریکِ پاکستان کے پُرجوش مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں وہ صدقِ دل سے اس حقیقت کی گواہی دیں گے کہ قیامِ پاکستان سے قبل برصغیر پاک و ہند کے مختلف شہروں میں مسلم عوام الناس کا نعرہ یہ ہوا کرتا تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا--- لا الٰہ الا اللہ!'' گویا ہم نے خدائے بزرگ و برتر سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم پاکستان میں اسلامی نظام قائم کر کے اسے اسلامی تعلیمات کے مطابق چلائیں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمارے ان بھائیوں'

بہنوں اور بچوں نے بھی قربانیاں دیں جو بخوبی جانتے تھے کہ وہ پاکستان میں جا سکیں گے۔ انھوں نے یہ قربانیاں محض جذبۂ ایمانی کے تحت ہی تو دی تھیں۔ انھیں تو کسی معاشی یا سیاسی فائدے کی امید نہیں تھی۔ کیا اس جذبۂ محرکہ نے مسلمانوں کے اندر بے مثال فکری اور عملی وحدت پیدا کر کے انھیں بنیانِ مرصوص نہیں بنا دیا تھا؟

بعض حضرات کہتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کی اصل وجہ مسلمانانِ ہند کی غربت کو دُور کرنا تھی۔ دوسرا مکتبِ فکر یہ کہتا ہے کہ اصل سبب یہ تھا کہ مسلمان ہندوؤں اور انگریزوں کی سیاسی غلامی سے نجات پانے کے خواہاں تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مقاصد بھی تھے مگر یہ سب مقاصد اسلامی نظریۂ زندگی کے ماتحت تھے۔ اقتصادی اور سیاسی آزادی کو جب اسلامی تناظر سے الگ ہو کر دیکھا جاتا ہے تو وہاں سے اختلافِ رائے پیدا ہوتا ہے۔ اس غلط فہمی کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ بعض اہلِ دانش اسلام کو بھی باقی مذاہب کی طرح مذہب خیال کرتے ہوئے اسے خدا اور بندے کے درمیان ایک پرائیویٹ معاملہ قرار دیتے ہیں۔ اس سیکولر اندازِ فکر نے سیاست اور مذہب کو دو الگ الگ نظام تصور کر کے بہت سی الجھنوں کو جنم دیا ہے۔ اسلام زندگی کا ایک ایسا مکمل اور جامع دستورالعمل ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام اہم شعبہ جات--- سیاست' معیشت' معاشرت' اخلاقیات' تہذیب و تمدن اور تعلیم وغیرہ شامل ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے دینِ اسلام کُل کی حیثیت رکھتا ہے اور باقی امور اس کُل کے اجزاء ہیں۔ جزو کو اپنے کُل سے گہرا تعلّق تو ہے مگر وہ کُل کو محیط نہیں۔ یہی وجہ ہے ہم قیامِ پاکستان کی حقیقی بنیاد اسلام خیال کرتے ہیں اور اقتصادی' سیاسی' تمدنی و معاشرتی' تعلیمی اور اخلاقی پہلوؤں کو اس پر قائم قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔ اسلام باقی مذاہب کی طرح دنیا و دین کی مغائرت' مذہب و سیاست کی ثنویت (Dualism) سائنس و وحی کی دوئی اور معاشیات و اخلاقیات کی جدائی کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے ہماری تمام سرگرمیوں کا منبع اور ہمارے اقوال و افعال کا اصلی سرچشمہ اسلام ہی ہونا چاہیئے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہمارے تمام اعمال اسی فکرِ صالح سے پھوٹتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کی درجِ ذیل آیات ملاحظہ ہوں جن میں اس موضوع کے اہم نکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اسلام کی جامعیت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُدخلُو فِی السِّلْمِ کَافَّۃً (تم مکمل طور پر اسلام کے دائرے میں داخل ہو جاؤ)۔ ایک اور آیت میں بتایا گیا ہے کہ دین اسلام مکمل دین ہے: الیوم اکملتُ لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیتُ لکم الاسلام دینًا ''(اے نبی!) آج کے دن میں

نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لئے دین اسلام کو پسند کیا''۔

جب اسلام کو ایک مکمل اور جامع نظامِ زندگی تسلیم کر لیا تو پھر کیا اقتصادیات' سیاسیات' عمرانیات' تہذیب و ثقافت اور تعلیم وغیرہ کو اس سے الگ کر کے دیکھنا کج فہمی' کم نظری' جہالت' تعصب اور جذبۂ ایمان کی کمی کی دلیل نہیں؟ ہمارا یہ پختہ یقین ہے کہ اسلام کسی قسم کے استحصال' ظلم و جور' ناانصافی' انسانی غلامی اور بے لگام آزادی کا حامی نہیں۔ وہ کیسے انگریزوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کی تذلیل' غربت' مظالم اور محکومیت کو روا رکھ سکتا تھا؟ قیامِ پاکستان کے اوّلین مقاصد میں اسلامیانِ ہند کی معاشی خوشحالی' پُر امن معاشرت' اسلامی ثقافت کا تحفظ' سیاسی آزادی اور ایک خودمختار اسلامی مملکت کی تشکیل کے معاملات شامل تھے۔ کوئی باشعور انسان اس حقیقت سے اغماض نہیں کر سکتا کہ ایک خودمختار اسلامی فلاحی مملکت کو بنائے بغیر اقتصادی خوشحالی' سیاسی آزادی' ثقافتی احیا و تحفظ اور معاشرتی امن و ترقی کے مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے تھے۔ اس لحاظ سے اسلام کا ہمہ گیر نظریہ ہی اس مملکت کی اساس بن سکتا تھا اور کوئی نامکمل اور یک طرفہ فکری نظام ان تمام مقاصد کو پورا نہیں کر سکتا تھا۔ اس ضمن میں قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کی فکری ہم آہنگی اور ذہنی مطابقت پر مبنی مندرجہ ذیل چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو یہاں دیگر متعلقہ نکات کو بھی زیرِ بحث لایا جاتا۔ قائداعظمؒ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱- ''یہ آزادی نہ صرف طاقتور اور غالب لوگوں کے لئے ہوگی بلکہ یہ کمزوروں اور مظلوموں کے لئے بھی ہوگی''۔ (مسلم یونیورسٹی یونین' علی گڑھ میں تقریر' 5 فروری 1938ء)

۲- ''ہم اس ملک میں آبرومندانہ زندگی گزارنے کے خواہش مند ہیں۔ ہم کبھی اس حکومت کو برداشت نہیں کریں گے جس میں ہمیں کمیں اور غلام بنایا جائے''۔ (پنجاب مسلم لیگ کانفرنس' لائل پور میں تقریر' 19 نومبر 1942ء)

۳- ''میں یہاں اُن زمینداروں اور سرمایہ داروں کو یہ تنبیہہ کرنا چاہوں گا جنھوں نے ایک مذموم اور غلط نظام کے سہارے ہمیں نقصان پہنچا کر خود فروغ حاصل کیا ہے..... لوگوں کا استحصال ان کے خون میں رچ بس گیا ہے۔ انھوں نے اسلام کے اسباق کو فراموش کر دیا ہے''۔ (آل انڈیا مسلم لیگ' دہلی میں صدارتی خطاب' 24 اپریل 1943ء)

۴- ''ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ ہندو راج کا خواب ترک کر دیں اور انڈیا کو ہندو ملک اور مسلم ملک میں تقسیم کرنے پر رضامند ہو جائیں۔ پاکستان آج ہمارا نصب العین ہے جس کی خاطر مسلمانانِ ہند زندہ رہیں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو وہ اس کے لئے مریں گے''۔ (مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس' نئی دہلی میں تقریر' نومبر 1940ء)

۵- ''ہماری ہدایت اور باطنی روشنی کے لئے ہمارے پاس قرآن کا عظیم ترین پیغام موجود ہے''۔ (مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن' شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے نام پیغام' 4 اپریل 1943ء)

۶- Islam is not only a set of rituals, traditions and spiritual doctrines. "Islam is also a code for every Muslim which regulates his life and his conduct in even politics and economics and the like".

(بار ایسوسی ایشن کراچی میں تقریر' جنوری 1948ء)

اب علامہ اقبالؒ کے ایک اہم خط مورخہ 28 مئی 1937ء کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں وہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کو لکھتے ہیں:

> The enforcement and development of the Shariat of Islam is impossible in this country without a free Muslim state or states. This has been my honest conviction for many years and I stille believe this to be the only way to solve the problem of bread for Muslims as well as to secure a peaceful India.

کیا ان الفاظ سے یہ حقیقت پوری طرح منکشف نہیں ہو جاتی کہ علامہ اقبالؒ آزاد اسلامی مملکت کے قیام کے کس قدر آرزومند تھے؟ کیا وہ اس آزاد مملکت کو اسلامی خطوط پر متشکل کرنے کا قائداعظمؒ کو مشورہ نہیں دیتے تھے؟ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ پاکستان کے قیام کی اسلامی بنیاد پر ہم آہنگ اور متفق تھے جیسا کہ قائداعظمؒ نے قراردادِ لاہور کی منظوری کے بعد کہا تھا۔ ان کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔ انھوں نے فرمایا تھا:

> "Iqbal is no more amongst us. But had he been alive he would have been happy to know that we did exactly what he wanted us to do".

انھوں نے ''خطوطِ اقبالؒ بنام جناحؒ'' کے پیش لفظ میں بھی علامہ اقبالؒ کے ساتھ اپنی اس نظریاتی موافقت اور فکری یگانگت کا اعتراف کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ دونوں پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے قائل تھے۔

پاکستان کے استحکام و بقا کے لئے تمام محبِ وطن، انسان دوست اور اسلامی نظریۂ حیات کے حامل افراد، اہلِ دانش وفکر اور سیاستدانوں کا یہ اوّلین اخلاقی اور ملّی فریضہ ہے کہ وہ پاکستان کی نظریاتی اساس اور فکری سرحدوں کی حفاظت کریں۔ یہی نظریہ ہماری اسلامی اور قومی شناخت کا ذریعہ اور ہماری فلاح و کامرانی کا زینہ ہے۔ جب کوئی نظریۂ حیات کمزور ہو جاتا ہے یا عوام الناس نظریاتی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں تو ان کی قومی زندگی رُو بہ زوال ہو جایا کرتی ہے۔ ہمارے تمام اعمال ہمارے نظریات اور افکار کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ افکار کی درستگی اور پاکیزگی کے بغیر صالح اور درست افعال ناممکن ہوا کرتے ہیں۔ تعمیرِ فکر سے پہلے فکر کی پاکیزگی لازم ہے جیسا کہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

؎ پس نخستیں بایدت تطہیرِ فکر
بعدازاں آساں شود تعمیرِ فکر

□□□

حمیدی

قائداعظمؒ --- ایک پُرعزم شخصیت

محمد علی جناح علیہ الرحمۃ بلاشبہ مسلمانانِ پاکستان کے عظیم ترین سیاسی راہنما، مملکتِ خداداد پاکستان کے بانی اور مسلم عوام کے صحیح بہی خواہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے انھیں بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے غیر مسلم مداحین بھی ان کے مثالی کردار اور قابلِ ستائش اصولوں کے معترف تھے۔ ان کے کردار کی ایک نمایاں ترین خوبی ان کا عزمِ راسخ بھی تھا۔ وہ جب کسی بات کی صداقت و اہمیّت کے قائل ہو جاتے تو پھر وہ اس پر سختی کے ساتھ ڈٹ جانے کے عادی تھے۔ اپنے کسی مؤقف اور نظریئے پر پوری طرح ڈٹ جانا عزم کہلاتا ہے۔ صحیح اور قابلِ قدر عزم وہ ہے جو کسی صحیح مؤقف اور تصور پر مبنی ہو۔ چونکہ ہمارے اعمال و اقوال ہمارے کسی عزم اور نظریئے کے مطابق ہی ظہور پذیر ہوا کرتے ہیں اس لئے عزم کی نوعیت پر ہی ان کی بنیاد ہوتی ہے۔ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ انفرادی عزم پر قومی اور انسانی عزائم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے کسی ذاتی مقصد کے حصول کے لئے اپنے نظریئے پر سختی سے جم جانا مفید اور نتیجہ خیز ہوتا ہے مگر اس کی افادیت محدود نوعیت کی آئینہ دار ہوا کرتی ہے۔ اس کے برعکس قومی اور انسانی اہمیّت کے حامل عزائم، ارادے اور مقاصدِ جلیلہ زیادہ تعریف و توصیف کے مستحق ہوتے ہیں کیونکہ ان کا دائرۂ اثر زیادہ وسیع بن جاتا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے دوسروں کی فلاح و بہبود پر مبنی جذبات و اعمال کی قدر و قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔ القصہ کمزور ارادہ رکھنے والے شخص کی ذات کمزوری کی مظہر ہوتی ہے اور مضبوط قوتِ ارادی کے مالک کی شخصیت میں پہاڑوں جیسی صلابت کا عکس نظر آتا ہے۔ قائداعظمؒ کی شخصیت میں یہ صفتِ صلابت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ آیئے ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ ان کی ذات میں ہمیں اس صفت کی نمود کہاں کہاں نظر آتی ہے۔

قائداعظمؒ جب مزید تعلیم کے حصول کے لئے انگلستان گئے اس وقت انھوں نے تہیہ کیا

کہ وہ وہاں سے اپنے تعلیمی مقصد میں کامیاب ہوکر واپس لوٹیں گے۔ دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ اس پُرعزم نوجوان نے اس مقصد کو پاکر ہی دم لیا۔ بعدازاں جب انھوں نے انڈیا میں اپنی وکالت کا آغاز کیا تو اُس وقت بھی ان کے دماغ میں ایک کامیاب وکیل بننے کی آتشیں آرزو ہی موجود تھی۔ ان کی وہ کامیاب اور حیرت انگیز وکالت بعد میں ان کی سیاسی کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ قائداعظمؒ نے اپنی سیاسی زندگی کی ابتدا کانگرس میں شامل ہوکر کی اور بڑے خلوص کے ساتھ متحدہ انڈیا کی آزادی کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انگریزوں کی حکومت سے نجات پانے کے لئے یہ بات اشد ضروری تھی کہ ہندو، مسلمان اور دیگر لوگ باہمی اتحاد میں منسلک ہوں۔ چنانچہ انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی یگانگت پیدا کرنے کے لئے ان تھک کوشش کی جس کی بنا پر انھیں ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' کہا گیا۔

اس حقیقت سے ہر صاحبِ علم آگاہ ہے کہ کانگرس ظاہر میں تو ایک قومی تنظیم تھی مگر درپردہ وہ ایک ایسی منظّم ہندو تنظیم تھی جو انگریزوں کے جانے کے بعد انڈیا میں ہندو راج قائم کرنے کے خواب دیکھا کرتی تھی۔ اس لئے کانگرس شروع ہی سے مسلمانوں کے خلاف ایک معاندانہ سیاسی جماعت تھی جس کا سب سے بڑا نصب العین انڈین مسلمانوں کے حقوق کو غصب کرنا اور ان کے جائز مطالبات کو بھی نظرانداز کرنا تھا۔ جب قائداعظمؒ نے ہندوؤں کی مسلم کُش پالیسیوں، تعصب آمیز نظریات اور خودغرضانہ کارروائیوں کا عمیق مشاہدہ کیا تو انھوں نے اسے خیرباد کہا اور آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی تاکہ وہ اسلامیانِ ہند کے مفادات کا تحفظ کرسکیں۔ کانگریس پارٹی کے کرتا دھرتا لیڈروں کی تحریکِ آزادی کا پہلا مرحلہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانا اور حصولِ آزادی کے بعد ہندو راج کو قائم کرنا تھا۔ قائداعظمؒ کا مؤقف یہ تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے سے قبل اسلامیانِ ہند کے جداگانہ تشخص اور ان کے بنیادی سیاسی و ثقافتی مطالبات کو تسلیم کیا جائے۔ کانگرسی لیڈروں کی رائے یہ تھی کہ پہلے انگریزوں سے آزادی حاصل کی جائے اور بعد میں مسلمانوں کے مطالبات پر غور کیا جائے چونکہ اُن کی نیت درست نہیں تھی اس لئے وہ مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کے اہم مسائل کو کھٹائی میں ڈالتے رہے۔ ایسے نازک حالات میں قائداعظمؒ کی مومنانہ فراست نے ایک خودمختار اسلامی مملکت کے حصول کے لئے انھیں ابھارا اور وہ اپنے اس عزمِ راسخ پر بڑی بہادری اور استقلال کے ساتھ ڈٹ گئے۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنے متعدّد بیانات، تقاریر اور انٹرویوز میں اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ کسی صورت میں بھی قیامِ پاکستان کے نظریئے کو نہیں چھوڑیں گے اور وہ برصغیر پاک و ہند

میں ایک خودمختار اسلامی مملکت بنا کر ہی دم لیں گے۔ ان کے درج ذیل الفاظ ان کے اس پختہ ارادے کے عکاس ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

۱۔ ''ہم یا تو پاکستان حاصل کرکے رہیں گے یا ہم موت سے ہم کنار ہوجائیں گے''۔ (اکتوبر 1942ء)

۲۔ ''مسلم لیگ آزادی کو حاصل کرنے کا پکا ارادہ کئے ہوئے ہے۔ یہ آزادی صرف طاقتور اور غالب لوگوں کے لئے نہیں ہوگی بلکہ یہ کمزوروں اور مظلوموں کے لئے بھی ہوگی''۔ (5 فروری 1938ء)

کانگرس متحدہ قومیت اور متحدہ انڈین آئین کی زبردست حامی ہونے کی وجہ سے مسلمانانِ ہند کے جداگانہ سیاسی وجود اور اسلامی شناخت و آئین کے اصول کو کسی طرح بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس کے برعکس مسلم لیگ دوقومی نظریئے کی بنیاد پر ایک الگ مسلم مملکت کے قیام کی علمبردار بن گئی تھی۔ یہ سیاسی کشمکش دو مختلف نظریاتِ حیات کی آئینہ دار تھی کیونکہ یہ درحقیقت کفر و اسلام کی چپقلش کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھی۔ اسلام اپنے نظامِ حیات کے نفاذ اور غلبہ کے لئے الگ خطۂ زمین کا متقاضی تھا کیونکہ علم، حکمت، عبادات وغیرہ غلبۂ دین ہی کے لئے ہیں۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ یہ حکمتِ ملکوتی، یہ علمِ لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

علامہ اقبالؒ، چودھری رحمت علیؒ اور قائداعظمؒ اور دیگر مسلم زعماء کا نظریہ یہ تھا کہ متحدہ انڈیا میں مسلمان آزادانہ طور پر اپنی تہذیبی، ثقافتی، تمدنی اور اسلامی روایات کے مطابق اپنی زندگی بسر نہیں کرسکتے اس لئے وہ مسلم تصورِ قومیت کے پیشِ نظر الگ خطۂ زمین کے حامی تھے۔ اس کے برعکس ہندو قائدین برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے بعد انڈیا میں ہندو راج کے لئے کوشاں تھے۔

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے بار بار انگریزوں اور ہندوؤں پر واضح کردیا تھا کہ وہ کسی صورت میں بھی ہندو راج کے تحت زندگی گزارنا پسند نہیں کرتے۔ انھوں نے اینگلو عربک کالج، دہلی میں مرحوم مولانا شوکت علی کی تصویر کی نقاب کُشائی کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے اس عزم کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا:

"Britain wants to rule over India, Mahatma Gandhi wants to rule over Muslim India. We won't allow either of them to rule over us, combined or

separately".

کیا تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ اسلامیانِ ہند کے اس عظیم المرتبت اور بلند ہمت راہنما کے عزم واستقلال نے آخر کار انگریزوں اور ہندوؤں کی مسلم دشمن پالیسی پر ضربِ کاری لگا کر ایک نئی مملکت کی تشکیل کر دی تھی؟ ان کے نحیف ونزار جسم میں عزمِ راسخ کی ناقابلِ شکست طاقت موجود تھی۔ ان کا اصول یہ تھا کہ وہ ہر کام کرنے سے پہلے اس کے سارے پہلوؤں کا جائزہ لیتے تھے اور جب انھیں اس کی حقانیت کا پختہ یقین ہو جاتا تو پھر وہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنی تمام فکری اور عملی طاقتوں کو بروئے کار لاتے تھے۔ اُنھوں نے اکتوبر 1937ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں اپنے نظریۂ عزمِ راسخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"Think hundred times before you take any decision, but once a decision is taken, stand by it..... Be true and layol, and I feel confident that success is with you".

انھوں نے اس تاریخی اجلاس میں مسلمانوں کو عزمِ بلند کا جو زریں درس دیا تھا' وہ عہد ساز ثابت ہوا کیونکہ مسلمانوں نے ان کی شاندار اور بے مثال قیادت کے تحت عمل کرتے ہوئے پاکستان کا قیام ممکن بنایا اور یوں دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ تاریخِ عالم اس بات کی بار بار شہادت دیتی ہے کہ بلند ہمت' اولوالعزم' جفاکش' سعی وعمل کے پیکر ہی زمانے کے ناسازگار حالات کو سازگار بنا کر دم لیا کرتے ہیں۔ وہ زمانے کا مرکب بننے کی بجائے اس کا راکب بن کر تاریخ کا دھارا تبدیل کرتے ہیں۔ ایسے عظیم انسان ہی تاریخ رقم کیا کرتے ہیں۔ قائداعظمؒ ایسے ہی عظیم انسانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ایسی ہی عہد ساز شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی جفاکشی' بلند ہمتی' عزمِ راسخ اور عمل مدام کا ذکر درجِ ذیل اشعار میں یوں کیا ہے:

مردِ خود دارے کہ باشد پختہ کار — بامزاجِ خود بسازد روزگار
گر نسازد بامزاجِ اُو جہاں — می شود جنگ آزما بہ آسماں
می کند از قوتِ خود آشکار — روزگارِ نو کہ باشد سازگار

ایک خوددار اور پختہ کار انسان زمانے کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھالتا ہے۔
اگر زمانہ اس کی طبیعت کے مطابق نہ ہو تو پھر وہ آسمان سے جنگ کیا کرتا ہے۔

آخر کار وہ اپنی قوت سے نیا زمانہ پیدا کرتا ہے جو سازگار ثابت ہو۔
اگر یہ کہا جائے کہ قائداعظمؒ نے اپنی ذہانت وفطانت' جفاکشی' سعی پیہم' عملِ مسلسل' سیاسی بصیرت اور تائیدِ ربانی سے حالات کا دھارا بدل دیا تھا تو یہ غلط نہ ہوگا۔ آج ہمیں وہ بہت یاد آتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے تشکیلِ پاکستان کے جن اعلیٰ مقاصد کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر دیا تھا وہ ابھی تک تشنۂ تکمیل ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیں استحکامِ پاکستان کا درس دیتے رہے مگر صد افسوس کہ ان کے بعض ناخلف جانشینوں نے اس ورثے کی کماحقہ حفاظت نہ کی اور یوں بعد ازاں عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں آ گئے۔ آج ہمیں بے اختیار علامہ اقبالؒ کی ہمنوائی کرتے ہوئے ان جیسی عظیم' ہمدردِ قوم' بیدار مغز' بلند ہمت اور مجاہد شخصیت کی آمد کے بارے میں کہنا پڑے گا:

؎ اے سوادِ اشہب دوراں بیا!
اے فروغِ دیدۂ اِمکاں بیا!

□□□

□□□

قائداعظمؒ اور اپنے سیاست دان

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ اُن عظیم سیاستدانوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے سیاست کی دنیا میں قابلِ قدر خدمات اور کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ انھوں نے دورِ جدید کی سیاست خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے سیاسی حالات پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ وہ ان سیاستدانوں میں سے نہیں تھے جو علمِ سیاست کی ابجد سے ناواقف ہوکر میدانِ سیاست میں بے دھڑک کود پڑتے ہیں اور اپنے اناڑی پن کی وجہ سے خود بھی رُسوا ہوتے ہیں اور ملکی سیاست کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ نہ ہی وہ اُس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی برادری، زمینداری اور سرمایہ داری کی بنیاد پر سیاست کرنے کے شوقین اور زر و مال سمیٹنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ انھوں نے قومی خدمت، ملّی بہبود اور مسلمانانِ ہند کے زوال کو عروج میں تبدیل کرنے کے لئے بڑی سوچ بچار کے بعد قدم اٹھایا تھا۔ چونکہ وہ صاف ستھری سیاست کے اصولوں کے زبردست علمبردار تھے اس لئے وہ کسی مالی لالچ میں نہ آئے اور کبھی بھی اپنے ضمیر کا سودا نہ کیا۔ ان کے مخالفین بھی ان کی عظمت کردار اور سیاسی ذہانت و دیانت کے معترف تھے۔ وہ زندگی کے اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول کے لئے نہ صرف خود جدوجہد کرتے رہے بلکہ وہ دیگر سیاستدانوں میں بھی اخلاق کی بلندی دیکھنے کے متمنی تھے۔ اس مختصر مضمون میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ وہ اپنے دور کے مسلم سیاستدانوں خصوصاً اپنے ساتھی اہل سیاست میں کون سی صفات دیکھنے کے آرزومند تھے اور اس ضمن میں ان کے ارشادات کیا ہیں۔ پاکستان کے موجودہ پریشان کن حالات میں قائداعظمؒ کی سیاسی فکر کے اس پہلو کا تذکرہ بے حد اہم ہے تاکہ ہمارے اربابِ حل وعقد اور سیاستدانوں کے دلوں میں یہ احساس اُجاگر ہوجائے کہ وہ اپنے عظیم قائد اور محسنِ قوم کی میراث کی حفاظت کا ملّی فریضہ اب کس طرح سرانجام دے سکیں گے۔

انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ حضرتِ انسان نے مختلف ادوار میں اپنے اجتماعی معاملات کو صحیح

نہج پر چلانے کے لئے بہت غوروفکر سے کام لیا۔ جب انسانوں کو اپنی زندگی کے گوناگوں مراحل اور شعبہ جات میں ایک دوسرے سے واسطہ پڑا تو ان کی زندگیوں میں نکھار بھی آیا اور فساد بھی رونما ہوا۔ انھوں نے اپنے جھگڑے نپٹانے کے لئے کبھی فردِ واحد کو اپنا مطاع بنایا اور کبھی جماعت کو۔ پھر یہ مسئلہ بھی پیدا ہوا کہ فرد کو جماعت پر ترجیح دی جائے یا جماعت کو افراد پر حاوی بنایا جائے۔ انسانی فکر کی ناتجربہ کاری اور کج روی کو درست کرنے کے لئے خالقِ کائنات نے وقتاً فوقتاً اپنے نیک اور برگزیدہ بندوں کو خلق کی ہدایت اور اپنی اطاعت کے لئے بھیجا۔ ابلیس و آدم کی قدیم چپقلش نے یہاں بھی اپنا رنگ دکھایا اور سیاست بھی خیروشر کی جنگ کا اکھاڑہ بن گئی۔ یہ معرکۂ خیروشر ابھی تک دنیا کے سیاسی نظاموں کے درمیان جاری وساری ہے۔ ایک گروہ دین و سیاست کے امتزاج کی وکالت کرتا ہے اور دوسرا گروہ ان کی جدائی کا پرچار کرتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں بھی یہی رزم آرائی دکھائی دیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کافی عرصہ پہلے اس سیاسی نزاع کی طرف ہماری توجہ دلاتے ہوئے کہا تھا:۔

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی — خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خبیر و بصیر
مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لادیں — کنیز اہرمن و دوں نہاد و مُردہ ضمیر

قائداعظمؒ بھی علامہ اقبالؒ کی طرح سیاسیات و اخلاقیات کے امتزاج میں پختہ یقین رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں ان کا یہ نظریہ بھی تھا کہ اخلاقی نظامِ سیاست کو نافذ کرنے کے لئے جلال یعنی اقتدار کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی راہنما اور مصلح کے پاس قوتِ نافذہ نہ ہو تو وہ اپنے سیاسی افکار کو کس طرح مؤثر اور مفید خلائق بنا سکتا ہے؟ انھوں نے اکتوبر 1937ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں سیاست کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"Politics means power and not relying ony a cries of justice or fair play or good will. Look at the nations of the world, and look at what is happening every day".

زندہ، بہادر اور طاقتور قومیں ہی دنیا کی سیادت کا فرض ادا کرسکتی ہیں۔ کمزور قوم اپنے جائز مطالبات وحقوق کو منوانے اور اپنی مظلومیت کا احساس دلانے کے لئے فقط جلوس ہی نکال سکتی ہے یا احتجاج پر ہی اکتفا کرسکتی ہے۔ سیاست کی دنیا میں ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' والا اصول چلتا ہے۔ کیا کشمیر، فلسطین، انڈیا اور چیچنیا کے موجودہ حالات اس امر کی تصدیق نہیں کرتے کہ کمزور اور بے بس مسلمان بے یارومددگار ہیں؟ محض طاقت ہی کے زور سے وہ اپنی بات منوا سکیں گے۔ قائداعظمؒ نے بجا ہی تو کہا ہے کہ سیاست کا دوسرا نام طاقت ہے۔ ہماری کمزوری کی

وجہ ہی سے دوسری قومیں ہمیں آنکھیں دکھا رہی ہیں اور ہماری کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا تھا:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

برصغیر پاک و ہند کے عظیم ترین سیاسی مسلم رہنما یعنی محمد علی جناحؒ کی سیاسی زندگی اس حقیقت کی شاہد ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کی خدمت کے دوران کبھی اپنے عوام کا استحصال نہیں کیا تھا۔ انھوں نے اپنا تن من اور دھن اپنی مظلوم و مجبور قوم کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ خدمتِ خلق اور خدمتِ وطن کو سیاست کی جان تصور کرتے تھے۔ سب مخلص، ہمدرد اور نیک سیرت سیاسی راہنماؤں کا یہی وطیرہ ہونا چاہیئے۔

جب انھیں معلوم ہوا کہ بعض نام نہاد سیاسی لیڈر اور جھوٹے ہمدردانِ قوم اور خودغرض سیاستدان عوام کے استحصال کو اپنی سیاست کا محور و مرکز بنا رہے ہیں تو انھوں نے 1941ء میں بنگلور میں تقریر کرتے ہوئے عوام کو ایسے استحصال پسند لیڈروں سے ہوشیار رہنے کی یوں تلقین کی:

''ماضی میں مسلم قیادت کے نام پر بہت سے لیڈروں نے تمھیں بُری طرح لوٹا ہے۔ یاد رکھو کہ لوٹ کھوٹ کا یہ باب ابھی تک بند نہیں ہوا ہے۔ تمھارے لیڈروں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا ایک پاؤں ایک گروہ میں ہے اور ان کا دوسرا قدم دوسری جماعت میں ہے۔ اس لئے ایسے لیڈروں کے چناؤ میں تمھیں بہت محتاط ہونا پڑے گا''۔

کیا اپنے ملک میں بعض ایسے سیاسی لیڈر نہیں جو روپیہ کمانے ہی کے لئے سیاست کے میدان میں وارد ہوتے ہیں اور عوام کو ہر طرح لوٹنے میں لگ جاتے ہیں۔ جب سیاست کا مقصد حصولِ مال و دولت ہی ہو تو پھر اپنی جماعت سے وفاداری کیسے ہو سکتی ہے؟ جو انھیں مرتبہ و دولت کا لالچ دے گا وہ اس کی جماعت میں شامل ہو کر ''لوٹا'' ہونے کا ثبوت دیں گے۔ جو زیادہ بولی دے گا وہ اپنا ضمیر اس کے حوالے کر دیں گے:

ضمیر زر کے ترازو میں تُل رہے ہیں یہاں
کہاں کا زہد و ورع اور کہاں کا علم و ہنر

جب انسان انسانیت کی منزل کو چھوڑ کر گھوڑوں کی طرح بکنے لگے تو پھر اسے ہارس ٹریڈنگ ہی کہا جائے گا۔ قائداعظمؒ نے تو عوام کو ایسے سیاستدانوں سے دُور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ اگر ان کے مشورے کو خود ہی قابلِ توجہ خیال نہ کریں تو پھر قصور کس کا ہے؟

قائداعظمؒ نے جب مسلم لیگ میں شمولیت کر کے کانگرس کی پالیسیوں کو ہدفِ تنقید بنایا اور ان کی مسلم کُش سرگرمیوں کا راز فاش کیا تو کانگریسی لیڈر بوکھلا گئے۔ انھوں نے بعض مسلم لیگی لیڈروں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے مال و منصب کی ترغیب دی۔ بعض خودغرض، موقع پرست اور کوتاہ اندیش لوگ تذبذب کا شکار ہو گئے اور بعض نے دوغلی پالیسی اختیار کی یعنی ظاہر میں تو مسلم لیگ سے وابستگی ظاہر کی اور باطن میں کانگرس کے ساتھ رہے۔ قائداعظمؒ ایسے غیر مخلص اور منافقوں کی روش پر روشنی ڈالتے ہوئے جون 1941ء میں میسور مسلم لیگ کے اجلاس میں فرماتے ہیں:

''گاہے گاہے ہمارے اپنے نمائندے، لیڈر اور وزیر اپنی خودغرضی، ذاتی مفاد کے باعث ہمارا ساتھ چھوڑ کر ہمیں ذلیل کروا دیتے ہیں۔ یاد رکھو ٹھوس اور متحدہ رائے عامہ سے اور کوئی چیز زیادہ طاقتور اور مؤثر نہیں۔ تم اپنی پسند کے مطابق اپنے لیڈروں کے بناؤ اور بگاڑ کی صلاحیت رکھتے ہو''۔

کیا آج کل پاکستان کی سیاست میں بھی ایسے واقعات رونما نہیں ہو رہے؟ کیا ایک سیاسی جماعت کے ارکان کسی مالی منفعت اور عہدے کی پیشکش کے مدنظر اپنی جماعت کا ساتھ چھوڑ کر دوسری جماعت میں نہیں جاتے؟ کیا اسے ''لوٹا کریسی'' اور ''ہارس ٹریڈنگ'' نہیں کہا جائے گا؟ کیا ثابت قدم، مخلص، ہمدردِ قوم اور سنجیدہ و متین سیاستدانوں کا یہی کردار ہونا چاہیئے؟ ہم اپنے تمام اہلِ سیاست سے یہ توقع رکھیں گے کہ وہ اپنے ذاتی، محدود، عارضی اور پست مقاصد کو چھوڑ کر زندگی اور اخلاقیات کے اعلیٰ اور قابلِ قدر اصولوں کو اختیار کر کے اپنی عالی ظرفی کا ثبوت دیں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہر دور میں ایسے راہنما بھی ہمیں ملے ہیں جنھوں نے اعلیٰ مقاصد کو خیرباد کہہ کر پست مقاصد کے حصول کے لئے کوشش کی مگر انھیں خدا اور خلق کی خوشنودی حاصل نہ ہو سکی۔ ایسے ہی تنگ نظر اور مفاد پرست سیاستدانوں کی ذہنیت کی عکاسی کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

اُمید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے یہ خاکباز ہیں، رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے اُن کی جہاں میں ہے صفتِ عنکبوت اُن کی کمند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع تخیلِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند

قائداعظمؒ کے بنا کردہ پاکستان میں مدت سے پاکیزہ سیاست اور صالح قیادت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ اس کی کئی سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی، معاشرتی اور بین الاقوامی

نوعیت کی وجوہات ہیں۔

قائدِ محترم نے بار بار پاکستان کو ہر لحاظ سے مستحکم، خوش حال اور مثالی بنانے پر زور دیتے ہوئے اسے صحیح خطوط پر چلانے کا درس دیا تھا۔ شومئی قسمت سے نظامِ سیاست کو چلانے والے اس عزم، دُور اندیشی، مومنانہ فراست، ایثارِ نفس، خدمتِ خلق، ملکی خوشحالی کی درست لگن اور سیاسی بصیرت کا کماحقہٗ ثبوت نہ دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وطنِ عزیز ایک بحران سے نکلنے کے بعد دوسرے بحرانوں کا شکار رہا۔ انتشارِ فکر و نظر اور باہمی ناچاقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے ملک کا ایک حصّہ ہم سے الگ ہو گیا۔ سیاست اصل میں کسی مملکت کے امور کو مدبرانہ اور ماہرانہ انداز میں چلانے اور ملکی مفادات کے تحفظ کرنے کا دوسرا نام ہے۔ جس طرح کسی کام کو بخوبی سرانجام دینے کے لئے مطلوبہ مہارت، واقفیت اور علم لازمی ہیں اسی طرح سیاسی نظام کی کامیابی کے لئے بھی یہ شرائط لازمی ہونی چاہیئے۔ علاوہ ازیں قابلیت، امانت و دیانت، خدمتِ خلق، خوفِ خدا اور خوفِ خلق کا احساس بھی بے حد ضروری ہے۔ اعلیٰ اخلاقی اور دینی اصولوں کو نظر انداز کر دینے سے پاکیزہ اور تعمیری اندازِ سیاست کی حسین آرزو ناتمام ہی رہتی ہے۔ اسلامی سوسائٹی میں حاکم و محکوم کی تمیز بالکل غلط ہے کیونکہ اسلام کا سیاسی نظام تقویٰ، صلاحیت، علم، محاسبۂ نفس، عوامی احتساب، باہمی تعاون و مشاورت، حریتِ فکر و نظر، مساوات، اخوت اور خدمتِ خلق کا حسین امتزاج ہے۔ پاکستان میں پاکیزہ اور بااصول سیاست کے ضمن میں بانیٔ پاکستان کی اُس تقریر کا یہاں حوالہ دینا بے محل نہ ہوگا جو انھوں نے 20 اپریل 1948ء کو پشاور میں کی تھی۔ اس تقریر کا درجِ ذیل اقتباس عوام اور سیاستدانوں کے لئے حقیقت کُشا ہوگا انھوں نے کہا تھا:

"We have still a long way to build up Pakistan, but I have no doubt that by the grace of God, by adopting right methods and the right course we shall march along to make it one of the greatest states of the world".

□□□

قائداعظمؒ کی حقیقی مسلم لیگ

قائداعظم محمد علی جناحؒ بلاشبہ برصغیر پاک و ہند کی ایک شہرۂ آفاق سیاسی شخصیت اور دورِ حاضر کے مسلمان قائدین میں نمایاں ترین مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے کئی صدیوں کے بعد دنیا کے نقشے پر ایک ایسی مملکت کو نمایاں کیا جو اسلامی نظامِ حیات کو عملی طور پر متشکل کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس کی تشکیل کے لئے ان مسلمانانِ ہند نے بھی بے مثال جانی اور مالی قربانیاں دیں جن کو بخوبی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ خود وہاں جا کر زندگی بسر نہیں کر سکیں گے۔ چونکہ اس کو معرضِ وجود میں لانے کے لئے ایک ایمان پرور اور اسلامی انقلاب پر مبنی نعرہ لگایا گیا تھا۔ اس لئے اسلامیانِ ہند کی غالب اکثریت نے اسے بہ دل و جان قبول کیا اور اس کے حصول کے لئے بھرپور جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ خدائے بزرگ و برتر کے فضل و کرم اور عوامی تائید کے ذریعے محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کے پرچم تلے مسلمانوں کو متحد و منظم کر کے ہندوؤں اور انگریزوں کے باہمی گٹھ جوڑ کے باوجود اسے بالآخر عملی شکل دی اور یوں ایک نئی مملکتِ اسلامیہ پاکستان نے جنم لیا۔ اس حصولِ آزادی کے لئے مسلمانوں کو خاک و خون کے طوفانِ بلاخیز سے گزرنا پڑا تھا۔ اس آزادی کا بنیادی مقصد تو توحید و رسالت محمدیؐ کے جامع اور ہمہ گیر نظامِ زندگی کی اساس پر استوار ہونے والے مذہبی، سیاسی، اقتصادی، ثقافتی، معاشرتی اور تعلیمی امور کے نظام کو رائج کرنا اور مسلمانوں کی اجتماعی فلاح و بہبود اور غلبۂ اسلام کو بروئے کار لانا تھا۔ یوں قیامِ پاکستان کسی ایک مقصد کی بجائے متعدد مقاصدِ عالیہ کی تکمیل کے لئے حاصل کیا گیا۔ چونکہ اسلام کا دستورِ حیات اپنے اندر وسیع اور ہمہ گیر تنوع رکھتا ہے اس لئے یہی نظریہ ہمارے تمام سیاسی، مذہبی، اخلاقی، معاشی، ثقافتی اور سوشل شعبہ جاتِ زندگی اور مسائل کا محور و مرکز ہے۔ اس کے اندر رہ کر ہی ہمارے تمام مسائل کا تسلی بخش، متوازن اور پائیدار حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اسی حقیقتِ ثابتہ کو سمجھ کر اربابِ بصیرت نے نظریۂ پاکستان کی اصلی بنیاد یعنی ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ

الا اللہ!'' پر قائم ہونے والی جداگانہ مملکت کا ساتھ دیا۔ عوامی تعاون و تائید کے بغیر یہ حسین خوابِ آزادی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا تھا۔ برصغیر پاک و ہند کے عظیم ترین مسلمان لیڈر یعنی قائداعظمؒ نے اپنی بے پناہ خداداد صلاحیتوں' اپنی پُرخلوص اور بے مثال قیادت اور اپنے عزمِ راسخ سے کام لے کر یہ مشکل ترین مسئلہ حل کیا۔ اس ضمن میں ان کی سیاسی تنظیم' آل انڈیا مسلم لیگ نے وہ کردار ادا کیا جسے تاریخ کے صفحات میں محفوظ کرلیا گیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی اس تنظیم کے اصلی خدوخال کیا تھے اور اب اسے کس طرح اپنی حقیقی صورت میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے دیگر مسائل کی طرح' حقیقی مسلم لیگ کی شناخت کا مسئلہ بھی کافی حد تک محتاجِ تشریح ہے۔ اب اس کی اتنی تعبیرات پیش کی جارہی ہیں کہ عوام الناس پریشان اور حیران ہوکر یہ کہہ رہے ہیں

ع شُد پریشاں خوابِ ما از کثرتِ تعبیرہا

(تعبیروں کی کثرت سے ہمارا خواب پریشان ہوگیا ہے۔)

اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ اگر قیامِ پاکستان کے بعد بھی بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کی اصلی مسلم لیگ کو نہ صرف قائم رکھا جاتا بلکہ پہلے کی طرح اسے عوامی اُمنگوں اور عوامی فلاح و بہبود کا ترجمان بنایا جاتا تو ہمارا ملک گوناگوں مشکلات کا شکار ہوکر نہ رہ جاتا اور نہ ہی مسلم لیگ مختلف دھڑوں میں تقسیم ہوتی۔ جب قائداعظمؒ کی مسلم لیگ نے آہستہ آہستہ اپنی اصلی شناخت کو کھو دیا تو پھر اس کا عوام الناس سے تعلّق ٹوٹتا گیا اور دوسرے موقع پرست سیاستدانوں کو اپنی سیاست چمکانے کے لئے میدان میں آکر نئی سیاسی جماعتیں بنانے کی ترغیب ملی۔ اس اندازِ سیاست کا نتیجہ یہ نکلا کہ قومی اتحاد کا شیرازہ بکھرنے لگا اور مختلف متحارب گروپ قومی انتشار اور ملّی زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم اپنے ملّی مرکز سے دُور ہٹ جاتی ہے تو پھر اس کی بدبختی' زوال' پستی اور باہمی رزم آرائی کا دور شروع ہوجایا کرتا ہے۔ یہ ملّی انتشار آخرکار ان کی تباہی اور محکومیت کا باعث بن جایا کرتا ہے۔ شاعرِ فطرت علامہ اقبالؒ نے بجا طور پر قدرت کے اسی اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

ع قوموں کے لئے موت ہے' مرکز سے جدائی

اس مختصر سے مضمون میں قائداعظم علیہ الرحمتہ کی اُس اصلی آل انڈیا مسلم لیگ کی چند نمایاں ترین خصوصیات کی نشاندہی کی جاتی ہے جس نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی غالب اکثریت کو اپنے ملّی مرکز سے وابستہ کیا اور قومی اتحاد و تنظیم میں پروکر انھیں تشکیلِ پاکستان کا

مؤثر ذریعہ بنایا تھا۔ بانیٔ پاکستان کے مختلف ارشادات' بیانات اور ان کی تقاریر کی روشنی میں ان کی بنائی ہوئی مسلم لیگ کی اصلیت کو بیان کرنے کی سعی کی جارہی ہے تاکہ کسی کو کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا موقع نہ ملے۔ سب سے پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ہمارے اس قومی محسن کی نظر میں آزادیٔ پاکستان کا کیا مفہوم تھا اور وہ اسے کس طرح استعمال کرنے کے حامی تھے۔ انھوں نے 5 فروری 1938ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین سے وہاں کے سٹریچی ہال میں ایک اہم خطاب کیا تھا۔ اس موقع پر وہاں دیگر اہم حضرات کے علاوہ نواب زادہ لیاقت علی خاں اور اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر ضیاء الدین احمد بھی موجود تھے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں مسلمانوں کے مختلف سیاسی اور اقتصادی مسائل اور مسلم لیگ کے مخالفین کا تذکرہ کرنے کے بعد اپنے نظریۂ آزادی کا لبِ لباب ان الفاظ میں بیان کیا:

"The Muslim League is determined to win freedom but it will be a freedom not only for the strong and the dominant but also for the weak and the suppressed".

''مسلم لیگ حصولِ آزادی کا عزم بالجزم کئے ہوئے ہے لیکن یہ آزادی نہ صرف طاقتور اور غالب لوگوں کے لئے ہوگی بلکہ یہ کمزور اور مظلوم انسانوں کے لئے بھی ہوگی''۔

پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے سب لوگوں نے حصّہ لیا تھا اس لئے کسی ایک خاص گروہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے حقوق و مفادات کی تو نگہداشت کرے اور دوسرے کمزور اور پسے ہوئے طبقات کے مفادات کو نظرانداز کرے۔ حقیقی ملکی آزادی میں سوسائٹی کے سب لوگوں کو آزادی کی نعمت سے فیض یاب ہونے اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ اگر دوسروں کے جائز حقوق بھی سلب کئے جائیں تو پھر ان کے دلوں میں غاصبوں کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان کی باہمی عداوت آخرکار ملک و ملّت کی تباہی اور خانہ جنگی کا روپ دھار لیا کرتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے انھیں تنبیہ کرتے ہوئے کہا تھا:

؎ بدلے یک رنگی کے یہ ناآشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب

بیسویں صدی کے اس نابغہ مسلمان قائد نے اسلامیانِ ہند کو سیاست اور قومی قیادت کے چند ایسے زریں اصولوں اور انسانی فلاح کے تابندہ نقوش سے متعارف کرایا جو قوموں کی تقدیر بنانے میں اہم ثابت ہوا کرتے ہیں۔ سیاست ایک ایسا علم ہے جس کا اوّلین مقصد معاشرتی

زندگی کو خوشگوار، پُر امن اور متوازن بنانا ہے تاکہ اجتماعی زندگی شکست وریخت اور انتشار وانحطاط سے محفوظ رہے۔ ان کے تصورِ سیاست کی رُو سے ملکی اور قومی آزادی کسی فردِ واحد یا کسی مخصوص گروپ تک محدود نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اس سے انسانی معاشرت کے تمام طبقات متمتع ہوں۔ ان کی نگاہ میں ان کی بنائی ہوئی مسلم لیگ کا مقصدِ وحید بھی ہمہ گیر اور جامع تھا۔ وہ مسلم لیگ کو چند خودغرض اور طالع آزما انسانوں کے حصولِ مقاصد کا ذریعہ بنانے کے شدید مخالف تھے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ افراد جماعتوں کے استحکام اور فلاح کے ضامن ہیں اس لئے وہ مسلم لیگ کی باگ ڈور چند ہاتھوں میں دینے اور اسے آلۂ کار بنانے کے حق میں نہیں تھے۔ 15 فروری 1942ء کو سراج گنج میں بنگال پراونشل مسلم لیگ کا ایک اجلاس ہوا جس کی صدارت قائداعظمؒ نے کی تھی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں یہ انقلاب آفریں الفاظ کہے تھے:

"The Muslim League does not exist for ministers and ministeries. On the other hand, it is ministers and ministeries who can only exist if the Muslim League approves of them".

اس خطاب میں انھوں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم کسی کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اپنے ذاتی مقاصد کے لئے مسلم لیگ کو بطورِ زینہ استعمال کرے۔ حقیقی سیاسی جماعت کا مقصد محض ذاتی مفادات کا حصول نہیں بلکہ اس کا مقصد عوام الناس کی خدمت کرنا ہے۔ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا تھا:

"سیّدُ القومِ خادمھم" (قوم کا سردار اصل میں افرادِ قوم کا خادم ہوتا ہے)

عوامی خدمت اور فلاح ہی کے ذریعے سے اسے اصلی سیادت، عظمت، شہرت اور اہمیّت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعے وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کیا کرتا ہے۔ محض ظاہری دبدبہ اور جبر پر مبنی کوئی نظامِ حکومت بھی زیادہ دیر قائم نہیں رہا کرتا۔ اقتدار کے نشے میں مست عام اربابِ حکومت کو وارننگ دیتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

تاریخِ اُمم کا یہ پیامِ ازلی ہے — صاحبِ نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک

وہ وزیروں اور وزارتوں کے وجود پر مسلم لیگ کے وجود کو ترجیح دینے کے حامی تھے۔ کسی تنظیم اور جماعت کا وجود قائم رکھنے کے لئے یہ اشد ضروری ہوا کرتا ہے کہ اس کے سب ارکان اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو بہت جلد وہ تنظیم اور جماعت ختم ہوجاتی ہے۔

ابھی بیان کیا گیا ہے کہ حصولِ اکستان کسی ایک مقصد پر منحصر نہیں بلکہ یہ ہمہ گیر فلاح وفوز اور ترقی و کامیابی کے متعدّد مقاصد کے لئے تھا۔ اس میں نہ صرف مسلمانوں کے اقتصادی حالات کی بہتری اور معاشرتی اصلاح ہی شامل تھی بلکہ یہ ہمارے مذہبی، اخلاقی، سیاسی، ثقافتی، عسکری اور تعلیمی مسائل کے حل کی بھی ضامن قرار دی گئی تھی۔ قائداعظمؒ کی مسلم لیگ اہلِ پاکستان کی ہمہ گیر ترقی و بہبود کے لئے معرضِ وجود میں آئی تھی جیسا کہ بانیٔ پاکستان کی مختلف تقاریر، بیانات اور پیغامات سے واضح ہے۔ انھوں نے 23 مارچ 1943ء کو دہلی سے یومِ پاکستان کے موقع پر اپنے ایک پیغام میں کہا تھا:

"آیئے، ہم اپنے لوگوں کی تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور اخلاقی بہبود اور ترقی پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ آیئے ہم اپنی اجتماعی فلاح کے لئے کام کرنے والے لیڈروں کے ساتھ تعاون کریں"۔

چونکہ عوامی فلاح و بہبود کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ عوام اور ان کے قائدین باہمی امداد اور تعاون کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اپنی اجتماعی زندگی کو سنواریں اس لئے انھوں نے عوام اور سیاستدانوں کے درمیان فکر وعمل کی یک رنگی اور باہمی اتحاد وتعاون پر زور دیا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے مسلم لیگ کی سب سے بڑی ذمہ داری عوامی فلاح قرار دی گئی۔ اس فلاح کا تعلق ہماری اجتماعی زندگی کے اہم شعبہ جات سے منسلک کر دیا گیا۔

اگر ہم محمد علی جناحؒ کے بیانات اور پیغامات وغیرہ کا گہری نگاہ سے مطالعہ کریں تو ہمیں بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ انھوں نے مسلمانوں کی تنظیم، اتحاد اور ایمان کی اہمیّت کو متعدّد مواقع پر اُجاگر کرنے کی ہر ممکن سعی کی تھی۔ وہ اس امر کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اتحاد، تنظیم اور اپنے نظریۂ حیات کی پختگی پر ایمان رکھنے ہی سے قوموں اور ملکوں کو عملی طور پر مضبوط، آزاد اور خوشحال بنایا جاسکتا ہے۔ اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے انھوں نے 30 ستمبر 1943ء کو بمبئی سے اسلامیانِ ہند کے نام عیدالفطر کے موقع پر یہ پیغام جاری کیا تھا:

"ہم ایک عظیم تاریخ اور ماضی کے حامل ہیں۔ آیئے ہم اسلام کی صحیح نشأۃ ثانیہ اور اس کی گذشتہ عظمت وشوکت کی بحالی کا باعث بنیں۔ آیئے ہم اپنے اصول "اتحاد، نظم وضبط اور ایمان" پر عمل کرتے ہوئے اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک ہم پاکستان کے اس نصب العین کو حاصل نہ کرلیں"۔

اس اقتباس میں اُنہوں نے قومی اتحاد، قومی تنظیم اور نظریۂ پاکستان میں پختہ یقین رکھنے کی اہمیّت

اور اسلامی عظمت کی بحالی اور نشأۃ ثانیہ کو اُجاگر کیا ہے۔ یہ بھی اصلی مسلم لیگ کی شناخت کا ایک طریقہ ہے۔ مسلم لیگ درج بالا مقاصد کی محافظ اور آئینہ دار قرار دی گئی ہے۔ پاکستان کے حصول کے اساسی مقاصد ابھی تک تشنۂ تکمیل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب اہلِ پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہمی اتحاد و محبّت، تعاون، فکر و نظر کی ہم آہنگی کے ذریعے عوام کی ہمہ گیر فلاح و بہبود، قومی ترقی اور ملکی استحکام کے لئے کوشاں ہوں اور ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانے کی بجائے اپنی اسلامی اور ملّی ذمہ داریوں کا بخوبی احساس کریں۔ اب بھی وقت ہے کہ وہ سب اپنی اپنی خامیوں اور غلطیوں کا کسی تعصب کے بغیر جائزہ لیں اور باہمی اخوت و محبّت کے جذبے سے سرشار ہو کر ملک و ملت کی سربلندی اور عوامی خدمت کا فریضہ سرانجام دیں۔ باہمی رزم آرائی اور چپقلش ہرگز قومی فلاح اور ملکی ترقی کا سبب نہیں بنا کرتی۔ یہی جذبۂ محبت اور جذبِ باہمی ہماری نجات اور ترقی کا ضامن ہو سکے گا۔ بقولِ شاعرِ مشرقؒ:

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

□□□

حمیدی

قائداعظمؒ اور مسلم نوجوان

بانئ پاکستان اور برصغیر پاک و ہند کے شہرۂ آفاق سیاسی راہنما محمد علی جناح علیہ الرحمتہ کی تقاریر اور ان کے متعدّد بیانات اس امر کے شاہد ہیں کہ وہ عام مسلمان نوجوانوں خصوصاً اسٹوڈنٹس کو ملت اسلامیہ کا گراں قدر سرمایہ تصور کرتے تھے۔ جب قیامِ پاکستان سے قبل چند پُر جوش اور ملّی شعور سے سرشار مسلم طلباء نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد ڈالی تو قائداعظمؒ نے اس کا خیر مقدم کیا اور ان نوجوانوں کے جذبۂ ملّی کو سراہتے ہوئے اسے حصولِ پاکستان کی جانب ایک اہم قدم قرار دیا۔ بالغ نظر سیاستدان اور عظیم سیاسی لیڈر ہونے کی حیثیت سے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ جس سیاسی اور ثقافتی تحریک میں نوجوان شریک ہوتے ہیں وہ اپنے جوش و خروش اور عزمِ راسخ سے اسے عروسِ کامرانی سے ہمکنار کر کے ہی دم لیا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایسے بلند ہمت اور جفاکش نوجوان قوموں کی تقدیر کو سنوارنے اور انھیں غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا کرتے ہیں۔ تشکیلِ پاکستان اور آزادئ ملت کے حصول کے لئے مسلم نوجوانوں نے جو ملت ساز کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس کا ایمان افروز اور ولولہ خیز تذکرہ ہمیں بیدار ملک مرحوم کی ضخیم کتاب ''یارانِ مکتب'' میں مل سکتا ہے۔ تاریخی اور ملّی حقائق پر مبنی اس اہم کتاب کو پنجاب یونیورسٹی کے پاکستان اسٹڈی سینٹر نے شائع کیا تھا۔ ان کی دوسری کتاب بھی حصولِ پاکستان کی جدوجہد سے بھرپور عینی شہادتوں کی آئینہ دار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عام اسلامیانِ ہند کے علاوہ مسلم طلبا نے بھی اس تحریکِ حریت میں نئی روح پھونک دی تھی۔ اس نقطۂ نگاہ سے مثالی نوجوان اپنی قوم کی متاعِ عزیز کا درجہ رکھنے کے مستحق ہیں جیسا کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:ـ

قوم را سرمایہ اے صاحبِ نظر! نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مالِ اُو فرزند ہائے تندرست تر دماغ و سخت کوش و چاق و چُست

قائداعظم مرحوم ومغفور نوجوانوں کے ساتھ ہمیشہ بڑی شفقت ومحبّت سے پیش آیا کرتے تھے اور وہ انھیں زندگی کی صحیح راہ پر گامزن دیکھنے کے شدید آرزومند تھے۔ مسلم نوجوان بھی ان کی محبّت سے فیض یاب ہوکر ملک وملت کی بہبود کے لئے مزید کوشاں ہونے کا عزم بالجزم رکھتے تھے۔ آج بھی چند ایسے بزرگ موجود ہیں جن کے دل ودماغ پر ایسے عظیم اور ہمدردِ قوم لیڈر کی عظمتِ فکروکردار کے انمٹ نقوش مرتسم ہیں۔ قدرت نے ہمارے سیاسی مدبر کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا جن کو انھوں نے ملت اسلامیہ کی خدمت وفلاح کے لئے استعمال کر کے ابدی شہرت حاصل کرلی ہے۔ ان کی عظمتِ فکر کے چند گوشے وہ ہیں جن کا گہرا تعلّق مسلم نوجوانوں اور طلبہ سے ہے۔ اس مختصر مضمون میں ان پہلوؤں کا اجمالی تذکرہ کیا جائے گا۔ اس ذکرِ جمیل سے معلوم ہوجائے گا کہ انھوں نے مسلم جوانوں کو کیا پیغام دیا اور وہ ان سے کیا توقعات رکھتے تھے۔

اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جوانی کا دور عموماً آتشیں جذبات اور انقلابی خیالات کا عکاس ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نوجوان جوش وخروش اور عملی قوتوں کے حامل ہونے کی حیثیت سے ہر وقت متحرک ہونے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ عام طور پر ان کا جوش ان کے ہوش پر غالب ہوا کرتا ہے اور وہ لیڈروں کے پرکشش الفاظ اور نعروں سے متاثر ہوکر سیاستدانوں کی پُرازفریب پالیسیوں اور گمراہ کن باتوں میں آسانی سے یقین کرلیتے ہیں۔ یہی حال اُس وقت پیش آیا جب بہت مسلمان نوجوان آل انڈیا کانگرس کے بچھائے ہوئے سیاسی جال میں پھنس کر یہ خیال کرنے لگے کہ یہ جماعت ہماری قومی آزادی اور نجات کی بھی ضامن ہوگی۔ قائداعظمؒ نے اس صورتِ حالات کو بھانپتے ہوئے مسلم نوجوانوں کو متنبہ کیا کہ وہ کانگرس کی مسلم کُش پالیسیوں سے باخبر رہیں اور ملتِ اسلامیہ کے ساتھ پیوستہ رہیں۔ انھوں نے 26 دسمبر 1938ء کو پٹنہ میں ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر دیئے گئے اپنے صدارتی خطاب میں مسلم نوجوانوں کے بارے میں فرمایا:

..... So far as my young friends the Muslim youth were concerned, they were all hyprnotised by the congress falsehood. The youth believe in slogans and watchwords. They were caught right in the net that was spread for them by the congress".

انھوں نے اپنے اس طویل اور فکرانگیز خطاب میں انھیں بتایا کہ کانگرس دراصل ایک ہندو تنظیم ہے جس کا مقصد انڈیا میں ہندوراج قائم کرنا اور مسلمانانِ ہند کو ہمیشہ اپنا محکوم بنانا ہے۔

انڈیا کے موجودہ حالات قائداعظمؒ کی اس سیاسی پیشگوئی کی صداقت کو بخوبی واضح کررہے ہیں۔

گویا وہ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں نوجوانوں سے یہ کہہ رہے تھے:

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دَور کی دھندلی سی اِک تصویر دیکھ

نوجوان طبقہ چونکہ جذبات پرستی کا شکار ہوکر جوش اور ہوش کے درمیان توازن قائم رکھنے سے گریزاں ہوتا ہے اس لئے ہمدرد اور باشعور مصلحین قوم کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کے جذبات اور افکار میں ہم آہنگی پیدا کرکے انھیں صحیح سمت دکھائی جائے۔ جذبات کو اگر درست نہج پر چلایا جائے اور ان سے تعمیر وترقی کا کام لیا جائے تو وہ مفید نتائج کے حامل بن جاتے ہیں۔ صحیح اور تعمیری جذبات کے بغیر دنیا ودین کے بہت سے کام ادھورے رہ سکتے ہیں۔ زندگی کو رواں دواں رکھنے اور حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے کے لئے محض افکار ونظریات ہی کافی نہیں ہوتے، انھیں کسی قوتِ محرکہ (motive force) کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ قوتِ محرکہ جذبات ہی سے عبارت ہے۔ اسی قوت کا دوسرا نام جذبۂ عشق ہے جس نے ابراہیمؑ کو نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں بے خطر کود پڑنے پر مجبور کیا تھا۔ تاریخِ عالم کے بے شمار حیرت افزا واقعات اسی جذبۂ عشق وجنوں کے تحت ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ قائداعظمؒ اسی حقیقتِ ثابتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلم نوجوانوں کو ملت ساز سرگرمیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنے ایک اور صدارتی خطاب میں کہتے ہیں:

".... You must, my young friends, in the first instance, apply your minds to the nation-building departments. ....you have not to prepare yourselves for your defence - defened against external aggression and to maintain internal security".

(پنجاب مُسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا خصوصی اجلاس، 2 مارچ 1941ء)

اس صدارتی خطبہ میں انھوں نے مسلم نوجوانوں پر یہ بھی واضح کیا کہ تعلیم کا حصول اور صنعت و تجارت میں ترقی بھی ان کا مقصد ہونا چاہیئے۔ اگر کسی قوم کے نوجوانوں کے اندر اپنی خودی کی تربیت واستحکام کی آرزو جنم لے تو پھر وہ قومی ترقی اور استحکام کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوسکتے ہیں جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے بھی ہمیں اس راز سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

؎ اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی، صورتِ فولاد

افراد کی طرح قوموں کے مستقبل کا بھی کافی حد تک ان کے ماضی کی روایات اور ان کے موجودہ حالات پر دارومدار ہوا کرتا ہے۔ ہمارے حال کی کوکھ سے ہی ہمارا مستقبل جنم لیتا ہے اس لئے ہمارے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ہم اپنے مستقبل کو درخشاں اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے درست طریقِ کار اور مناسب افعال کو دلیلِ راہ بنائیں۔ اس ضمن میں نوجوان بہت ہی اہمیّت رکھتے ہیں کیونکہ وہی آنے والے دور میں قیادت و اقتدار کا فریضہ بخوبی سرانجام دے سکیں گے۔ زندہ اور باشعور قومیں مستقبل کے ان معماروں کی تعلیم و تربیت، ان کی مناسب نگہداشت اور ان کی ترقی و تیاری کے لئے خاص پروگرام متشکل کیا کرتی ہیں۔ بانیٔ پاکستان کی یہ مخلصانہ سعی تھی کہ مسلمان نوجوان بھی قیامِ پاکستان کی تحریک میں شامل ہو کر اپنے تعلیمی مشاغل کے ساتھ قومی اور ملکی فلاح و بہبود کی سرگرمیوں میں حتی الوسع حصّہ لیں۔ انھیں بخوبی احساس تھا کہ مستقبل کی قومی ذمہ داریوں کو نبھانے میں انھیں مناسب تعلیم و تربیت دینا لازمی ہے۔ انھوں نے اپنے ذہین طبقہ اور نوجوانوں کے نام اپنے ایک پیغام میں کہا تھا:

"…. Come forward and rise to the occasion. Train yourselves, equip yourselves for the task that lies before you…. you have performed wonders in the past. You are still capable of repeating the history".

(یومِ پاکستان پر دہلی سے جاری کردہ ایک پیغام، مورخہ 23 مارچ 1943ء)

کیا بانیٔ پاکستان کے مندرجہ بالا خیال افروز اور بصیرت آفریں الفاظ سے یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ وہ مسلم نوجوانوں کی ذہنی تربیت، عملی تیاری اور قومی قیادت کی صلاحیتوں کی آبیاری کے لئے کتنے بے چین اور آرزومند تھے؟ وہ اس بات کے معترف تھے کہ انھوں نے ماضی میں معجزات سرانجام دیئے ہیں اور وہ اب بھی ایسا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جب نوجوانوں کے اندر خودی بیدار ہوتی ہے تو وہ بلندیوں تک پہنچنے کے خواہاں ہوتے ہیں جیسا کہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

؎ عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں

پاکستان کے موجودہ ملکی اور بین الاقوامی حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ ہم اپنی قوم اور

ملک کے مستقبل کے ان معماروں کی ہمہ گیر ترقی ---ذہنی، اخلاقی، تعلیمی، ثقافتی، صنعتی اور سیاسی استحکام کے لئے کوئی ٹھوس پروگرام بنائیں تاکہ وہ اکیسویں صدی کے تقاضوں کا صحیح ادراک کر کے اپنی مذہبی اور ثقافتی اقدار کے مطابق زندگی گزار سکیں اور ملّی ترقی و تعمیر میں اعلیٰ کردار ادا کریں۔ اس ضمن میں حکومت کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس حاصل کرنا ہوگا۔ ہر شہر میں نوجوانوں کی ذہنی، اخلاقی، معاشی اور تعلیمی تربیت کے لئے خاص مراکز بنائے جائیں تاکہ وہ تعمیرِ ملت کا سبب بنتے رہیں۔

□□□

قائداعظمؒ اور عظمتِ رفتہ کی بحالی

قائداعظمؒ ان مصلحین قوم میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی اوران کے درخشاں مستقبل کے لئے قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں اگرچہ ان کی زیادہ تر جدوجہد اسلامیانِ ہند کی آزادی سے متعلّق نظر آتی ہے مگر وہ اسے دیگر بلند تر مقاصدِ ملّی کے حصول کا اہم ذریعہ اور مرحلۂ اوّلین تصور کرتے تھے۔ اس امر کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ آزادی کے بغیر کوئی قوم بھی اپنے اعلیٰ سیاسی نصب العین، ثقافتی اقدار کی ترویج، معاشی خوش حالی، معاشرتی امن وسکون، اخلاقی اصولوں اور مذہبی روایات کے تحفظ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں کرسکتی۔ غلامی ایک ایسی دلدل ہے جس میں پھنس کر کوئی فرد اور کوئی قوم زندگی کی راحتوں اور معاشرتی ترقیوں کی راہ پر گامزن ہونے کی صلاحیت سے محروم ہوا کرتے ہیں۔ غلام قوم آہستہ آہستہ اپنی قومی شناخت سے محروم ہوکر اغیار کی اندھادھند تقلید کے مرض میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کی اخلاقی روش اور ضمیر میں رسوا کن تبدیلیاں رونما ہوجایا کرتی ہیں بقولِ اقبالؒ:

؎ جو تھا ناخوب، بتدریج وہی خوب ہُوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اسلامیانِ ہند کے یہ عظیم قائد اپنی ملت کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کا عزمِ راسخ لے کر میدانِ سیاست میں وارد ہوئے تھے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے اوّلین مرحلہ سیاسی آزادی کو حاصل کرنا تھا۔ انگریزوں اور برہمنی سیاست کے موجودہ طلسم کو پاش پاش کرنے کے بعد ہی ملتِ اسلامیہ خصوصاً برصغیر پاک وہند کے مسلمان آزادی کی نعمت سے سرفراز ہوسکتے تھے۔ اگر ہم بانیٔ پاکستان کے بیانات، پیغامات اور تقاریر کا عمیق مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان کے تصورِ حریت کے بنیادی محرکات یہ تھے:

(۱) اسلامیانِ ہند کی ہمہ گیر آزادی جس میں سیاست، معیشت، معاشرت، ثقافت اور مذہب کو خاص اہمیّت تھی۔ (۲) مسلمانوں کی آزاد مملکت میں ان کی مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار کا تحفظ اور ترویج (۳) آزاد خارجہ پالیسی (۴) مسلم ممالک کا اتحاد (۵) اسلامی عظمتِ رفتہ کی بحالی (۶) عالمِ اسلام کے مسائل وترقی میں دلچسپی (۷) پُرامن بقائے باہمی کا اصول۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ان کی سیاسی حکمتِ عملی کا دائرہ کافی وسیع تھا۔ ایسا وسیع النظر لیڈر عالمِ اسلام کی موجودہ زبوں حالی اور اُس کے شاندار ماضی کی تاریخ سے کیسے بے خبر ہوسکتا تھا۔ اب ہمیں اس بات کا مختصر طور پر جائزہ لینا ہوگا کہ انھوں نے اس اہم ملّی موضوع کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا ہے اور وہ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لئے کیا طریقِ کار اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

نہ صرف مسلمان بلکہ غیر متعصب غیر مسلم اسکالرز بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ مسلمان شاندار ماضی کے حامل ہیں۔ کیا یہ امرِ واقعی نہیں کہ نبی اکرمؐ کے عہدِ ہمایوں اور ان کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دور میں اسلامی مملکت کی حدود دُور دراز کے ملکوں تک پہنچ گئی تھیں۔ قدیم عرب کے صحرانشین دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دنیا کے بہترین معلمین اور فرماں روا بنے اور انھوں نے تہذیب وتمدن کا ایسا نیا جہان تخلیق کیا جس کی چمک دمک سے دوسروں کی نگاہیں خیرہ ہوگئی تھیں۔ کیا یہ حیرت انگیز واقعہ نہیں کہ مسلمانوں نے چند سالوں ہی میں اپنے زمانے کی دو عظیم طاقتوں--- قیصر وکسریٰ--- کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیا تھا؟ کیا اس بات سے بھی انکار کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے مطالعۂ کائنات اور مشاہدۂ فطرت اور قرآنی تعلیمات کے سہارے مختلف علوم وفنون میں اپنے گوناگوں کمالات کا مظاہرہ کیا اور دنیا کو علم وتہذیب کے اعلیٰ اصولوں سے روشناس کرایا تھا؟ اس ضمن میں معروف مغربی اسکالر اور محقق بریفالٹ کی کتاب ''تشکیلِ انسانیت'' (Making of Humanity) سے ایک اقتباس بطورِ ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ وہ کلچر اور سائنس کے میدان میں مسلمانوں کی علمی فضیلت اور یورپ پر اس کے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "Science is the most momentous contribution of Arab civilization to the modern world. .... Science owes a great deal more to Arab culture, it owes its existence".

قائداعظمؒ مسلمانوں کے اس تاریخ ساز عہد کے کمالات سے بخوبی آگاہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے انھوں نے اپنی تقاریر اور بیانات میں ان کی طرف واضح اشارات سے کام لیا

ہے۔ انھوں نے اکتوبر 1937ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس میں اپنے صدارتی خطبہ میں اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا تھا:

''صرف ایک چیز مسلمانوں کی نجات اور ان کے کھوئے ہوئے مقام کے دوبارہ حصول کا باعث بن سکتی ہے۔ سب سے پہلے انھیں اپنے مَن کو دوبارہ قابو میں لاکر اپنے بلند مقام کا احساس کرتے ہوئے اُن اعلیٰ اصولوں پر ڈٹ جانا چاہیے جو اُن کے عظیم اتحاد کی بنیاد اور اُن کی اجتماعی سیاست کے شیرازہ بند ہیں''۔

جو قوم ضبطِ نفس کی صفت سے عاری ہو وہ کیسے دوسروں پر قابو پا سکتی ہے۔ دوسروں پر قابو پانے سے قبل اسے خود ضبطِ نفس کی مثال پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ بقولِ اقبالؒ:۔

ہر کہ بر خود نیست فرمانش رواں
می شود فرماں پذیر از دیگراں

اپنے مَن میں ڈوب کر انسان زندگی کا سراغ پانے اور اپنی خودی کو مستحکم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات کو خدائے واحد کا مطیع بنائے بغیر دوسروں کو زیر نہیں کیا جا سکتا۔ قائداعظمؒ نے عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لئے اپنے سابقہ بلند مقام کے احساس، باہمی اتحاد اور اجتماعی سیاست کی شیرازہ بندی کو لازم خیال کیا ہے۔ ہمارے ملّی زوال کا ایک نمایاں سبب باہمی انتشار بھی تھا اور یہ اب بھی ہماری زبوں حالی کا باعث ہے۔ عالمِ اسلام کے موجودہ بین الاقوامی حالات اس المناک حقیقت کے شاہد ہیں۔

قائداعظمؒ محمد علی جناحؒ کی رائے میں عوامی خدمت اور قربانی کے بغیر ہم اپنے اسلاف کی شاندار روایات کو نہ تو برقرار رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ہم گذشتہ ورثے کے امین و محافظ بن سکیں گے۔ وہ مسلمانوں کی موجودہ پستی کو دُور کر کے انھیں صحیح معنوں میں اپنے تابناک ماضی کی روایات کے حامل دیکھنے کے آرزومند تھے جیسا کہ انھوں نے علی گڑھ کے مسلمان طلبہ کے نام اپنے پیغام میں فرمایا تھا:

"Islam expects every Muslim to do his duty to his people..... no service or sacrifice should be too great on the part of anyone of us.... in order to establish and maintain an honourable place worthy of our traditions and past hertiage".

انھوں نے 1940ء میں اپنے یومِ پیدائش کے موقع پر ایک پیغام میں مسلم طلبہ اور تعلیم یافتہ عوام سے کہا تھا:

"Islam expects every Muslim to do his duty, and we realise our responsibility, time will come soon when we shall justify ourselves worthy of a glorious past".

اس اقتباس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے اسلامی فرائض اور ان کی اسلامی ذمہ داریوں کا احساس دلانا ضروری خیال کرتے ہیں کیونکہ یہی چیز ان کے شاندار ماضی کے شایانِ شان ثابت کر سکے گی۔ جو قوم اپنے حیات بخش اور درخشاں ماضی سے لاتعلق ہو جاتی ہے وہ کبھی بھی بامِ عروج تک نہیں پہنچ سکتی۔ ایسی روایات کی یاد ان کا تحفظ اور ان کے مطابق اپنے مستقبل کو خوش گوار بنانے کے لئے حال میں عمل کرنا مفید نتائج کا حامل ہوا کرتا ہے۔ قائداعظمؒ مسلمانوں کو بار بار ان کا قابلِ فخر ماضی یاد دلاتے ہیں تاکہ وہ قنوطیت، بے عملی اور پستی کی دلدل سے باہر نکل کر مصروفِ جدوجہد ہو جائیں اور اسلاف کے ورثے کے امین اور محافظ ثابت ہو سکیں۔ اس منزل تک پہنچنے سے پیشتر یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے متحد و منظم کیا جائے تاکہ وہ اغیار کی غلامی سے آزاد ہوں۔ گویا آزادی ہماری ملّی عظمت کے حصول کا پہلا زینہ تھی۔

دوسرا مرحلہ آزادی کے بعد ایک خودمختار اور آزاد مملکت اسلامیہ کا قیام تھا۔ اسلامی نشاۃِ ثانیہ ایسی مملکت کے بغیر ناممکن تھی۔ قوموں کو اپنے نظریۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ایک آزاد خطۂ زمین درکار ہوتا ہے جہاں وہ دوسروں کی حاکمیت کے خوف سے آزاد ہو کر اپنی تہذیبی اور ثقافتی اقدار کو فروغ دے سکیں اور اپنے کھوئے ہوئے مقامِ رفیع کو دوبارہ پا سکیں۔ قائداعظمؒ محض ایک سیاسی مدبّر نہ تھے بلکہ وہ اسلامی روایات اور تاریخ سے بھی آگاہ تھے۔ ان کے دلِ دردآشنا میں بھی مسلمانوں کے عروج اور اسلامی عظمت کی بحالی کی آرزو موجزن تھی۔ اُن کے ملّی درد اور اسلامی محبّت کا اندازہ ان کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے ایک پیغام میں اس اسلامی حمیت کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

".... We have a great history and past behind us. Let us prove worthy of it and bring about the renaissance of Islam and revive its glory and splendour".

(بمبئی سے مسلمانانِ ہند کے نام جاری کردہ پیغامِ عید، 30 ستمبر 1943ء)

کیا ان کے ان الفاظ سے یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ وہ اسلام کی عظیم تاریخ اور عظیم ماضی سے بخوبی واقف تھے؟ وہ موجودہ دور کے مسلمانوں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ وہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور عظمتِ گمشدہ کی دریافت اور بحالی کے لئے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کریں۔
اس لحاظ سے وہ ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں:

ع میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ محض ذکرِ اسلاف ہی کو کافی خیال نہ کریں بلکہ اپنے عمل سے بھی ثابت کر کے دکھائیں کہ وہ واقعی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے بارے میں سنجیدہ ہیں۔ محض ''پدرم سلطان بود'' کا نعرہ بیکار ہوگا۔ ان کی شمشیر کے وارث ہونے کے لئے ویسے بازو بھی رکھنے ہوں گے۔ علم اور ٹیکنالوجی میں مہارت رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر دنیا میں عظمت نہیں مل سکے گی۔

□□□

حمیدی

دفاعِ پاکستان اور قائداعظمؒ

تاریخِ انسانیت کے گہرے مطالعہ سے یہ راز بھی فاش ہو جاتا ہے کہ افراد کی طرح قوموں کے لئے بھی اپنا دفاع بے حد ضروری ہوا کرتا ہے۔ جو قوم اپنی ملکی سرحدوں اور اپنی نظریاتی حدود کا تسلی بخش، مؤثر اور دیرپا دفاع کرنے سے غافل رہتی ہے وہ زود یا بدیر غیروں کی جارحیت کا شکار ہو کر اپنی آزادی کھو بیٹھتی ہے اور انجامِ کار اسے نکبت، پستی اور ذلت و خواری میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ ایسی کاہل، غفلت شعار اور کمزور قوم کی محکومیت کے منحوس اثرات سے اس کی آئندہ نسلیں بھی محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ محض ایک کامیاب وکیل اور بلند پایہ سیاست دان ہی نہ تھے بلکہ وہ قوموں کے عروج و زوال کے محرکات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کی تقاریر اور ان کے بیانات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ وہ دفاعِ پاکستان کی اہمیّت و افادیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات اور عسکری واقعات کے تناظر میں ان کے تصورِ دفاعِ پاکستان کے چند اہم پہلوؤں کو یہاں بڑے اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

دفاعی طاقت کی ضرورت

اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کی ہر خوددار، آزادی پسند اور زندہ قوم اپنے سیاسی نظام اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے باقی شعبہ جاتِ زندگی اور اپنی اس فکری اساس کی حفاظت، دوام اور دفاع کے لئے ہر ممکن جدوجہد کیا کرتی ہے۔ یہ اس کا قدرتی اور جائز تقاضا ہے۔ اس ضمن میں اسے ملک کے اندرونی استحکام و امن کے ساتھ ساتھ بیرونی جارحیت سے بچاؤ کے لئے بھی مختلف تدابیر اور منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا پڑتا ہے۔ اگر وہ اپنے اس ہمہ گیر دفاع کا معقول انتظام نہ کر سکے تو پھر اس کا وجود معرضِ خطر میں پڑنے سے نہیں رُک سکتا۔ اس لئے ملک و قوم کی حفاظت اور دفاع کے لئے طاقت کی اشد ضرورت ہوا کرتی ہے۔ قائداعظمؒ نے 10 مارچ

1941ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سٹریچی ہال میں تقریر کرتے ہوئے دفاع کی اہمیّت کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا:

"It is easier to achieve freedom than to keep it. England and America are independent states but how hard they have to struggle to preserve their independence. We have to prepare ourselves. Make yourselves strong; prepare your people in education, trade, industries, commerce and defence".

دنیا میں قانونِ بقائے اصلح کے مطابق طاقتور قومیں ہی دنیا میں راج کیا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس کمزور قوموں کو غلام بنانے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں اور ان ظالمانہ اقدامات کو ہر لحاظ سے جائز ثابت کرنے کی بھی کوششیں کی جاتی ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے کمزور قوموں کا بری طرح استحصال کیا جاتا ہے بقولِ اقبالؒ:

؎ تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

جارحیت کا انسداد

ہر باشعور، مہذب اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار سے محبّت کرنے والا انسان استحصال پر مبنی جنگی تصادم، خوں ریزی اور فسادِ عالم کو ناپسند کرے گا لیکن جب شر پسند انسان دوسروں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر دیں، انھیں ظلم و ستم کا نشانہ بنائیں اور ان سے اپنے دفاع کا بھی حق چھین لیں تو اس صورت میں تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق کمزور اور مظلوم لوگ اپنے دفاع پر مجبُور ہو جاتے ہیں۔ جب ملک، قوم، قبیلہ اور رنگ و نسل کے اندھے مقلّد اپنی خودغرض اور بے لگام انانیت کے بُت کی پوجا کرنے لگتے ہیں تو پھر امن اور صلح کی راہ مسدود ہونے لگتی ہے۔ اپنے آپ کو ایسی جارحیت سے بچانے کے لئے مظلوم و مقہور انسان جنگ آزمائی کو اپنے حقوق کی حفاظت کا ذریعہ بنانے لگتے ہیں۔ اس طرح یہ باہمی چپقلش مختلف قوموں کے درمیان بے شمار مصائب اور کدورتوں کا سبب بن جاتی ہے۔ باہمی صلح اور امن ہی میں اقوامِ عالم کی بہتری، خوشحالی، ترقی اور انسانی محبّت و تعاون کا راز مخفی ہے۔ جذبِ باہمی ہی سے انسانی سوسائٹی پُر امن اور خوشیوں کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ بقول شاعر:

حمیدی

؎ ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مارچ 1940ء میں کہا تھا:

''ہم ایک آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ صلح و یگانگت کی زندگی بسر کرنے کے خواہش مند ہیں''۔

جو قوم اپنے مادی وسائل کی کثرت اور اپنی فوجوں اور اسلحہ کی برتری کے نشے میں چُور ہو کر دوسری قوم کو تاخت و تاراج کرنے کا مصمم ارادہ کر چکی ہو اس کا تدارک کرنے کے لئے مناسب تیاری ناگزیر ہو جاتی ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے:

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُم

اور تم اپنی استطاعت کے مطابق دشمن کے لئے تیاری کرو۔

اسلام جارحیت کو پسند نہیں کرتا کیونکہ یہ امن و سلامتی کا علمبردار ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ طاغوتی طاقتوں کے فتنہ و فساد کے انسداد کا بھی حکم دیتا ہے۔

ہمہ گیر دفاع

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ اندھی طاقت کی بجائے اس طاقت کے قائل تھے جو انسانی شرف و احترام اور بہترین اخلاقی اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی رائے میں یہ محض عسکری قوت ہی نہیں بلکہ اس سے ثقافت، معیشت، تعلیم، صنعت و حرفت اور مفید ٹیکنالوجی کی ترقی بھی عبارت ہے۔ ان تمام شعبوں میں ترقی اور طاقت حاصل کئے بغیر کوئی قوم صحیح معنوں میں اپنے فکری نظام اور سیاسی استحکام کا دفاع نہیں کر سکتی۔ علاوہ ازیں وہ اپنے قومی دفاع کے لئے دوسروں پر مکمل بھروسہ کرنے کے بھی حق میں نہیں۔ اس بارے میں ان کے درجِ ذیل ارشادات کس قدر حقیقت کُشا ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''اپنی ذاتی طاقت کے سوا کسی اور پر تکیہ نہ کرو۔ یہی چیز تمھاری واحد اور بہترین محافظ ہے۔ اپنے حقوق اور مفادات کی حفاظت کرنے کے لئے تمھیں اپنے اندر وہ طاقت ضرور پیدا کرنی چاہیئے جو تمھیں اپنے دفاع کے قابل بنا سکے''۔

(آل انڈیا مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں صدارتی خطاب، مارچ 1940ء)

آخر میں اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ خارجی جارحیت کے دفاع کی طرح ملک کے اندر فتنہ وفساد پیدا کر کے ملکی سالمیت اور قومی بقا کو نقصان پہنچانے والی تخریبی قوتوں سے بچاؤ کے اقدامات بھی ضروری ہیں۔ بنابریں قائداعظمؒ کے تصورِ دفاعِ پاکستان کا تعلق اندرونی اور بیرونی دفاع سے ہے۔

□□□

حمیدی

امن وصُلح ---قائداعظمؒ کی نظر میں

اِس امر مسلّمہ سے کوئی بھی امن پسند، باشعور اور انسانیت دوست شخص انکار نہیں کرسکتا کہ فتنہ وفساد اور جنگ وجدال سے انسانی سوسائٹی میں زبردست بگاڑ پیدا ہوجایا کرتا ہے جس کی وجہ سے انسانوں کے باہمی معاملات میں کشیدگی اور نفرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس صورتِ حالات کو ختم کرنے کے لئے امن اور صُلح کی اشد ضرورت ہے تاکہ سب افرادِ معاشرہ اور باشندگانِ ممالک پُرامن زندگی بسر کرنے کے قابل ہوسکیں۔ بدامنی خواہ خاندان میں ہو یا کسی ملک میں، یہ غارت گرِ امن وسکون ثابت ہوا کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کے اندر خیر وشر کی قوتیں پیدا کر رکھی ہیں مگر اس نے نیکی کی طاقتوں کے قیام وفروغ کے لئے بھی رشد وہدایت کا انتظام کر دیا ہے تاکہ انسان ضابطۂ خداوندی کی روشنی میں نیکی کی راہ پر گامزن ہوکر باہمی محبّت و شفقت اور امن وصلح کے ساتھ زندگی گزارتے رہیں۔ انسان کو کٹھ پتلی بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ اسے صاحبِ ارادہ، صاحبِ شعور اور صاحبِ اختیار بنا کر خلافتِ ارضی کا سزاوار قرار دیا گیا ہے۔ امن وصلح کے قیام کے لئے عدل وانصاف کی اہمیّت کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ تمام تنازعات کو منصفانہ انداز میں حل کرنے ہی سے امن وسلامتی کی فضا پیدا کی جاسکتی ہے جس طرح ہر دور میں طاغوتی طاقتوں کے پرستار فتنہ وفساد کو ہوا دے کر انسانی اقدار پر ضربِ کاری لگاتے ہیں اسی طرح نیکی اور انسانیت سے پیار کرنے والے بھی آتشِ فساد کو بجھانے کے لئے ہر ممکن سعی کیا کرتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بھی اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے امن وصلح کی ضرورت واہمیّت پر اپنے مخصوص انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ ذیل میں ان کے تصورِ امن وصلح کے چند پہلوؤں کا مختصراً ذکر کیا جائے گا۔

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کے نظریۂ امن وصلح کے دو نمایاں ترین پہلو مسلمانوں کے درمیان امن وصلح کرانا اور مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان تنازعات کو ختم کرانا تھے۔ قیامِ

پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد وہ اسلامیانِ ہند خصوصاً مسلمانانِ پاکستان کے درمیان باہمی اخوت ومحبّت کے اصولوں پر مبنی امن کی فضا پیدا کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ اسی طرح وہ عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لئے بھی پُرامن تعلقات کو فروغ دینے کے لئے بے تاب رہے۔ وہ برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کو درسِ وحدت وامن دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''اے مسلمانو! تمھیں اپنے اندر مکمل وحدت اور استحکام کو برقرار رکھنا چاہیئے۔ اگر تم آپس میں لڑتے رہو گے تو کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کرے گا اور تم الگ الگ ہوجاؤ گے''۔ (آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن' ناگپور کے پانچویں سالانہ اجلاس میں صدارتی خطاب' 26 دسمبر 1941ء)

ظاہر ہے کہ جب مسلمان آپس میں دست وگریبان رہیں گے تو ان کے اندر وحدت واستحکام اور امن کی کہاں گنجائش باقی رہے گی۔ لامحالہ انھیں صلح وصفائی کے ساتھ رہنے کی ضرورت کا احساس دلانا ہوگا۔ قائداعظمؒ نے اپنے اس صدارتی خطاب میں اس بات کی نشاندہی کی تھی۔ برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے علاوہ وہ عالمِ اسلام کے دیگر مسلمانوں کے لئے بھی امن کے خواہاں تھے۔ فلسطین کا مسئلہ عالمِ اسلام کا قدیم تنازعہ ہے جو بدقسمتی سے ابھی تک حل نہیں ہوسکا۔ اسلامی اخوت کے جذبے کے تحت ہی غیر منقسم انڈیا کے مسلمان قائدین گاہے بہ گاہے مظلوم اور مجبُور عرب مسلمانوں کی حمایت میں اپنے خیالات واحساسات کرتے رہے تھے۔ اس عالمی مسئلہ کی نزاکت کے پیشِ نظر محمد علی جناحؒ نے بھی فلسطینی مسلمانوں کی حمایت میں صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ مسئلۂ کشمیر کے بارے میں بھی انھوں نے آریہ سماجیوں اور مہاسبھائیوں کے ساتھ ساتھ انڈین کانگریس کے لیڈروں کو ہدفِ تنقید بنایا کیونکہ انھوں نے کشمیر میں فتنہ وفساد اور ظلم کی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ فلسطین اور کشمیر کی بدامنی کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے دسمبر 1938ء کو پٹنہ میں منعقد ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں خطبۂ صدارت دیتے ہوئے کہا:

''تم جانتے ہو کہ عربوں کے ساتھ شرمناک سلوک کیا گیا ہے..... ان کے ساتھ زبردست ناانصافیاں ہورہی ہیں..... میں کانگرس سے پوچھنا چاہوں گا کہ کشمیر میں کیا ہورہا ہے..... کیا کشمیر میں یہ ظلم اس لئے کیا جارہا ہے کہ ریاست کشمیر کی رعایا کی اکثریت مسلمان ہے''۔

حصولِ امن اور پُرامن بقائے باہمی کے لئے یہ لازمی ہے کہ ہر قسم کی جارحیت کو ختم کیا جائے۔ اسے ختم کرنے کے لئے یا تو ایک مضبوط' غیر متعصب اور خودمختار عالمی ادارہ ہو جو عدل و

انصاف کے تقاضوں کو کسی رُو رعایت کے بغیر پورا کر کے متحارب گروہوں اور ملکوں کے درمیان مصالحت کرائے یا دوسرے ملک کو خود اتنا مضبوط ہونا چاہیئے کہ وہ اپنا مؤثر انداز میں دفاع کر سکے۔ کمزور ملک ہمیشہ طاقتور اور ظالم ممالک کا ہدف بنا کرتا ہے اور وہ ظلم کے مؤثر انسداد کی بجائے احتجاج وفریاد پر مجبُور ہوجاتا ہے۔ بانیٔ پاکستان تاریخ کے اس نازک مسئلے کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہوئے اکتوبر 1937ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس میں دیئے گئے اپنے خطبۂ صدارت میں کہتے ہیں:

"Honourable settlement can only be achieved between equals, and unless the two parties learn to respect and fear each other, there is no solid ground for any settlement. Offers of peace by the weaker party means confession of weakness, and an invitation to aggression".

قدرت کا یہ نظام ہے کہ جرمِ ضعیفی کی سزا غلامی اور مرگِ مفاجات ہے۔ جب کوئی طاقتور ملک حرص وہوس اور جوع الارض کے نشے میں کمزور ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اس مفتوح ملک کا بری طرح استحصال کرتا ہے اور اپنی جنگ آزمائی کو قیامِ امنِ عالم کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ظلم وجور' استحصال اور ناانصافی کو روکنے کے لئے دوسرے ملک کو مضبوط ہونا چاہیئے۔ اس نقطۂ نظر کے تحت اسلام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے: ''وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُم مِن قُوَّةٍ''۔ اسے اپنے اور خدا کے دشمنوں کے لئے طاقت رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام امن و سلامتی' عدل وانصاف' انسانی اخوت ومساوات اور رحمت ورافت کا دین ہے مگر یہ فسادِ عالم کے انسداد کا بھی تو ذمہ دار ہے۔ ظاہر ہے کہ انسدادِ ستم وجور طاقت کے بغیر ناممکن ہوتا ہے اس لئے قائداعظمؒ نے آبرومندانہ تصفیہ کے لئے باہمی احترام اور طاقت کی اہمیّت کی طرف بلیغ اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ اچھے اور پُرامن تعلقات پر بھی کافی زور دیا ہے۔ الغرض ان کی رائے میں ملکی ترقی وفلاح اور بین الاقوامی تعلقات کی خوشگواری کے لئے امن اور صلح وصفائی لازم ہیں۔ انسانیت اور تہذیب کی اعلیٰ اقدار کے لئے امن ناگزیر ہوجاتا ہے۔

□□□

قائداعظمؒ اور پاک و ہند کی اقلیتیں

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے قبل ہی ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور دیگر اقلیتوں کا مسئلہ تقریباً تمام گروہوں کے قائدین اور برطانوی حکومت کے لئے جاذبِ توجہ بن گیا تھا۔ وہاں رہنے والی مختلف قوموں اور مذاہب کے نمایندوں کے مابین اس مسئلہ کے حل کے بارے میں گفت وشنید اور اخبارات ورسائل کے صفحات میں بحث وتمحیص کا سلسلہ چل پڑا تھا۔ انگریز مدبرین اور انڈین سیاستدانوں نے اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ محمد علی جناحؒ کو بھی یہ سوال پریشان کر رہا تھا کہ تقسیم ہند کے بعد انڈیا میں رہ جانے والے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا اور انھیں کون سے مسائل درپیش ہوسکیں گے۔ اسی طرح دوسرے طبقات کے نمائندگان بھی یہ سوچ رہے تھے کہ پاکستان بن جانے کی صورت میں ہماری اقلیتوں کا کیا حال ہوگا۔ جہاں تک قائداعظمؒ کے نقطۂ نگاہ کا تعلّق ہے، انھوں نے غیر مسلم اقلیتوں کو بار بار یہ یقین کرایا کہ پاکستان میں ان کے جائز حقوق کی حفاظت کی جائے گی اور وہ وہاں امن و امان کی زندگی بسر کرسکیں گے۔ وہ ہندو لیڈروں سے بھی اس قسم کی مفاہمت اور ضمانت کے خواہاں تھے۔ ذیل میں اس اہم موضوع کے چند گوشوں کی نقاب کشائی کی اجمالی طور پر کوشش کی جاتی ہے۔

قائداعظمؒ کے سامنے اقلیتوں کے تین نمایاں گوشے یہ تھے: (۱) ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کا مسئلہ (۲) پاکستان میں پیچھے رہ جانے والے غیر مسلموں کا مسئلہ (۳) انڈیا میں مسلم اقلیت کے بارے میں پاکستان کے مسلمانوں کی ذمہ داریاں۔ آیئے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ قیامِ پاکستان کے لئے جدوجہد کرنے اور انڈیا میں رہ جانے والے مسلموں کے بارے میں ان کی کیا رائے تھی۔ اسے ان کے اپنے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ وہ مسلم اقلیت کے علاقوں کی جدوجہد اور قربانی کو مدنظر رکھتے ہوئے 24 اپریل 1943ء کے موقع پر آل انڈیا

مسلم لیگ کے اجلاس کے خطبۂ صدارت میں کہتے ہیں:

"Do not forget the minority provinces. It is they who spread the light when there was darkness in the majority provinces".

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کرکے پاکستان آنے والے مسلمانوں نے بھی پاکستان بنانے میں بہت زیادہ قربانیاں دی تھیں مگر انڈیا میں رہ جانے والے مسلمانوں نے اپنا مستقبل مخدوش بنا کر پاکستان کے مستقبل کو درخشاں اور ہمیں آزادی سے ہمکنار کرنے کے لئے سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ آج وہ انڈیا میں جس زبوں حالی اور عدمِ تحفظ کے احساس کا شکار ہیں وہ ناگفتہ بہ ہے۔

بانیٔ پاکستان نے انڈیا اور پاکستان میں مقیم اقلیتوں کے گوناگوں مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے بار بار انڈیا کو یہ تجویز پیش کی کہ آؤ ہم اپنی اپنی اقلیتوں کی حفاظت کا پختہ عہد کریں اور انھیں امن وامان کی زندگی بسر کرنے کی ضمانت دیں۔ وہ نیک نیتی کے ساتھ اقلیتوں کے جملہ مسائل حل کرنے کے لئے ہمیشہ مضطرب رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی تقاریر اور بیانات کی ایک دو جھلکیاں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ انھوں نے 2 نومبر 1942ء کو مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ کے زیر اہتمام منعقدہ میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے ہندو سیاستدانوں کو یہ دعوتِ فکر وعمل دی تھی:

> ''میں یہ کہتا ہوں کہ آیئے ہم اچھے ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کریں اور حلفاً یہ ذمہ داری قبول کریں کہ تم اپنے علاقوں میں ہماری اقلیتوں کی حفاظت کرو گے اور ہم اپنے علاقوں میں تمھاری اقلیتوں کو تحفظ دیں گے''۔

اس کے چند دنوں بعد انھوں نے اسی ماہ کی پندرہ تاریخ کو آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے مذہب نے ہمیں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور عدل وانصاف کے رویے کا حکم دیا ہے۔ نیز ان کی حفاظت پر بھی زور دیا ہے۔ ان کی اس تقریر کا لبِ لباب ان کے اپنے الفاظ میں درج ذیل ہے:

"..... Our religious instruction enjoins that every non-Muslim minority under a Muslim government shall be treated justly and farily".

محمد علی جناحؒ نے بجا کہا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے یہ مسلم ریاست کا فرض ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کی جان، آبرو اور مال کی حفاظت کرے۔ اس میں کسی قسم کی لسانی، لونی، نسلی، قبائلی

اور مذہبی تفریق کی گنجائش نہیں۔ انسان ہونے کی حیثیت سے وہ بھی آدم وحوا کی اولاد ہیں اس لئے وہ بھی تکریم اور عزت کے مستحق ہیں۔

نبی اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

الْخَلقُ عیال اللّٰہ فاحبّ الخلق الَی اللّٰہِ من اَحْسَنَ اِلٰی عیالِہٖ

''ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے پس اللہ اس انسان سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے جو خدا کی مخلوق یعنی اس کے کنبہ سے زیادہ بھلائی کرتا ہے''۔

غیر مسلم اقلیت کو اپنی عبادت گاہوں میں جا کر اپنے طور طریقوں کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی ہے۔ یہ مذہبی رواداری اسلامی تہذیب وثقافت کی ایک نمایاں خوبی ہے۔ مسلم ریاست میں مقیم غیر مسلموں کو زبردستی حلقہ بگوش اسلام کرنے کی قرآن نے ممانعت کرتے ہوئے کہا ہے:

لَا اکراہَ فی الدِّین قَد تَبیَّنَ الرُّشدُ مِنَ الغیّ (البقرہ۲:۲۵۶)

''دین میں زبردستی کرنا نہیں ہے۔ ہدایت' گمراہی سے واضح ہو چکی ہے''۔

مزید برآں اس بات کو بھی وہ پسند نہیں کرتا کہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے مذہبی راہنماؤں کو بُرا بھلا کہا جائے۔ الغرض قرآنِ حکیم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم شہریوں کی ہر طرح سے عزت وآبرو اور ان کی عزتِ نفس کے تحفظ کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے جب یہودیوں پر عیسائی ممالک میں عرصۂ حیات تنگ کیا گیا تو وہ مسلم مملکت میں آ کر پناہ گزین ہوئے اور وہ وہاں پُرامن زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اگر کسی مسلم ریاست میں چند غلط عناصر ان کو کبھی پریشان کریں تو اسلام کی بجائے اُن شر پسندوں کو مطعون کرنا چاہیئے جو غلط روش اختیار کر کے ایسا کرتے ہیں۔ اسلام کے اکثر دشمنوں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ صحیح مسلم ریاستوں میں غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تھا۔ ان تمام حقائق کے پیشِ نظر قائداعظمؒ نے بھی مسلم وغیر مسلم اقلیتوں کے جائز حقوق' ان کے تحفظ اور پُرامن طرزِ معاشرت کی حمایت کی ہے۔

□□□

ذکرِ رسولؐ اور محمد علی جناحؒ

ہادیٔ اعظم اور محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات جملہ کائنات جن وانس میں خدا تعالیٰ کی بزرگ ترین ہستی ہیں۔ جس ہستیٔ اعظم کی مدح سرائی خالقِ کائنات اور اس کے ملائکہ کرتے ہوں' اس کی عظمت وشان کو بیان کرنا کسی انسان کے بس میں کیسے ہو سکتا ہے؟ اس انسانی عجز وہیچ حرزی کے باوجود ہمیں بھی ان پر صلوٰۃ وسلام کا نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کا یوں حکم دیا گیا ہے:

یاایھا الذین امنوا صلو علیہ وسلمو تسلیمًا

''اے اہلِ ایمان! تم بھی ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو''۔

کائنات میں شب و روز اذان وصلوٰۃ کے علاوہ دیگر اذکارِ جلیلہ میں بھی ان کا اسمِ گرامی لیا جاتا ہے کیونکہ یہ نام خیر وبرکت اور اہلِ ایمان کے اذہان وقلوب کی حرارت اور سکون کا باعث بنتا ہے اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔

خدا تعالیٰ نے اس پاک نام کو بلند کرنے اور اسے ہمیشہ بلند رکھنے کی ضمانت دیتے ہوئے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا ہے: وَرَفَعنا لَکَ ذِکرکَ ''اور ہم نے تمہارے لئے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا ہے''۔

وہ کون سا مسلمان ہے جو ذکرِ رسولؐ کی اہمیت وافادیت سے آگاہ نہیں؟ یہی ذکرِ حسین تو عاشقانِ رسولؐ کے دلوں کی زندگی اور حرارت کا باعث ہے۔ بقول اقبالؒ:

در دلِ مُسلم مقامِ مصطفیٰؐ ست
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ ست

ہر مسلمان کے دل میں مصطفیٰؐ کا مقام ہے اور ان کے نام ہی سے ہماری آبرو قائم ہے۔

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کی کئی تقاریر اور بیانات میں ذکرِ رسولؐ کا پتا چلتا ہے۔ ایسا کیوں

نہ ہوتا؟ وہ بھی تو ملتِ اسلامیہ کے بہی خواہ اور اُمت محمدیہؐ کے عظیم فرزند تھے۔ وہ مسلمان ہی کیا ہے جو سرورِ کائناتؐ اور فخرِ موجوداتؐ سے اپنی عقیدت و محبّت کا اظہار نہ کرے اور اپنی تحریر و تقریر کو ان کے ذکرِ روح پرور سے آراستہ نہ کر سکے۔

محمدؐ کی محبّت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محمد علی جناح علیہ الرحمۃ نے اپنی مختلف تقاریر اور بیانات میں اپنے نقطۂ نگاہ کی وضاحت کرنے کے لئے کئی مقامات پر اسلامی تاریخ، قرآنِ حکیم اور اسوۂ رسولؐ سے استشہاد کیا ہے۔ اس امر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی تاریخِ اسلام اور اسلاف کے کارناموں سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اس کی چند مثالیں اس مختصر مضمون میں بیان کی جاتی ہیں۔ انھوں نے 13 نومبر 1939ء کو یومِ عید پر اپنی ایک نشری تقریر میں عیدالفطر اور رمضان المبارک کی روحانی، ثقافتی اور عمرانی اہمیّت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا تھا:

"The discipline of the Ramzan fast and prayer will culminate to-day in an immortal meekness of heart before God.... This discipline of Ramzan was designed by our Prophet to give us the necessary strength for action. And action implies society of man. When our Prophet preached action he did not have in mind only the solitary life of a single human being".

رمضان المبارک کے روزوں، تراویح اور نمازِ عیدالفطر کی عبادت مسلمانوں کے اندر حیرت انگیز نظم و ضبط، اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسولؐ کا جذبہ بیدار کرتی ہے تاکہ ایک ماہ کی یہ روحانی اور اخلاقی تربیت ہمارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا کر کے ہمیں معصیت سے دُور رکھ سکے۔

رمضان المبارک کے روزے اس نظم و ضبط کے علاوہ ہماری اجتماعی زندگی کی یک رنگی کے بھی مظہر ہوتے ہیں۔ بانیٔ پاکستان نے بجا کہا ہے کہ یہ نظم و ضبط کسی فردِ واحد کے لئے نہیں بلکہ یہ پوری مسلم سوسائٹی کی تربیت اور قوتِ عمل کی بیداری کا ذریعہ بنتا ہے۔ رضائے الٰہی کی خاطر بھوک اور پیاس کی سختی کو برداشت کرنے سے ہمیں نہ صرف اخلاقی، روحانی اور طبی فوائد حاصل ہوتے ہیں بلکہ سماجی فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اجتماعیت بھی اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز ہے۔

مسلم لیگ کی طرف سے نظریۂ پاکستان کے فروغ کے لئے جو مساعی جاری تھیں، انھیں

ہندو راہنما خصوصاً گاندھی اور کانگرس والے ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اس نظریئے کی مخالفت کے لئے مختلف حیلے بہانے تلاش کرتے رہتے تھے۔ آنجہانی گاندھی نے مارچ 1942ء میں اپنے ایک بیان میں یہ کہا کہ مسلم لیگ اگر پاکستان قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی تو پھر ہندو اقلیت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ قائداعظم نے گاندھی کی اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے کہا کہ قرآن اور ہمارے پیغمبرؐ نے غیر مسلم اقلیت کے ساتھ عادلانہ، مساویانہ اور فیاضانہ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"Islam enjoins us to treat our fellowmen as equals. The Hindus and other communities in Pakistan will be treated with justice and fair play-nay, with generosity. ... it is enjoined upon us by the highest authority. The Quran and the Prophet". *(March 11, 1942)*

اس حقیقت کا دوبارہ تذکرہ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے تحت ایک منعقدہ اجلاس بمقام دہلی (24 اپریل 1943ء) کے صدارتی خطاب میں یوں کیا تھا:

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا واضح ترین ثبوت دیا ہے کہ ان کے دور میں غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف اور فیاضی کا سلوک کیا گیا تھا"۔

گاندھی جی اور ان کی کانگرس پارٹی غیر منقسم انڈیا میں نظریۂ جمہوریت کی آڑ میں ہندو راج کے قیام کے لئے کوشاں تھی۔ چونکہ آبادی کے لحاظ سے ہندو اکثریت میں تھے اس لئے وہ بڑے شد و مد سے جمہوریت کا راگ الاپنے میں مصروف تھے۔ وہ اپنی اکثریت کی بنا پر اس طرزِ حکومت کے تحت مسلمانانِ ہند کو اپنا محکوم بنانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ بانیٔ پاکستان ان کی اس ریشہ دوانی سے بخوبی آگاہ ہونے کے سبب اس کے حق میں نہیں تھے۔ وہ ہندو قائدین کی اس غیر مخلصانہ اور معاندانہ پالیسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے گریزاں رہے۔ قائداعظمؒ نے اپنی مختلف تقاریر اور بیانات میں مغربی طرزِ حکومت کو غیر منقسم انڈیا کے سیاسی حالات کے پیشِ نظر غیر موزوں قرار دیا تھا۔ انھوں نے 6 مارچ 1940ء کو مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے مغربی طرز کی جمہوریت کو ہدفِ تنقید بنایا اور مختلف دلائل دیئے۔ ان کے تنقیدی دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ مغرب کے مختلف ملکوں میں بھی جمہوریت کے مختلف نمونے موجود ہیں اس لئے

غیر منقسم انڈیا کے مختلف حالات برطانیہ کے جماعتی طرزِ حکومت اور نام نہاد جمہوریت کے لئے موزوں نہیں۔ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ تنگ نظر اور فرقہ پرست ہندو لیڈر اپنی اکثریت کو مدنظر رکھتے ہوئے مغربی طرز کی جمہوریت کو مسلمانوں پر ٹھونسنا چاہتے ہیں تا کہ وہ ہندو راج قائم کریں اور مسلمانوں کو اپنا غلام بنائیں۔ یہاں قائداعظمؒ کے اپنے مؤثر الفاظ کا حوالہ دینا بے جا نہ ہوگا۔ ان کی مُسکت دلیل کا انداز ملاحظہ ہو:

"So far as I have understood Islam, it does not advocate a democracy which would allow the majority of non-Muslims to decide the fate of the Muslims. Mr. Gandhi's hope is to subjugate and vassalise the Muslims under a Hindu raj".

اسلام کے نزدیک حق و باطل کا امتیاز ہمیشہ اکثریت کی رائے نہیں۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغز دوصد خر فکرِ انسانی نمی آید

(جمہوری طرز سے گریز اختیار کر کے ایک پختہ کار کے غلام بن جاؤ کیونکہ دو سو گدھوں کے مغز مل کر بھی انسانی فکر پیدا نہیں کر سکتے۔)

رسول اکرمؐ کے عطا کردہ نظام کی غلامی مغربی طرزِ جمہوریت کی پیروی سے ہر صورت میں افضل و اعلیٰ ہے۔ قائداعظمؒ نے اپنے مذکورہ بالا الفاظ میں درست کہا ہے کہ اسلام اس جمہوریت کا قائل نہیں جس میں غیر مسلم اپنی اکثریت کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا غلام بنالیں اور ان کی تقدیر کے مالک بن جائیں۔ بانیٔ پاکستان نے بعدازاں 24 اپریل 1943ء کو علی گڑھ میں انعقاد پذیر ہونے والے اجلاس کے صدارتی خطبہ میں بھی مغربی طرز کی جمہوریت کی بجائے اسلامی جمہوری نظام کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"We learned democracy 1300 years ago.... it is our blood and it is as far away from the Hindu society as are all the Aretic regions.... It is we who have learned the lesson of equality and brotherhood of man".

ان الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درسِ اخوت اسلامیہ وحدتِ انسانی اور اسلام کے شورائی نظام کے خدوخال دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسلام نے قبائل و شعوب، لسانی، جغرافیائی، نسلی اور دیگر امتیازات کی بجائے تقویٰ کو معیارِ فضیلت قرار دیا ہے۔ اس نے تمام انسانوں کو باعثِ تکریم

خیال کرتے ہوئے کہا ہے:

وَلَقَد كَرَّمنَا بنی آدم

''اور ہم نے تمام اولادِ آدم کو واجب التکریم بنایا ہے''۔

قرآن نے باہمی مشاورت، اتحادِ اُمت، ملّی مرکزیت اور عوامی فلاح اور فروغِ حق و صداقت کا حکم دیا ہے نہ کہ تفرقہ بازی کا۔ حضورؐ نے قوم کے سربراہ کو افرادِ ملّت کا خادم قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا: سَیِّد القوم خادِمُھم ''قوم کا سردار افرادِ قوم کا خادم ہوتا ہے۔ کیا ہمارے ہاں کا مطلوبہ جمہوری نظام اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ اربابِ فکر و دانش خود اس اہم سوال کا جواب دے سکیں گے۔ قومی سیادت حقیقت میں قومی خدمت کا دوسرا نام ہی تو ہے۔ قائداعظمؒ نے متعدّد بار سیاست کا مقصود زرطلبی کی بجائے خدمتِ عوام اور فلاحِ ملّت قرار دیتے ہوئے اسلام کے حقیقی اور شورائیت پر مبنی نظام جمہوری کی نشاندہی کی ہے۔ فی الحال اس طویل موضوع کی وضاحت کا وقت نہیں۔ قائداعظمؒ کے دیگر اہم نظریات کی آگاہی کے لئے ان کے تمام بیانات اور تقاریر کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

محمد علی جناحؒ کو ہم نے محض سیاسی لیڈر ہی سمجھ رکھا ہے کیونکہ ان کی فکر کے دیگر اہم گوشے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ سیاست کے علاوہ انھیں تاریخِ عالم اور اسلام سے بھی گہری دلچسپی تھی جیسا کہ اس مختصر سے مضمون کے مطالعہ سے قارئینِ کرام کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ ان کی فکر کا یہ پہلو بھی لائقِ مطالعہ اور قابلِ تحقیق ہے۔

؎ اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

□□□

آزادیٔ پاکستان اور قائداعظمؒ

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے پاکستان کی آزادی کے حصول کے لئے جو شاندار اور عظیم خدمات سرانجام دی ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ نہ صرف اسلامیانِ برصغیر پاک و ہند بلکہ اغیار بھی ان کی مساعیٔ جمیلہ، ان کی سیاسی بصیرت اور حیرت انگیز قائدانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرنے پر مجبُور ہو جاتے ہیں۔ تمام باشندگانِ پاکستان خصوصاً مسلمان انھیں اپنا عظیم سیاسی راہنما اور محسنِ خیال کرتے ہیں کیونکہ ان کی ان تھک کوششوں اور ولولہ انگیز قیادت کی وجہ سے انھیں اغیار کی غلامی سے نجات ملی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ایک نئی مسلم مملکت کا قیام بہت بڑا معجزہ تھا۔ ان کے بلند مقاصد و عزائم، ان کی مقناطیسی شخصیت اور ان کی پُرخلوص قیادت سے متاثر ہو کر تمام مسلمان ان کے شانہ بشانہ حصولِ آزادی کے لئے جدوجہد پر آمادہ ہو گئے تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم ان کی میراث کی کماحقہٗ قدر نہ کر سکے اور اُن بلند مقاصد سے دُور ہوتے گئے جن کی روشنی میں قائداعظمؒ منزلِ آزادی کی طرف گامزن ہوئے تھے۔ غیروں کی سازشوں کا تو کیا ذکر ہم نے خود اندرونی خلفشار، باہمی جنگ و جدال، مختلف قسم کی عصبیتوں اور نظریاتی تنازعات کا شکار ہو کر اپنی قومی ساکھ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ آیئے ہم آج اس امر کا تنقیدی جائزہ لیں کہ وہ کون سے ارفع مقاصد تھے جن کو مدنظر رکھ کر بانیٔ پاکستان نے آزادیٔ پاکستان کے لئے جدوجہد کی تھی۔ اس مختصر مضمون میں ان مقاصد کا اجمالی تذکرہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ آزادی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ افراد کی طرح قوموں کو بھی آزادی کی قدر و قیمت کا بخوبی احساس ہوا کرتا ہے۔ غلامی ایک ایسی لعنت ہے جو انسانوں کی فکری، روحانی اور عملی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے انھیں اپنی خودی، قومی شناخت اور ثقافتی تشخص سے اس طرح محروم کر دیتی ہے کہ وہ قعرِ مذلت میں گر جاتے ہیں۔ جسمانی غلامی سے ذہنی غلامی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ انسان عقل و شعور اور غیرت کی بلندیوں

سے گر کر حیوانیت کی سطح تک پہنچ جایا کرتا ہے۔ اس زبوں حالی اور پستی کو دیکھ کر چند مصلحین اور اہلِ بصیرت آگے بڑھ کر ان کی فلاح و ہدایت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ ان کے نجات دہندہ بن جایا کرتے ہیں۔ غلامی کی وجہ سے محکوم قوم کے افراد کا اندازِ نظر اس قدر بدل جاتا ہے کہ انھیں اپنے حاکموں کی ہر بات اچھی لگتی ہے اور وہ اپنی اعلیٰ اقدارِ حیات سے نفور ہو جاتے ہیں۔ اس غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہوئے حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے بجا ہی کہا تھا:

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ایسی حالت میں انسان خدا کا بندہ بننے کے بجائے انسانوں کا بندہ ہو کر اپنی خودی کو کھو بیٹھتا ہے۔ آزادیٔ پاکستان سے قبل اسلامیانِ ہند کی اخلاقی، سیاسی، معاشی، تہذیبی، علمی اور سماجی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ برٹش-بنیا گٹھ جوڑ نے انھیں ہر شعبۂ حیات میں پس ماندہ بنا دیا تھا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد تو ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ مسلمانوں کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے بعض مخلص اور دُور اندیش مصلحین اور مفکرین نے بہت سی تحریکیں شروع کیں۔ آخر میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام سے مسلمانوں کو بہت تقویت ملی۔ کانگرس سے دل برداشتہ ہو کر محمد علی جناحؒ مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور انھوں نے اس تنظیم کو اپنی مساعی کا مرکز و محور بنایا اور حصولِ پاکستان کی جدوجہد ثمرآور ہو گئی۔

قائداعظمؒ کے تصورِ آزادیٔ پاکستان کے چند عناصر ترکیبی کی یہاں نشان دہی کی جائے گی تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ کن اہم اور بنیادی مقاصد کے پیشِ نظر قیامِ پاکستان کے لئے سعی کی گئی تھی۔ ان کی سیاسی فکر کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ سارے انڈیا کی آزادی کے قائل تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ انگریزوں کی محکومیت سے چھٹکارا پا کر دو بڑی قومیں یعنی مسلمان اور ہندو اپنے اپنے نظریۂ زندگی کے مطابق زندگی گزار سکیں اور اچھے ہمسایوں کی طرح پُرامن زندگی بسر کریں اور اپنی اپنی اقلیتوں کے حقوق کی بھی نگہداشت کریں۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد وہ صرف کسی ایک مخصوص طبقہ یا گروہ کی آزادی کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ سوسائٹی کے تمام بے بس، کمزور، مظلوم، مقہور اور استحصال زدہ لوگوں کی آزادی کے علمبردار تھے۔ انھوں نے 1938ء میں مسلم یونیورسٹی یونین میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

"…. it will be a freedom not only for the strong and the dominant but also for the weak and the suppressed".

حقیقی سیاسی آزادی تو وہی ہوتی ہے جس میں تمام لوگوں کو حریتِ فکر و عمل حاصل ہو۔ اگر

کوئی ملک غلاموں اور آقاؤں میں منقسم ہو جائے تو پھر وہاں عدل و انصاف اور پُر امن زندگی کی بجائے باہمی خانہ جنگی، بدامنی، لاقانونیت، ظلم و ستم اور خونیں انقلاب کی فضا پیدا ہونے لگتی ہے۔ ایسے عالم میں معاشی ترقی اور بیرونی سرمایہ کاری کی راہ بھی مسدود ہو جایا کرتی ہے۔ اسلامیانِ پاکستان کے اس سیاسی نجات دہندہ کے تصورِ آزادی کا ایک اہم گوشہ بیرونی حاکمیت سے نجات پانے سے منسلک ہے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ ہم ہر قسم کی بیرونی حاکمیت سے آزاد رہیں وگرنہ یہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے کے مترادف ہوگا۔ انھوں نے نومبر 1942ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں اپنے اس نظریئے کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا:

"We want to be masters of our own land, we would like to say good-bye and forewell to British domination over this land".

اسی سال انھوں نے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور ان سے حسنِ سلوک کی ضمانت دیتے ہوئے فرمایا تھا:

"Our religious instruction enjoins that every non-Muslim minority under a Muslim government shall be treated justly and fairly".

مسلم مملکت کے قوانین کی پابندی کرنے والے پُر امن غیر مسلموں کی جان، مال، آبرو اور ان کے پرسنل لاء کی حفاظت حکومت پر لازم ہوتی ہے۔ پُر امن بقائے باہمی کے اصول پر عمل کرنے والے تمام شہری اس حفاظت کے حق دار ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ کسی قسم کی تخریبی ملک دشمن اور سازشی سرگرمیوں میں ملوث ثابت نہ ہوں۔ بانیٔ پاکستان اپنے خوابوں کی اس سرزمین کو ہر لحاظ سے مستحکم، خوشحال، پُر امن، ترقی پذیر اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کا آئینہ دار دیکھنے کے آرزومند تھے۔ انھوں نے اس گلشنِ پاک کی آبیاری میں اپنا خونِ جگر صرف کیا تھا اور خود اس سے کوئی ذاتی مفادات وابستہ نہیں کئے تھے۔ ان کی مخلصانہ کوششوں، مومنانہ فراست، حق گوئی، بے باکی اور ایثارِ نفس سے متاثر ہو کر مسلم عوام نے ان کی آواز پر لبیک کہی اور یوں یہ کاروان منزلِ مقصود کی جانب گامزن ہوتا گیا۔ یہ ان کی پرکشش قیادت کا اثر ہی تھا کہ سب مسلمان اپنے فروعی، گروہی، صوبائی اور مذہبی اختلافات کو بھلا کر ان کے پیچھے چل دیئے اور انھوں نے ایمان، اتحاد اور تنظیم کے زریں اصولوں پر عمل کرتے ہوئے آزادیٔ پاکستان اور مملکت اسلامیہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر دیا تھا:

؎ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

□□□

قیامِ پاکستان اور فلاحِ عامّہ

افراد اور قوم کے درمیان جب تک گہرا ربطِ باہمی، فکر و نظر کی ہم آہنگی، وحدتِ مقصد اور باہمی اعتماد و محبّت کی فضا قائم رہتی ہے اس وقت تک وہ مراحلِ ترقی طے کرتے رہتے ہیں۔ بہترین افراد کے اجتماع ہی سے بہترین قوم کی تشکیل و تعمیر ممکن ہے۔ اس کے برعکس ان کا باہمی انتشارِ فکر و عمل اور متصادم نظریات ان کی پس ماندگی، بدامنی اور انحطاط کا باعث بن کر دونوں کی رسوائی اور ذلت کے مظہر بن جایا کرتے ہیں۔ اگر کسی ملک کے حکمران، اہلِ سیاست اور دوسرے بااقتدار گروہ عوام کے بنیادی حقوق اور ان کی صحیح تربیت اور فلاح کو نظر انداز کر دیں تو پھر لامحالہ افرادِ قوم کی زندگیاں بھی کماحقہٗ نشو و نما نہیں پا سکتیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو افراد بھی قوم کی ترقی و خوشحالی کا سبب بنتے ہیں بقولِ اقبالؒ:

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارا

پاکستان کے قیام کا ایک اہم پہلو انڈیا کے مظلوم، مقہور، مجبور، استحصال زدہ، پس ماندہ اور غلام مسلمانوں کی سیاسی آزادی، مذہبی حریت، معاشرتی امن و سکون، اقتصادی خوشحالی اور ثقافتی ورثے کی حفاظت کے لئے ایک ایسی آزاد اور خودمختار مملکت کا حصول تھا جو اسلامی نظام کے حوالے سے ان کی ہمہ گیر ترقی و فلاح کا باعث بن سکے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے کے سیاسی، تہذیبی، معاشی اور مذہبی حالات پر گہری نگاہ رکھنے والے اہلِ فکر و دانش اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بے شمار مصائب و آلام کا شکار تھے۔ چند دردِ دل رکھنے والے حضرات نے مسلمانوں کو اس قعرِ مذلت سے نکالنے کے لئے اپنے اپنے انداز میں مختلف تحریکیں چلائیں تاکہ ہماری نجات اور آزادی کی راہ نکل سکے۔ اس پریشان کن منظر کو سامنے رکھتے ہوئے قیامِ پاکستان کے حصول کے لئے ان تھک اور صبر آزما جدوجہد کا آغاز کیا گیا تھا۔

مسلمان عوام نے اپنے اُن دُوراندیش اور مخلص قائدین کی مساعی کو بارآور بنانے کے لئے پورا پورا تعاون کیا اور اس عظیم نصب العین کے لئے کسی قسم کی مالی اور جانی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ مملکتِ پاکستان کی تشکیل گویا عوام الناس کی مسلسل قربانیوں کی ایمان افروز داستان اور ان کی حسین آرزوؤں کی تکمیل کا دوسرا نام ہے۔ ایسے ایثار پیشہ، جانباز، پُر خلوص اور جفا طلب عوام کی فلاح و بہبود کو پسِ پشت ڈالنا گویا قیامِ پاکستان کے ان مقاصدِ جلیلہ سے رُوگردانی کے مترادف ہوگا۔ اربابِ دانش خود حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں:

؎ اے اہلِ نظر! ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

دنیا کے تمام انسانیت دوست مفکرین اور مصلحین نے عام انسانوں کی خدمت کی اہمیّت کے بارے میں بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ ایک ہی ملک اور قوم کے رہنے والوں کی خدمت اور فلاح کی اہمیّت تو اور بھی زیادہ لازم ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں وہاں کے افراد اور مملکت کے تمام شہریوں کی بہبود تو بقائے باہمی اور پُر امن تعلقات کی خوشگواری کے لئے بے حد ناگزیر ہے کیونکہ مملکت اور عوام الناس معاہدۂ عمرانی (social contract) کی رُو سے آپس میں شیر و شکر ہونے چاہئیں۔ اس باہمی عہد کو تادیر استوار رکھنے کے لئے افراد کے علاوہ حکومتوں پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اگر معاہدے کا ایک فریق تو اپنے فرائض کو صحیح طور پر سرانجام دے اور دوسرا اپنے فرائض کی بجاآوری میں غفلت شعار بن جائے تو پھر دونوں کے درمیان زیادہ عرصہ تک خوشگوار تعلقات قائم نہیں رہ سکتے۔ معاشرتی زندگی کے تار و پود کو یکجا اور مربوط رکھنے کے لئے دونوں کے لئے یہ ناگزیر ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کریں۔ اسی میں ان کے استحکام، ترقی اور بقا کا راز مخفی ہوتا ہے وگرنہ دونوں کے نظریاتی تصادم سے محبّت و تعاون کا رشتہ ٹوٹ جائے گا اور پوری قوم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور یہ کہنا ہوگا:

؎ کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم کھنچے رہے
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

اب ہم مختصر طور پر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس مملکت کے بانی کے سیاسی افکار میں فلاحِ عامہ کو کیا مقام دیا گیا ہے اور اس کے قیام سے پہلے انھوں نے اس ضمن میں کیا کہا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنی تنظیم ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے لکھنؤ اجلاس کے موقع پر اپنے خطبۂ صدارت میں مسلمانانِ ہند کی فلاحِ عامہ کی افادیت و اہمیّت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''انڈیا کے ہر صوبے، ہر ضلع، ہر تحصیل اور ہر گاؤں کے مسلمانوں سے میں یہ کہتا ہوں کہ اس وقت تمہارا اوّلین فرض یہ ہے کہ تم مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی حالت کو سدھارنے کے لئے کسی تعمیری پروگرام کے ذرائع استعمال کرو''۔ (اکتوبر 1937ء)

عام مسلمانوں کی تعلیمی، معاشرتی، اقتصادی اور جسمانی بہبود کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرتے ہوئے 24 دسمبر 1940ء کو انھوں نے اپنے ایک پیغام میں کہا تھا:

"We must take up constructive programme for the betterment of our people, educationally, socially, economically and physically..... I would especially appeal to the Muslim studtents and intelligentisa to be up and doing".

مملکتِ پاکستان کی تاسیس و تشکیل کے بعد بھی انھوں نے اپنے کئی بیانات اور تقاریر میں اس بات پر زور دیا تھا کہ عام لوگوں کی حالت کو سنوارنے اور ان کی ذات کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے ٹھوس اور مفید اقدامات کئے جائیں۔ ایک بالغ نظر اور مخلص راہنما کی حیثیت سے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ کسی مملکت کے باشندوں کی حالت کو سنوارے بغیر وہ مملکت صحیح معنوں میں مضبوط، خوشحال، پُر امن اور دیرپا نہیں ہو سکتی۔ انسانوں کی خدمت اور ان کی بہبود ہی ملک و قوم کے عروج کا باعث بنا کرتی ہیں جو سیاسی اور مذہبی نظام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو دبانے اور غصب کرنے کی کوشش کرے گا وہ زود یا بدیر ختم ہو جائے گا کیونکہ قدرت افراد کی کوتاہیوں سے تو درگزر کر سکتی ہے مگر وہ قوموں کے گناہوں، ان کے ظالمانہ اقدامات اور فساد انگیز حربوں کو معاف نہیں کیا کرتی۔ اقتدار کے نشے میں مست ہو کر عام انسانوں خصوصاً اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کو نظر انداز کرنے کے نتائج انقلاب آفرین اور عبرت ناک ہوا کرتے ہیں۔ قدرت کا یہی فتویٰ ہے:

ع حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

□□□

پاکستان اور قومی سیادت کا معیار

مملکتِ پاکستان کے قیام سے پیشتر ہی اس کے بانی نے قوم کی قیادت اور سیادت کرنے والوں کے بارے میں اپنے مخصوص آئینی نظریات اور سیاسی افکار کا اظہار کر کے اس کی راہ متعین کر دی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک بلند پایہ قانون دان اور بالغ نظر سیاستدان ہونے کی وجہ سے عوام الناس اور ان کے سیاسی راہنماؤں کے باہمی ربط اور اہمیّت سے بخوبی آگاہ تھے۔ انھیں اس امر کا گہرا ادراک تھا کہ مستقبل میں آئینی گتھیوں اور سیاسی پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے ہی اس کی قیادت و سیادت کے مناصب پر فائز ہونے والوں کے لئے چند راہنما اصول بتا دیئے جائیں تا کہ ملک و وطن سیاسی بحرانوں کا شکار نہ ہوں۔

یہ بات باعث تاسف ہے کہ ان کی واضح ہدایات اور فکر انگیز ارشادات کے باوجود ہماری قومی قیادت عوام الناس کی پوری توقعات کی آئینہ دار نہ ہو سکی۔ اس کے ذمہ دار عوام بھی ہیں اور اہلِ سیاست بھی۔ اگر ہماری سیاسی جماعتیں حقیقی طور پر عوام کی فلاح و بہبود اور خدمت کے لئے کوشاں ہوتیں تو پاکستان میں بار بار قیادتِ قومی کے بحران پیدا نہ ہوتے۔ جب تک عوام اور اربابِ حل وعقد کے درمیان فکری ہم آہنگی باہمی مقاصد کے تعیّن کی خوشگوار فضا، قومی یک جہتی کی آرزو اور ملکی فلاح و بہبود کے بارے میں پرخلوص تعاون و محبّت کے جذبات کی فراوانی کی اہمیّت و افادیت کا شدید احساس موجود رہتا ہے۔ اُس وقت تک وہ قوم ترقی و خوشحالی کے مراحل طے کرتی رہتی ہے جونہی یہ احساس کمزور ہونے لگتا ہے تو عوام الناس اور سیاستدانوں کے درمیان مفاہمت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ عوام اور اہلِ سیاست کے حقوق و فرائض کی صحیح نگہداشت کا جذبۂ صادق ہی انھیں آپس میں متحد و مربوط رکھتا ہے۔ جب سیاسی قائدین عوام اور ملک کی صحیح خدمت کی بجائے ذاتی مفادات اور گروہی تعصّبات کو مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں تو پھر عوام کے اندر اضطراب کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ان کے اندر سیاستدانوں کے خلاف نفرت اور

غصہ کے جذبات پرورش پاتے ہیں جن کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرتی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں بانیٔ پاکستان کے چند درج ذیل اقتباسات ہمارے لئے حقیقت کُشا ثابت ہو سکتے ہیں۔

قائداعظمؒ کی رائے میں مسلم لیڈروں کا بنیادی فرض یہ ہے کہ وہ عوام الناس کی جائز ضروریات کو پیشِ نظر رکھ کر اُن کی فلاح و بہبود کا لائحہ عمل بنائیں اور زندگی کے اہم شعبہ جات میں ان کی رہنمائی کریں۔ وہ عوام کے خادم ہیں نہ کہ ان کے آقا اور مخدوم۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

سَیِّدُ القومِ خَادِمُھُم ''قوم کا سردار افرادِ قوم کا خادم ہے''۔

سیاست کو عوام کی خدمت کا ذریعہ بنا کر وہ دنیا و دین کی حسنات کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر انھیں روسیاہی ہی ملے گی۔ بانیٔ پاکستان نے شاید اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے مارچ 1940ء میں لاہور میں انعقاد پذیر آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں کہا تھا:

"Come forward as servants of Islam, organise the people economically, socially, educationally and politically..."

یہ بات اہل فکر و نظر سے پوشیدہ نہیں کہ جب دیانت دار، مخلص، محبِّ وطن، عوام دوست اور دُور اندیش سیاست دانوں سے میدان خالی ہوتا گیا تو پھر سیاست کو ذاتی مفادات کے حصول، زر پرستی، خود غرضی، ابن الوقتی اور لوٹ کھسوٹ کا بہترین ذریعہ بنایا گیا۔ ''پیسہ لگاؤ اور پیسہ کماؤ'' کا اصول رائج ہو کر عوامی استحصال، غربت، پس ماندگی اور دل و دماغ کی بے سکونی کو جنم دیتا چلا گیا۔ افلاس، جہالت اور معاشی ناہمواریوں کے شکار مظلوم لوگ یہ فریاد کرنے پر مجبُور ہو گئے۔

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیّاری ہے، سلطانی بھی عیّاری

قائداعظمؒ پاکستان میں اس قسم کی غلط اور استحصالی سیاست کے ہرگز حامی نہیں تھے۔ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ لوگ جب مذہب اور سیاست کے پردے میں اپنی مفاد پرستی کو فروغ دیتے ہیں تو پھر سوسائٹی گوناگوں مفاسد، تکالیف، شکایات اور مظالم کو جنم دے کر زوال پذیر ہونے لگتی ہے۔ ایسے ہی حالات کو بھانپتے ہوئے انھوں نے جون 1941ء کو بنگلور میں تقریر کی اور استحصال زدہ عوام کو متنبہ کرتے ہوئے یہ بصیرت افروز الفاظ کہے:

"…. many leaders have exploited you in the past …. mind you that the chapter is not yet closed. I give you that warning… you have therefore got to be very careful in choosing your leaders".

اگرچہ بعض سیاستدان عوام کے مفادات' ان کی فلاح و بہبود' ان کی صحیح رہنمائی اور مناسب خدمت نہ کرنے کے ذمہ دار ہیں تاہم اس سلسلے میں عوام بھی مکمل طور پر بری الذمہ قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ وہ بھی خوبصورت کاغذی منشور' جذباتی نعروں' وقتی مصلحت کوشی اور جلبِ منفعت کی ترغیب سے متاثر ہوکر ان لوگوں کو منتخب کر لیتے ہیں جو قیادت وسیاست کے اہل نہیں ہوتے۔

قرآنِ حکیم نے امانت اور دیانت کی صفات کے حامل لوگوں کی سیادت پر زور دیتے ہوئے کہا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا

''بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں اُن لوگوں کے سپرد کردو جو ان کے اہل ہوں''۔

قیادت اور سیادت بھی ایک اہم امانت ہے۔ اگر یہ امانت نااہل لوگوں کے سپرد کی جائے تو پھر اس کے نتائج یقیناً خطرناک اور پریشان کن ثابت ہوں گے۔ قوم کا سردار اصل میں وہی ہوسکتا ہے جو اس بارِ امانت کو اٹھانے سے گھبرائے اور اگر وہ اسے اٹھالے تو پھر وہ صحیح معنوں میں قوم' ملک اور عوام الناس کا خادم بنے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

ع سروری در دینِ ما خدمت گری ست

''ہمارے دین میں سرداری خدمت کرنا ہے''۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ قیادت وسیادت کے دعویٰ سے مرعوب ہونے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیئے کہ ایسا دعویٰ قیادت کرنے والا خلقِ خدا کا خادم ہے یا نہیں۔ یہی قیادت وسیادت کا درست معیار ہوگا۔

ع ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شد

□□□

قائداعظمؒ --- اپنی نظر میں

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علیہ الرحمۃ کی شخصیت ان کی سیاسی سرگرمیوں اور ان کے مرتبہ و مقام کے بارے میں بے شمار اپنوں اور غیروں نے اپنے اپنے مخصوص نظریات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے سیاسی افکار اور ان کے سیاسی کردار کا تعیّن کرنے کے لئے ہر ایک نے اپنے معیارِ حسن و قبح کو اختیار کرتے ہوئے اپنا فیصلہ دیا ہے۔ بہت کم لوگوں نے انصاف اور اعتدال کی راہ پر چل کر ان کی تاریخ ساز مساعی کی حقیقت کو پایا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں اس امر کا جائزہ لیا جائے گا کہ قائداعظمؒ نے خود اپنے سیاسی مسلک کے مختلف بنیادی پہلوؤں کو کس نظر سے دیکھا ہے اور کس طرح اپنی جاذب اور بلند قامت شخصیت کو بے نقاب کیا ہے۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے کہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی کوئی انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی تحریر میں اپنی ذات کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا۔ اس لحاظ سے اس کی تحریر اس کی ذہنی کیفیات اور قلبی واردات کی آئینہ دار بن جایا کرتی ہے۔ قائداعظمؒ کے مختلف بیانات' پیغامات اور تقاریر کے پردے میں چھپی ہوئی ذات ہماری نگاہوں کے سامنے یوں نمایاں ہوجاتی ہے کہ ہمیں ان کے سیاسی مؤقف سے کافی حد تک آگاہی ہو جاتی ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ انھوں نے اپنی ملّت ساز سرگرمیوں کے بارے میں خود کیا کہا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی اس عظیم المرتبت سیاسی شخصیت کی نمایاں ترین خصوصیّت اسلامیانِ ہند کی فلاح و بہبود اور ان کی آزادی کے ضمن میں ان تھک کوشش تھی۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے حصولِ آزادیٔ پاکستان کا جو انقلاب آفریں نعرہ لگایا تھا وہ ان کی مسلسل جدوجہد اور بصیرت افروز قیادت کے باعث آخرکار نتیجہ خیز ثابت ہوگیا۔ وہ اپنی اس قابلِ تحسین سعی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ میرا دل آپ کے ساتھ ہے اور میں مسلمانوں

کی فلاح وترقی کے لئے پوری پوری کوشش کر رہا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ
تم اپنے موجودہ اچھے کام کو جاری وساری رکھو گے''۔ (پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس
فیڈریشن کے اجلاس میں صدارتی خطبہ' 2 مارچ 1941ء)

ان کی پُرخلوص اور دلکش شخصیت اور ان کی حق گوئی و بے باکی سے مسلمان بخوبی آگاہ ہو کر ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ انھیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ بانیٔ پاکستان کے الفاظ ان کے دلوں کی آواز تھے۔ وہ اپنے اس ہمدرد' مخلص اور سچّے لیڈر کے گرد اس طرح جمع ہو گئے تھے جس طرح پروانے شمع کے گرد اکٹھے ہوتے ہیں۔ قائداعظمؒ کو بھی ان کی دلی محبّت وعقیدت کا پورا پورا احساس تھا جس کا انھوں نے کئی مواقع پر اظہار بھی کیا ہے۔ 25 دسمبر 1942ء کو ان کی سالگرہ مناتے ہوئے لوگوں نے ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا تھا۔ اس موقع پر قائداعظمؒ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"Muslim India is showing much regard and affection for me. What is the mystery of this? It is obvious because I have spoken what was in the hearts of millions of Muslims, served you faithfully and led you truthfully. I can give you nothing except my service. I shall continue my service of the Musalmans and Islam".

محمد علی جناحؒ کی ذات کی ایک اور قابلِ ذکر خوبی یہ تھی کہ وہ امراء' جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی زر پرستانہ ذہنیت کے شاکی اور غریب مسلمانوں کے پرخلوص تعاون اور ملت دوستی کے مداح تھے۔ تحریکِ پاکستان میں عام غریب مسلمانوں نے بہت زیادہ ایثار و تعاون کا ثبوت دیتے ہوئے اسے مقبول اور کامیاب بنایا تھا۔ غربت و افلاس کی زندگی بسر کرنے کے باوجود انھوں نے بڑھ چڑھ کر چندہ دیا جس کا اعتراف کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے اپنی ایک تقریر میں یوں کہا:

''مجھے دو دو اور چار چار آنے کے منی آرڈر بھی ملے ہیں..... بعض غریب مسلمان کہتے ہیں کہ غربت کی وجہ سے ہم روپیہ دینے سے قاصر ہیں تاہم ہم اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اُن کی اتنی چھوٹی رقوم نے امیر آدمی کے لاکھوں کی نسبت مجھے زیادہ متاثر کیا ہے''۔ (مسلم یونیورسٹی یونین' علی گڑھ کے اجلاس میں تقریر' 2 نومبر 1942ء)

پاکستان کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے حضرات اس امر سے بخوبی آشنا ہیں کہ دوقومی نظریہ تحریکِ پاکستان کی اساس کا درجہ رکھتا ہے۔ قائداعظمؒ اسلامیانِ ہند کو اقلیت تصور کرنے کے زبردست مخالف تھے کیونکہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ الگ قومیں خیال کرتے تھے۔ وہ کسی طرح بھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ انگریزوں کے جانے کے بعد ہندو ان پر حکمرانی کریں۔ اس نقطۂ نگاہ سے وہ ہندو راج کے قیام کو مسلمانوں کی تہذیب' ثقافت' مذہبی قدار اور سیاسی تشخص کے لئے بہت بڑا خطرہ خیال کرتے تھے۔ وہ اس بات کو بھانپتے ہوئے پوری شدت کے ساتھ ہندو راج کی مخالفت کرتے رہے۔ ان کی یہ ثابت قدمی' عزمِ راسخ کی طاقت اور ان کی مسلسل جدوجہد آخرکار قیامِ پاکستان پر منتج ہوئی۔ ان کے مندرجہ ذیل الفاظ سے یہ پتہ چل جائے گا کہ انھیں ہندو راج سے کس قدر نفرت تھی۔

"..... I am not going, as long as there is life left in a single Muslim, to have this Hindu raj".

اسلامیانِ ہند کے اس عظیم' مخلص' دُوراندیش' بے باک اور بلند ہمت لیڈر کو قدرت نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ انھیں مسلمانوں کی آزادی' ترقی' عظمتِ رفتہ کی بحالی' خودداری اور اسلامی ثقافت کی حفاظت کا ہمیشہ شدید احساس تھا۔ اسی جذبے کے تحت انھوں نے مسلمانوں کو آزادی دلانے کے لئے اپنا تن من دھن قربان کیا اور سیاسی قیادت کا وہ اعلیٰ معیار قائم کیا کہ اب تک اپنے اور غیر اس کی اہمیّت کو تسلیم کرتے ہیں۔ بانیٔ پاکستان کی وفات کے بعد ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے پُر کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد' مخلصانہ قیادت اور ناقابلِ تسخیر عزمِ راسخ کی ضرورت ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کا کافی حد تک عہد ساز شخصیات پر دارومدار ہوتا ہے۔ ایسے عظیم انسان مرنے کے بعد بھی لوگوں کے اذہان وقلوب میں زندہ رہا کرتے ہیں۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
وہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

□□□

جناحؒ کا تصورِ قرآن

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہونے کی حیثیت سے ہمارا مکمل ضابطۂ حیات، مرکز نور و ہدایت، معیارِ خیر و شر، ہمارے روحانی بیماریوں کا نسخۂ شافی اور غیر متبدل اقدارِ ہدایت کا مجموعہ ہے۔ اس کی ہدایت چونکہ تمام افرادِ انسانیت کے لئے ہے اس لئے اسے "ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ" کہا گیا ہے۔ اس بے نظیر کتابِ الٰہی کی تعلیمات میں ہماری انفرادی اور اجتماعی مشکلات اور گوناگوں مسائل کا حل ہے۔ یہ اسلامی قوانین کا اوّلین سرچشمہ اور ہمارے دین و ایمان کی اساس ہے۔ وہ کون سا بدبخت مسلمان ہے جو اس کو اپنے ایمان کا جزو اور انسانی فلاح و فوز کا ذریعہ نہ سمجھے۔ بانیٔ پاکستان نے اس حکمت آموز کتاب کے چیدہ چیدہ پہلوؤں کے ذکر سے اپنی تقاریر، بیانات اور پیغامات کو مزین کر کے اس کے ساتھ اپنی گہری قلبی وابستگی اور ایمانی حرارت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

یہاں ہم دورِ جدید کے اس عظیم مسلمان سیاستدان کے تصورِ قرآن کے چند نمایاں ترین گوشوں کی اجمالی طور پر نقاب کشائی کریں گے۔

ع سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

قائداعظمؒ قرآنِ حکیم کو صرف عقائد ہی کا مجموعہ خیال نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اسے عبادات اور معاملات کے حقائق کا بھی آئینہ دار تصور کرنے کے حامی تھے۔ ان کی نظر میں صداقت اور عقائد کی آبیاری کے لئے قرآن کی عقلی تعبیر و تشریح بھی لازمی ہے۔ انھوں نے عید کے دن اپنی ایک نشری تقریر میں اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"In the pursuit of truth and the cultivation of beliefs we should be guided by our rational interpretation of the Quran". (13th November, 1939).

اس میں کوئی شک نہیں کہ دورِ حاضر کا انسان ہر بات کو عقلی انداز میں جاننے کا عادی بن گیا ہے۔

قرآنِ حکیم نے بھی اسلامی دعوت و تبلیغ کے لئے حکیمانہ انداز کی اہمیّت پر زور دیا ہے۔ جبر کے ذریعے دوسروں کو اسلام کی حقانیت سے روشناس نہیں کرایا جا سکتا۔ بے شمار قرآنی آیات میں ہمیں عقل، فکر، شعور اور تدبر سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ پہلے ہم اس کی عقلی توجیہ کو خود سمجھ لیں اور بعد ازاں غیروں کو دلائل سے اس کی صداقت سے آگاہ کیا جائے۔

محمد علی جناحؒ کے تصورِ قران کا ایک اور اہم پہلو قرآنی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانا اور دوسروں کے ساتھ عمدہ سلوک اور انسانی محبّت و خدمت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ انھوں ہے 1939ء میں مسلم یوتھ آف انڈیا (علی گڑھ) کے نام اپنے ایک پیغام میں کہا تھا:

> ''قرآن میں انسان کو خدا کا نائب کہا گیا ہے۔ یہ چیز ہمارے اوپر اتباعِ قرآن کی ذمہ داری ڈالتی ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کریں جو خدا انسانوں کے ساتھ کرتا ہے..... گویا یہ محبّت اور بردباری کا فرض ہے''۔

قرآنی تعلیمات نے انسان کو جو بلند مرتبہ عطا کیا ہے، اس کے پیشِ نظر اس پر اس کتابِ ہدیٰ کی پیروی ناگزیر ہے وگرنہ وہ احسنِ تقویم کا سزاوار نہیں ہو سکتا۔ اسلام پُرامن بقائے باہمی کے فروغ پر زور دیتا ہے اور ہر قسم کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی کو انسانیت کی نجات، معاشرتی ترقی اور خوشگوار تعلقات کا موجب گردانتا ہے۔

خدمت کو بہت زیادہ اجر و ثواب کا ذریعہ خیال کرتے ہوئے مسلمانوں کو اخوت، عدل گستری، سلامتی اور نیکی کو پروان چڑھانے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْن کہہ کر قرآن نے تمام جبری ہتھکنڈوں کو مسترد کر دیا ہے۔ جبر کی بجائے باہمی محبّت اور رواداری کا درس دیا گیا ہے۔ قائداعظمؒ نے اسی قرآنی حکم کو سامنے رکھتے ہوئے دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک، محبّت اور رواداری کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قائداعظمؒ کی رائے میں قرآنِ حکیم ہماری ہدایت، ذہنی جلا اور روحانی پاکیزگی کے علاوہ ہماری خداداد مخفی صلاحیتوں کی صحیح نشوونما اور انسانی فلاح کا بھی ضامن ہے۔ انھوں نے 4 اپریل 1943ء کو شمال مغربی سرحدی صوبہ کی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام اپنے ایک حقیقت کشا پیغام میں قرآنی تعلیمات کے چند گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا:

> ''ہماری رہنمائی اور اخلاقی روشنی کے لئے قرآن نے ہمیں عظیم ترین پیغام دیا ہے۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی ذات اور اپنی پوشیدہ صلاحیتوں، نیکیوں اور طاقتوں کو پہچانیں اور انھیں صحیح سمت میں استعمال کریں''۔

اسی پیغام میں بانئ پاکستان نے مسلمان نوجوانوں کو یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفادات پر اجتماعی مفادات اور فلاحِ عامہ کو ترجیح دیں۔ خودشناسی اور عرفانِ ذات کے بغیر دوسروں کی درست شناخت کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟ بجا کہا جاتا ہے: مَنْ عَرفَ نفسه فقد عرف رَبَّه (جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے خدا کی معرفت حاصل کرلی) قائداعظمؒ کے اس درسِ خودی میں ہمیں علامہ اقبالؒ کے فلسفۂ خودی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اب ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ قائداعظمؒ کو مطالعۂ قرآن سے رغبت نہیں تھی۔ اگر انھوں نے قرآنِ مجید کا گہرا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو وہ کیونکر قرآنی تعلیمات کے ایسے گُہر ہائے تابدار کا سراغ لگا سکتے تھے؟

ع جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا؟

بانئ پاکستان کے مختلف بیانات اور تقریری وتحریری پیغامات میں اکثر مقامات پر ہمیں قرآنی تعلیمات، اسلامی نظریات وعقائد کا عکسِ جمیل نظر آتا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ انھیں قران کے مطالعہ کا کتنا شوق تھا۔ جو لیڈر قرآنی شغف سے عاری ہو اس کی تقریر وتحریر میں جابجا قرآنی تذکرہ کیسے راہ پا سکتا ہے؟ جس انسان کی چشمِ باطن قرآنی نور سے روشن نہ ہو وہ قوم وملّت کی کماحقہٗ رہنمائی کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ قرآنی دستورِ زندگی کو ترک کردینے سے افراد واقوام کو ہمیشہ خسارے سے واسطہ پڑتا ہے۔ کیونکہ انسانی محدود ذہن کا تراشیدہ نظام زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا۔ قائداعظمؒ کا یہ قرآنی تمسک ان کی اسلام دوستی، پختہ ایمان اور عظمتِ فکر کی دلیل ہے۔ امید ہے متلاشیانِ حقیقت کو ان کے اس مسلک میں یقیناً مزید کشش نظر آئے گی۔

□□□

قائداعظمؒ کا درسِ خودی

انسان کو خداوند تعالیٰ نے اُن مخصوص باطنی صلاحیتوں سے نوازا ہے جو اسے کائنات کی دیگر مخلوقات سے ممیّز کرتی ہیں اور اسے ان پر فوقیت دینے کا باعث بنتی ہیں۔ عقل، شعور، تفکر اور تدبر کی بدولت وہ نہ صرف قوی الجثہ حیوانات کو اپنا مطیع بنالیتا ہے بلکہ وہ فطرت کی مختلف طاقتوں کو بھی مسخر کرکے اپنی اعلیٰ ذہانت و فطانت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ انسان اگر اپنی خداداد ذہنی، فکری اور روحانی صلاحیتوں کی صحیح انداز میں نشوونما کرے تو اس سے نہ صرف اس کی اپنی ذات کو فائدہ پہنچے گا بلکہ دوسرے انسانوں کی خودی کو بھی استحکام نصیب ہوگا۔ یہ فریضہ ادا کرنے کے بعد وہ حقیقی طور پر احسن التقویم ہونے کا مستحق بن جائے گا۔ اس کے برعکس اگر وہ قدرت کی عطا کردہ نعمتوں کو ان کے خالقِ حقیقی کی مرضی کے مطابق استعمال نہ کرے یا انھیں نشوونما دینے سے مکمل طور پر غافل رہے تو پھر وہ اسفل السافلین بن کر اپنی تباہی اور دوسروں کی بربادی کا موجب بن جائے گا۔ حیوانی سطح کی یہ زندگی اسے شرفِ انسانیت اور زمین پر نائب حق کے منصب سے محروم کردے گی۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی حیات کو خوشگوار، پُر امن اور باعثِ رشک بنانے کے لئے خدا کی دی ہوئی پوشیدہ طاقتوں کی درست سمت میں نشوونما بے حد ضروری ہے کیونکہ:

؎ تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

قائداعظم محمد علی جناحؒ بلاشبہ اسلامیانِ ہند کے عظیم ترین سیاست دان اور نجات دہندہ تھے۔ ان کی عظمت کا زیادہ تر دارومدار ان کی سیاسی بصیرت، مدبرانہ شخصیت اور بے مثال قیادت اور سیاسی افکار تھے۔ اگر ان کے سیاسی نظریات اور بیانات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ وہ نظریات بڑی مستحکم اساس رکھتے ہیں۔ ان کے افکار ان کی بنیادی فکر ہی کے شاخ و برگ کا درجہ رکھتے ہیں۔ بہت کم حضرات نے ان کے نظریات میں پوشیدہ درسِ خودی کا سراغ

لگانے کی زحمت گوارا کی ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے وہ خاص آئیڈیالوجی کے ترجمان بن جاتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں قائداعظمؒ کے تصورِ خودی کے چند اہم پہلوؤں کی طرف قارئینِ کرام کی توجہ مبذول کرانے کی حقیر سعی کی گئی ہے۔ ان کے اس تصور پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ جاننا مفید ہوگا کہ عام معنوں میں خودی سے کیا مراد لی گئی ہے۔ خودی دراصل خودشناسی' خودنگری اور ذاتی مخفی صلاحیتوں کی پہچان اور ان کی نشوونما کا نام ہے۔ خداتعالیٰ نے ہماری ذات کے اندر جو طاقتیں ہمیں ودیعت کی ہیں' ہمیں چاہیئے کہ ان سے آگاہ ہوکر ہم اُن کی صحیح طور پر تربیت کریں۔ ان قدرتی نعمتوں کے اچھے یا بُرے استعمال کے بارے میں ہم سے روزِ قیامت ضرور پوچھا جائے گا۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم نے کہا ہے:

لَتسئلُن یومئذٍ عَنِ النعیم (اُس روز تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا) شاید اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے بانیٔ پاکستان نے اپنے متعدد بیانات' پیغامات اور تقاریر میں مسلمانوں کو درسِ خودی دیا ہے۔ ذیل میں ان کے نظریۂ خودی کو چند اہم گوشوں کو بے نقاب کیا جارہا ہے۔ انھوں نے 29 دسمبر 1938ء کو پٹنہ میں صدارتی خطاب کے دوران کہا تھا:

"…. it is agreat pleasure for me to see that a great awakening has taken place amont the Muslims…. if you harness your army, victory will be yours.

(آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں صدارتی خطبہ)

اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسانی زندگی کا دائرہ دورِ حاضر میں کافی وسیع ہو چکا ہے۔ اسے کسی ایک پہلو سے وابستہ کر دینا گویا سمندر کو ایک چھوٹی سی ندی میں تبدیل کرنا ہے۔ انسان چونکہ لاتعداد آرزوؤں' بے شمار احساسات' جذبات اور میلانات کا حامل ہے اس لئے اس کی زندگی سماجی' معاشی' سیاسی' ثقافتی اور مذہبی شعبہ جات اور عالمگیر حالات سے لاتعلق نہیں ہوسکتی۔ اس ظاہری تنوع اور گوناگونی کے باوجود اس کی ذات ان تمام طاقتوں کی شیرازہ بند ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے انسانی خودی ان کا مرکز ومحور ثابت ہوتی ہے۔ اس خارجی تقسیم کے باوجود اندرونی وحدت برقرار رہتی ہے۔ قائداعظمؒ فلسفۂ حیات اور خودی کے اس پہلو پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''آج کل انسانی سرگرمیوں کا دائرہ ایک ناقابلِ تقسیم کُل بن گیا ہے۔ اس لئے تم معاشرتی' اقتصادی' سیاسی اور خالصتاً مذہبی امور کو محدود شعبوں میں تقسیم نہیں کرسکتے''۔ (مسٹر گاندھی کے نام خط' مورخہ یکم جنوری 1940ء)

جس طرح توانائی مختلف چیزوں کی حرکت کا سبب بنتی ہے اسی طرح ہمارے جسم میں پوشیدہ شرارِ

حیات سے ہماری زندگی محوِ حرکت رہتی ہے۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ نقطۂ نورے کہ نامِ اُو خودی است
زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی است

وہ نورانی نقطہ جس کا نام خودی ہے وہ ہماری خاک (جسم) کے نیچے (پوشیدہ) زندگی کی چنگاری ہے۔ اسی شرار سے ہماری زندگی کی حرارت' حرکت اور ترقی وابستہ ہے۔ محمد علی جناح علیہ الرحمۃ نے 4 اپریل 1943ء کو مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن' شمال مغربی سرحدی صوبہ کے نام اپنے پیغام میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

''قرآن میں ہماری ہدایت اور باطنی روشنی کا حامل پیغام موجود ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنی ذات اور قدرت کی عطا کردہ عظیم خوبیوں اور طاقتوں کو پہچانیں..... آؤ ہم ان عظیم پوشیدہ طاقتوں کو صحیح انداز میں استعمال کریں''۔

اس باطنی روشنی سے مراد وہ شرارِ زندگی ہے جسے علامہ اقبالؒ نے نورانی نقطہ کہا ہے۔

خودی کی تربیت اور استحکام کے لئے یہ لازم ہے کہ انسان اپنے مراحلِ حیات میں پیش آنے والی تمام تکالیف' رکاوٹوں اور مخالفتوں کا ڈٹ کر صبر وہمت کے ساتھ مقابلہ کرے اور انھیں زیر کر کے اپنی عظمت کا ثبوت دے۔ نائبِ حق ہونے کی بنا پر اسے نہ صرف فطرت کی طاقتوں کو مسخر کرنا ہوگا بلکہ اپنے نفسِ امّارہ پر بھی قابو پانے کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔ اعتمادِ ذات' جفاکشی' ضبطِ نفس' جہدِ مسلسل' اطاعتِ خداوندی اور توکل علی اللہ اس کی تقدیر سازی میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے اسے بہت صبرآزما مراحل سے گزرنا ہوگا۔ قائداعظمؒ نے اس ضمن میں جو فکرانگیز درسِ خودی دیا ہے وہ یہاں قابلِ ذکر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"We, the Muslims, must rely mainly upon our own inherent qualities, our own natural potentialities, our own internal solidarity and our own united aims to face the future".

(دہلی سے جاری کردہ پیغام' مورخہ 23 مارچ 1943ء)

□□□

علامہ اقبالؒ ـــــ قائداعظمؒ کی نگاہ میں

علامہ اقبالؒ اور محمد علی جناحؒ دونوں اسلامیانِ ہند کے عظیم راہنما، سیاسی مدبر، ہمدرد مصلح اور بلند مرتبہ محسن تھے۔ ان دونوں کی نتیجہ خیز ذہانت و فطانت اور سعیٔ مسلسل کی بنا پر برصغیر پاک و ہند کے مظلوم، محکوم اور پس ماندہ مسلمان خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے اور انھوں نے مملکت پاکستان کی تاسیس و تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ علامہ اقبالؒ کی انقلاب پرور شاعری نے مسلمانوں کے اندر غلامی سے نجات پانے کی تڑپ پیدا کی اور محمد علی جناحؒ نے ان کے افکار و نظریات کی روشنی میں انھیں اتنا منظم، متحد اور پُریقین بنا دیا کہ ان کے مخالفین بھی محوِ حیرت ہوگئے۔ غلامی یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا کی ایک شکل ہے اور آزادی اس کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر پاکستان معرضِ وجود میں نہ آتا تو آج ہم بھی ہندوؤں کے غلام ہوتے اور ہمیں بھی وہ جان گداز اور روح فرسا واقعات پیش آتے جو ہمارے بدنصیب مسلمان بھائیوں کو پیش آرہے ہیں۔ کیا یہ ہم پر خدائے رحیم و کریم کا بہت بڑا انعام نہیں؟ کیا ہمیں صحیح طور پر اس خداداد نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا نہیں کرنا چاہیے؟ جو قوم خدا کی دی ہوئی کسی نعمت پر شکر ادا نہیں کرتی وہ عذابِ خداوندی میں گرفتار ہو جایا کرتی ہے۔ اس بارے میں قرآنِ حکیم کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لئن شکرتم لَاَزیدنکم ولئن کفرتم اِنَّ عَذَابِی لَشَدِیۡدٌ

(سورۃ ابراھیم 14:7)

''اگر تم نے شکرانِ نعمت کیا تو میں تمھیں زیادہ دُوں گا اور اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا تو بے شک میرا عذاب شدید ہے''۔

قیامِ پاکستان سے قبل یہ نعرہ لگایا جاتا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ۔ گویا ساری قوم نے خدا سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم پاکستان قائم کر کے اسلامی نظام نافذ کریں گے۔ کیا ہم نے یہ

وعدہ پورا کر لیا ہے؟ کیا یہ کفرانِ نعمت نہیں؟

قائداعظمؒ علامہ اقبالؒ کی ملّی، قومی اور ادبی خدماتِ جلیلہ کے معترف اور مدّاح تھے۔ اس طرح علامہ اقبالؒ بھی ان کے خلوص، ہمدردیٔ قوم، عظمتِ کردار اور قائدانہ صلاحیتوں کا صدقِ دل سے اعتراف کیا کرتے تھے۔ اس مختصر مضمون میں یہ دیکھا جائے گا کہ بانیٔ پاکستان اور مسلمانوں کے اس عظیم، مخلص، دُور اندیش اور بہی خواہ نے مفکرِ اسلام اور ترجمانِ ملتِ اسلامیہ یعنی علامہ اقبال مرحوم و مغفور کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں قائداعظمؒ کے نام جو خطوط لکھے تھے، ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مقبولیت اور ایک الگ مملکت کے حصول کے ضمن میں انھیں کیا تجاویز اور مفید مشورے دیتے رہے اور ان دونوں راہنماؤں کے درمیان فکر و نظر کی کتنی گہری یکسانیت پائی جاتی تھی۔ جب علامہ اقبالؒ کی 21 اپریل 1938ء کو وفات ہوئی تو محمد علی جناحؒ کو لازماً بہت صدمہ پہنچا تھا کیونکہ وہ علامہ کو اپنا بہترین رفیق، مشیر، ہمدرد اور دمساز تصور کیا کرتے تھے۔ دسمبر 1938ء کے آخری ہفتے میں آل انڈیا مسلم لیگ کا پٹنہ میں سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر اپنے صدارتی خطاب میں قائداعظمؒ نے علامہ اقبالؒ کو خراجِ عقیدت و محبت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''مسلم لیگ اس سے پہلے بھی ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کی وفات کے بارے میں اظہارِ افسوس کر چکی ہے۔ اسلامیانِ ہند کے لئے ان کی وفات ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ وہ میرے ذاتی دوست اور دنیا کے بہترین شاعر تھے۔ جب تک اسلام زندہ ہے ان کا نام بھی زندہ رہے گا ان کی عمدہ شاعری مسلمانانِ ہند کے حقیقی جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔ نہ صرف ہم بلکہ ہماری آئندہ نسلیں بھی ان کی الہامی شاعری سے فیض یاب ہوتی رہیں گی''۔ یہ الفاظ قائداعظمؒ کے دلی جذبات و احساسات کی بخوبی عکاسی کرتے ہیں۔

قائداعظم نے انگریزی کتابچہ ''خطوطِ اقبالؒ بنامِ جناح'' کے پیش لفظ میں بھی شاعرِ مشرقؒ کی فکری عظمت اور ان کی ملّی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کر کے اپنی عظمتِ کردار کا ثبوت دیا ہے۔ انھوں نے مسلم لیگ کو فعال، منظم اور مقبولِ عوام بنانے کے لئے بانیٔ پاکستان کو جو تعاون دیا تھا، اس میں اس کا ذکر بھی موجود ہے۔ مزید برآں قائداعظمؒ نے ان کی ملت ساز سرگرمیوں کے چند پہلوؤں کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''سر محمد اقبال اور دوسرے بہت سے دوستوں کی حب الوطنی اور ایثار پر مبنی مخلصانہ کوششوں اور حمایت کی وجہ سے ہم نے یہ دونوں بلند مقاصد (مرکزی پارلیمانی بورڈ کی صوبائی شاخوں کا قیام اور مسلم لیگ کی تنظیمِ نو) حاصل کئے تھے۔ مسلم لیگ کی قیادت کو اکثریت اور اقلیت والے صوبوں نے تسلیم کیا۔ یہ مسلم لیگ کا بڑا کارنامہ تھا۔ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے سر محمد اقبالؒ نے نمایاں کردار ادا کیا تھا اگرچہ اُس وقت اس سے پبلک آگاہ نہیں تھی.....''

قائداعظمؒ نے اس پیش لفظ میں اس اہم حقیقت کو بھی بیان کیا کہ مسلم انڈیا کے سیاسی مستقبل کے بارے میں ان کے نظریات علامہ کے افکار سے ہم آہنگ تھے جن کا بعدازاں اظہار قراردادِ لاہور (یعنی قراردادِ پاکستان) میں 23 مارچ 1940ء کو کیا گیا تھا۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے اس امر کی وضاحت ہوگئی ہوگی کہ بانیٔ پاکستان کی نظر میں علامہ اقبالؒ کو کتنا بلند مقام حاصل تھا۔ انھوں نے بڑی صاف گوئی' دیانت داری اور خلوصِ نیت سے کام لیتے ہوئے علامہ اقبالؒ کی شاعری کو اسلامی فکر کا آئینہ دار کہا اور اس کے دیرپا ملت ساز اثرات کو آئندہ نسلوں کے لئے فیض رساں قرار دیا۔ علاوہ ازیں انھوں نے ملتِ اسلامیہ کے اس نامور نبض شناس کی ان مساعی کو بھی بیان کیا جن کا قیامِ پاکستان کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے اشتراکِ فکر و عمل کا یہ اعجاز ہے کہ اسلامیانِ ہند کا راہ گم کردہ قافلہ منزلِ آزادی کی جانب گامزن ہوا اور بالآخر عروسِ کامرانی سے ہمکنار ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان پر اپنی رحمت نچھاور کرے۔ آمین!

ع خدا رحمت کند بر عاشقانِ پاک طینت را

□□□

قائداعظمؒ کا نظریۂ مسلم لیگ

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے قیامِ پاکستان کے ضمن میں جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ بیشتر اہالیانِ پاکستان سے پوشیدہ نہیں۔ انھوں نے تصورِ پاکستان کو عملی شکل دینے کے لئے محض اپنی ذاتی جدوجہد سے ہی کام نہیں لیا تھا بلکہ انھوں نے اپنی سیاسی جماعت' آل انڈیا مسلم لیگ کو اس انداز میں منظم اور فعال بنا دیا کہ وہ اسلامیانِ برصغیر پاک و ہند کی سیاسی جدوجہد کا مرکز بن گئی۔ عوام الناس نے بڑھ چڑھ کر ان کی آواز پر لبیک کہی اور مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہو کر وہ عروسِ آزادی سے ہمکنار ہو گئے۔ تحریکِ پاکستان میں نمایاں ترین حصّہ لینے والی تنظیم سے قائداعظمؒ کو دلی لگاؤ تھا۔ انھوں نے اس تنظیم کو جس طرح مقبولِ عوام بنایا تھا اور اس سے انھیں جو توقعات تھیں' وہ موضوع بے حد دلچسپ بھی ہے اور لائقِ مطالعہ بھی۔

آیئے ہم مختصر طور پر اس امر کا جائزہ لیں کہ ان کی اس جماعت کے بارے میں کیا رائے تھی اور وہ اسے کن اصولوں کی حامل دیکھنے کے آرزومند تھے۔ ان کی مسلم لیگ کی چند خصوصیات کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قائداعظمؒ کی مسلم لیگ برصغیر پاک و ہند میں مسلم قومیت کی الگ شناخت کی اساس پر ایک خودمختار اور آزاد اسلامی مملکت کی زبردست حامی تھی۔ آزاد مملکت کے لئے سب سے پہلے ایک الگ خطۂ زمین درکار ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے آئین اور اپنے سیاسی افکار کے مطابق اپنے جملہ امور کو سرانجام دے سکے اور وہ اپنی اندرونی و بیرونی پالیسیوں کو خود وضع کرنے اور نافذ کرنے کا مکمل اختیار رکھتی ہو۔ یہ تو عام آزاد ریاستوں کا اوّلین اور بنیادی تقاضا ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست و مملکت کسی غیر اسلامی ماحول میں رہ کر اپنے مذہبی تشخص کو نہ تو صحیح طور پر برقرار رکھ سکتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے مکمل نظامِ زندگی کو وہاں نافذ کر سکتی ہے۔ محض عبادات کی ادائیگی کی آزادی اس کے لئے کافی نہیں۔ علاوہ ازیں وہ اپنے خالص دستورِ حیات میں باطل کی آمیزش کو بھی قبول

نہیں کرتی کیونکہ ''آدھا تیتر' آدھا بٹیر'' والا معاملہ اس کے لئے سازگار نہیں ہوتا۔ حق اور باطل اپنے مخصوص اور مختلف نظامہائے سیاست کے اعتبار سے آپس میں ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ باطل دُوئی پسند ہے' حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

علامہ اقبالؒ نے اپنے خط مورخہ 28 مئی 1937ء میں بانیٔ پاکستان کو اپنے اس سیاسی مؤقف سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

"…. the enforcment and development of the Shariat of Islam is impossible in this country without a free Muslim State or States. This has been my honest conviction for many years and I still believe this to be the only way to solve the problem of bread for Muslims as well as to secure a peaceful India".

قائداعظم محمد علی جناحؒ علامہ اقبالؒ کے اس مؤقف سے بالکل متفق تھے۔

قائداعظمؒ کی مسلم لیگ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اسلامیانِ ہند کی متاعِ عزیز یعنی اسلام کے قیمتی ورثے کی بقا کی علمبردار تھی۔ بانیٔ پاکستان کی رائے میں اسلام کے تحفظ میں ہی مسلمانوں کی زندگی کا راز نہاں ہے۔ انھوں نے عام مسلمانوں کو اور خاص طور پر اپنے ورکرز اور ساتھیوں پر یہ حقیقت منکشف کر دی تھی کہ قیامِ پاکستان کا ایک اہم اور اساسی مقصد اسلام کی بقا ہے اور اس کی بقا کے ساتھ اسلامیانِ ہند کی بقا وابستہ ہے۔ ان کی سیاسی تنظیم' مسلم لیگ' اس عزیز متاع کی حفاظت اور بقا کے لئے مصروفِ جدوجہد تھی۔ انھوں نے فرمایا تھا:

''تم اگر زندہ رہنے اور اپنی متاعِ عزیز یعنی اسلام کے قیمتی ورثے کو برقرار رکھنے کے خواہش مند ہو تو پھر مسلم لیگ کو منظم کرو۔ (مسلم یونیورسٹی یونین' علی گڑھ کے اجلاس میں تقریر)

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علیہ الرحمۃ کی مسلم لیگ انگریزوں اور ہندوؤں کی بالادستی ختم کر کے ایک جداگانہ خودمختار اور آزاد مملکت کے قیام کی خواہاں تھی۔ ان کی مسلم لیگ کا تصورِ آزادی یہ تھا کہ یہ آزادی سب مسلمانوں کے لئے ہوگی نہ کہ صرف طاقتور اور غالب جماعت یا گروہ کے لئے۔ قائداعظم نے ببانگِ دہل یہ اعلان کیا تھا یہ آزاد مملکت کمزوروں اور مظلوموں کے حقوق کی

بھی محافظ ہوگی۔ صحیح اسلامی فکر بھی یہی ہے کہ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی دولت' منصب' اقتدار' قبائلی و نسلی امتیاز' خاندانی برتری یا سرمایہ و زمین کا سہارا لے کر دوسرے انسانوں کو اپنا غلام بنائے یا اُن کا استحصال کرے۔ قرآنِ حکیم نے تو رسولِ کریمؐ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ انسانیت ساز انقلابی پیغام دیا تھا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آلِ عمران: 79)

''کسی کی شان کے لائق نہیں کہ اللہ نے اسے کتاب' حکم اور نبوت دی ہو پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے غلام بن جاؤ''۔

خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو آزاد پیدا کیا ہے' وہ صرف خدا ہی کا غلام ہے نہ کہ کسی انسان کا۔ جب کوئی انسان دوسروں کو اپنا غلام بنا لے تو پھر غلامی انسانوں کے لئے بہت بڑی لعنت ثابت ہوتی ہے۔ قائداعظمؒ نے درست کہا تھا کہ مسلم لیگ صرف اس آزادی کی حامی ہے جو سب کے لئے ہو نہ کہ کسی مخصوص خاندان یا گروہ کے لئے۔ ان کے تصورِ آزادی میں کمزوروں اور مظلوموں کے حقوق کی حفاظت بھی شامل تھی جب مسلم لیگ نے اپنے قائد کے اس تصور کو چھوڑ دیا تو حکومت نے بھی اسے چھوڑ دیا۔

قائداعظمؒ کی محبوب سیاسی جماعت' آل انڈیا مسلم لیگ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے ارکان کو وزیر بنانے یا انھیں اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل کے لئے استعمال ہونے کے لئے نہیں تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ عوام الناس کی خدمت' ملک کی ترقی اور ملت کی سرفرازی کا ذریعہ تھی۔ جو جماعت محض عہدوں اور دولت کے حصول اور اپنے ارکان کے ذاتی مفادات کے تحفظ کا اصل سبب بن سکے وہ بہت جلد عوام کی نظروں میں گر جاتی ہے۔ مزید برآں یہ ارکان کی باہمی ریشہ دوانیوں' مخاصمتوں اور اقتدار کی کھینچا تانی کا ہدف بن کر خود ختم ہو جایا کرتی ہے۔

اس خطرے کو بھانپتے ہوئے قائداعظمؒ نے بجا کہا تھا کہ ان کی مسلم لیگ وزارتوں کی بندر بانٹ' ذاتی مفادات کے تحفظ اور عوام کے استحصال کے لئے نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں کوئی عہدہ یا منصب بہت بڑی ذمہ داری پر دلالت کرتا ہے۔ آخرت میں ہر انسان کو اپنے اچھے یا بُرے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ حاکم' سردار' لیڈر' اور منصب عالیہ پر فائز ہونے والے سے نہ صرف اس کے ذاتی اعمال کا حساب لیا جائے گا بلکہ اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں بھی

اس کی مسئولیت ہوگی جیسا کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا ہے:

اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ (بخاری ومسلم)

''آگاہ ہوجاؤ کہ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اُس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔

بلند مناصب پر فائز ہونے والے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کی سرگرمیوں وغیرہ کے متعلق قیامت کو پوچھا جائے گا۔ سیاست کو محض ذاتی منفعت اور زراندوزی کا ذریعہ بنانے والے حاکموں' سیاستدانوں اور آقاؤں کے کندھوں پر کتنا بڑا بوجھ پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ اس امر کا بخوبی احساس کریں تو وہ بھاگ بھاگ کر عہدوں اور وزارتوں کو حاصل کرنے کی سعی نہیں کریں گے۔

قائداعظمؒ کی اس ہردلعزیز سیاسی تنظیم کا بنیادی اور اہم اصول مسلمانوں کے ساتھ ساتھ آزاد پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کا مؤثر تحفظ بھی تھا۔ انھوں نے قیامِ پاکستان سے پہلے ہی مسلم لیگ کی اس ذمہ داری کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ انھیں پوری اُمید تھی کہ ان کے ساتھی سیاستدان اور جانشین آئندہ تشکیل پانے والی اسلامی مملکت میں تمام انسانوں کے حقوق اور مفادات کی بخوبی حفاظت کریں گے۔ اسلامی نظریۂ سیاست کی رُو سے غیر مسلم شہری اسلامی مملکت میں اُن تمام سہولتوں اور سرکاری خدمات کے حقدار ہیں جو مسلمان شہریوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ وہ اپنی عبادت گاہوں میں اپنے مذہبی طریق کے مطابق آزادی کے ساتھ عبادت کرسکیں گے۔ اس مملکت کی بڑی ذمہ داری ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ ہے۔ اگر کسی غیر مسلم شہری کو قتل کیا جاتا ہے تو اس کے قاتل مسلمان کو یا تو قصاص میں قتل کیا جائے گا یا مقتول کے ورثاء خون بہا لے سکیں گے۔ ان کے معذور' بیکار اور بوڑھے لوگوں کے لئے بھی بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائیگا۔ اس طرح ان کے معاشی' معاشرتی' سیاسی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کی حکومت ذمہ دار ہوگی۔ قرآن مسلمانوں کو اس قدر رواداری کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بُرا بھلا نہیں کہہ سکتے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (سورہ الانعام:108)

''اور تم اُن لوگوں کو گالی نہ دو جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں''۔

اسلام ہمیں دوسروں کی مذہبی دلآزاری سے منع کرتا ہے۔ مسلمان بھی یہ توقع کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ غیر مسلم بھی اسلام' خدا اور ہمارے پیارے رسولؐ کے بارے میں نازیبا باتیں کر کے ہماری

دِلآزاری نہیں کریں گے۔

مسلمانوں اور اقلیتوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے بارے میں انھوں نے اکتوبر 1937ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے کہا تھا: ''آل انڈیا مسلم لیگ یقینی طور پر مسلمانوں اور اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کا مؤثر انداز میں تحفظ کرنے کی حامی ہے۔ یہ چیز مسلم لیگ کا بنیادی اور اہم اصول ہے۔

بانیٔ پاکستان کی سیاسی فکر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ پاکستان اور مسلم لیگ کے ساتھ گہرے برادرانہ تعلقات کے فروغ کے حامی تھے۔ اس لحاظ سے ان کی فکر صرف پاکستان تک محدود نہیں تھی بلکہ یہ عالمِ اسلام سے بھی مربوط تھی۔ انھوں نے قیامِ پاکستان سے پہلے ہی اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا: ''مسلمانوں اور مسلم لیگ کی واحد حلیف صرف ملتِ اسلامیہ ہے۔ اس بارے میں مسلمان صرف خدائے واحد کی نصرت کے منتظر ہیں''۔ (آل انڈیا مسلم لیگ' پٹنہ کے سالانہ اجلاس میں خطبۂ صدارت' 26 دسمبر 1938ء)

دنیا کے موجودہ حالات میں اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ تمام مسلم ممالک متحد و منظم ہوکر نہ صرف خود امن وامان کی فضا میں زندگی بسر کرنے کی سعی کریں بلکہ وہ دنیا میں قیامِ امن کو ممکن بنانے کی بھی جدوجہد کریں۔ ان کا مضبوط اور فوری اتحاد شاید افقِ عالم پر بڑھتی ہوئی تاریکی کو روشنی میں تبدیل کر سکے اور یوں مشرق و مغرب کی آویزش کا خاتمہ ہو جائے۔ قائداعظم مرحوم و مغفور ہمیشہ عالمی امن کے قیام کے خواہاں تھے جیسا کہ انھوں نے عیدالفطر کے موقع پر اپنے ایک پیغام میں کہا تھا:

''موجودہ دنیا تاریخ کے عظیم ترین بحران میں سے گزر رہی ہے..... آیئے ہم سب مل کر یہ مصمم ارادہ کریں کہ ہم آنے والے عالمی امن میں اپنا کردار ادا کریں گے''۔

ان کا یہ پیغام ان کی سیاسی فکر کے وارثوں خصوصاً مسلم لیگ کے لئے دعوتِ فکر و عمل ہے۔

□□□

قائداعظمؒ کی ایک متنازعہ تقریر

قائداعظمؒ مرحوم ومغفور نے اپنے سیاسی نظریات کی اشاعت کے لئے نہ صرف زبان سے کام لیا بلکہ انھوں نے اپنے قلم کو بھی استعمال کیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامیانِ ہند کے اندر حصولِ آزادی کا شدید ترین جذبہ موجزن ہوگیا اور قیامِ پاکستان کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوگیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان کی تقاریر، بیانات، پیغامات اور انٹرویوز مطبوعہ شکل میں محفوظ کر لئے گئے ہیں۔ ان کے درست نظریۂ حیات سے آگاہی کے لئے ان سب کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ان کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنے سے پہلے یہ اشد ضروری ہے کہ ان کے تمام نظریات کا عمیق مطالعہ کیا جائے۔ اس کے بغیر اگر کوئی الل ٹپ بات کہہ دی جائے تو اسے خیالِ خام تصور کیا جائیگا۔ جن لوگوں نے ان کی تحریروں کا سطحی مطالعہ کیا ہے۔ وہ آج کل ان کے بارے میں چند ایسے امور کو موضوعِ بحث بنائے ہوئے ہیں جو عوام الناس کے فکری انتشار کو جنم دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں یا تو وہ اپنی لاعلمی، کم نگاہی کا ثبوت دے رہے ہیں یا وہ دیدہ ودانستہ تعصب سے کام لیتے ہوئے بانیٔ پاکستان سے غلط باتیں منسوب کر رہے ہیں۔ ایسے حضرات نے قائداعظمؒ کی ایک اہم تقریر کو توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہوئے انھیں سیکولر ثابت کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ قائداعظمؒ نے یہ تقریر 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں کی تھی۔ اس میں انھوں نے مملکت کے دیگر دستوری امور کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کرنے کے علاوہ پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کے حقوق وفرائض پر بھی روشنی ڈالی۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ پاکستان کی اقلیتوں کے جملہ حقوقِ شہریت کے تحفظ اور پُرامن زندگی کی ضمانت کے بغیر پاکستان صحیح معنوں میں ترقی یافتہ، خوشحال اور مستحکم نہیں ہوسکتا۔ انھوں نے متعدّد مواقع پر اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ پاکستانی اقلیتیں نہ صرف شہری بلکہ انسانی برادری کے حوالے سے بھی ہمارے ساتھ گہرے روابط کی مستحق ہیں۔ وہ انھیں جان، مال اور عزت کی حفاظت کی بار بار یقین

دہانی کراتے رہے کیونکہ وہ بہ دل وجان ان کی فلاح وترقی کے خواہاں تھے۔ اقلیتوں کے بارے میں انھوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ ان کے چند اہم اور فکرانگیز اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ہمیں پتہ چل جائے کہ انھوں نے قیامِ پاکستان سے قبل اور اس کے بعد ان اقلیتوں کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس میں کوئی تضاد اور ابہام نہیں پایا جاتا بلکہ وہ ان کے اس نظریئے کے تسلسل ہی کا آئینہ دار ہے۔ انھوں نے 15 نومبر 1942ء کو آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن جالندھر کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہماری مذہبی تعلیم ہمیں یہ حکم دیتی ہے کہ مسلمان حکومت میں ہر غیر مسلم اقلیت کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کیا جائے''۔

اسی طرح انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ دہلی کے اجلاس میں خطبۂ صدارت دیتے ہوئے 24 اپریل 1943ء میں کہا تھا:

''ہمارے پیغمبرؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف عادلانہ بلکہ فیاضانہ سلوک کر کے واضح ترین ثبوت دیا ہے''۔

اب قائداعظمؒ کی اس اسلامی فکر کی عکاسی کے ضمن میں ان کی دو اور تقاریر کے مختصر اقتباسات پیش کیئے جاتے ہیں۔ انھوں نے 14 جولائی 1947ء کو نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کے مسئلہ پر یوں روشنی ڈالی:

''ان کے مذہب اور عقیدے کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی آزادیٔ عبادت میں کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوگی''۔

11 اگست 1947ء والی متنازعہ تقریر میں بیان کردہ اپنے اسی نظریئے کی تائید اور وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا:

''پاکستان یا ہندوستان میں رہنے والی مختلف مذاہب کی حامل اقلیتیں کسی خاص مذہب، عقیدے، یا نسل سے تعلّق رکھنے کی وجہ سے ان ملکوں کی شہریت سے عاری نہیں ہوجاتیں۔ میں نے کئی بار خصوصاً قانون ساز اسمبلی میں اپنی افتتاحی تقریر میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ پاکستان کی اقلیتوں کو کسی اور جماعت کی طرح شہریت کے حقوق اور مراعات دی جائیں گی۔ وہ غیر مسلم ہر لحاظ سے بلاامتیاز عقیدہ وذات پاکستان کے شہری ہوں گے..... ہر

شہری سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اس مملکت کے ساتھ وفادار رہے"۔

(رائٹر کے نامہ نگار سے انٹرویو' 25 اکتوبر 1947ء)

کیا ان اقتباسات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ وہ سیکولر تھے؟ اب یہاں 11 اگست 1947ء والی تقریر کا وہ اقتباس پیش کیا جاتا ہے جسے بعض حضرات نے متنازعہ بنا دیا ہے۔ انھوں نے کہا تھا:

> ".... in this country everyone is free to go to their churches, mosques or other places of worship.... we are all citizens of one state. Then in the course of time - not religiously, as everyone has his own belief - Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims".

اپنے ان الفاظ میں محمد علی جناحؒ نے مملکتِ پاکستان کے تمام باشندوں کے ایک اہم اور بنیادی حقِ شہریت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس امر کی طرف بلیغ اشارہ کیا ہے کہ ان سب کو اپنی اپنی عبادت گاہوں میں جا کر اپنے طریقوں کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی ہوگی۔ اس میں کسی کے ساتھ بھی کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ گویا اس قانونی مساوات کے نقطۂ نظر سے کوئی بھی مذہبی امتیاز نہیں ہوگا۔ عیسائی' ہندو' مسلمان اور دیگر مذاہب کے پیروکار اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق اس قانونی مساوات کے یکساں حق دار ہوں گے۔ اس سے بعض حضرات یہ غلط نتیجہ نکالتے ہیں کہ قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کے قائل تھے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے قرآن و حدیث اور اسلامی عدل و انصاف کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بجا کہا ہے کہ صحیح اسلامی مملکت میں غیر مسلم شہریوں کو جان' مال' عزت و آبرو' امن و امان وغیرہ کے یکساں حقوق حاصل ہوں گے۔ تاریخِ اسلام ایسے لاتعداد واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں اس اسلامی اصولِ عدل و احسان کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے غیر مسلم رعایا کو عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی فلاح و بہبود' خوشحالی' پُر امن معاشرت اور آزادیٔ عقیدہ کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

قرآنِ حکیم نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (بنی اسرائیل' آیت 70)

"اور ہم نے اولادِ آدم کو باعثِ تکریم بنایا ہے"۔

قرآن نے آزادیٔ مذہب پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (البقرہ:256) "دین میں کوئی جبر نہیں"۔

غیر مسلموں کی مذہبی دلآزاری سے منع کرتے ہوئے قرآن نے ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (سورہ الانعام:108)

"اور تم اُن لوگوں کو گالی نہ دو جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں"۔

یہ آزادیٔ عقیدہ اور وسیع مذہبی رواداری اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز ہے۔ قائداعظمؒ نے قرآن کے اسی زریں اصولِ شہریت کی روشنی میں یہ کہا ہے کہ اسلامی آئین کی رُو سے مملکتِ اسلامیہ کے تمام باشندے بلاتمیز مذہب و نسل' قانونی مساوات کے حق دار ہیں۔ بانیٔ پاکستان کی اس اسلامی فکر کو سیکولرزم (secularism) قرار دینا کس قدر جہالت اور کم نگاہی کا ثبوت ہے:

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ بانیٔ پاکستان کی اس اسلامی فکر کے مطابق غیر مسلم باشندوں کے علاوہ عام مسلمانوں کو بھی جان' مال اور عزت و آبرو کے مکمل حقوق نہ مل سکے۔ اس میں نہ تو اسلام کو ہدفِ تنقید بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی پاکستان اور اس کے بانی کو۔ اس صورتِ حالات کے ذمہ دار وہ اربابِ حل و عقد تھے جنھوں نے پاکستان کو حقیقی طور پر ایک فلاحی اسلامی مملکت نہ بنایا۔

□□□

تصورِ پاکستان اور اقبالؒ و جناحؒ

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ تصورِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے لئے حکیم الامت علامہ اقبالؒ اور بابائے قوم محمد علی جناحؒ نے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس ضمن میں اہلِ پاکستان ان کے زریں کارناموں، مخلصانہ کوششوں، حُب الوطنی، بیدار مغزی، عالی ظرفی، بلند ہمتی، عملِ پیہم، سعیِ مسلسل اور دُور اندیشی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ان دونوں بزرگوں نے اسلامیانِ برصغیر پاک و ہند کی آزادی اور ایک آزاد اسلامی ریاست کی تشکیل کے سلسلے میں جو نمایاں کام کئے ہیں وہ ہمیشہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جائیں گے۔ اگر یہ دونوں بلند پایہ ہستیاں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو اغیار کی غلامی سے نجات نہ دلاتیں تو آج وہاں کے مسلمانوں کے حالات دگرگوں ہوتے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو سیاسی زبوں حالی، اقتصادی پس ماندگی اور معاشرتی انحطاط سے نجات دلانے کے لئے ایک الگ اسلامی ریاست کے قیام کا ٹھوس اور انقلاب آفریں تصور پیش کیا تھا۔ بعدازاں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس تصور کو عملی جامہ پہنا کر تمام اہلِ عالم پر یہ بات ثابت کر دی کہ اقبالؒ کا تصورِ پاکستان محض ایک شاعر کا تخیل نہیں تھا بلکہ یہ دُور اندیش مفکر اور حقیقت پسند مدبر کی ذہانت و بصیرت کا زندہ ثبوت ہے۔ قیامِ پاکستان کی مختلف ارتقائی منزلوں کے بارے میں اقبالؒ اور جناحؒ نے جو نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اب اسے بڑے اختصار کے ساتھ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا بنظرِ تعمق مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد تمام لوگوں خصوصاً مسلمانوں کی حالت ہر لحاظ سے ناگفتہ بہ ہوگئی تھی۔ انگریز حاکم زیادہ تر مسلمانوں ہی کو باغی خیال کرتے تھے اور ہندوؤں کے ساتھ ان کا سلوک ترجیحی نوعیت کا ہوا کرتا تھا۔ مسلمان دشمنی میں انگریزوں اور ہندوؤں کا اشتراکِ عمل ڈھکا چھپا نہ رہا۔ دونوں تشدد کے ذریعے مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو بری طرح دبانا چاہتے تھے۔

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے اگر انگریزوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا تو ہندو مسلمانوں کو زندگی کے تمام اہم شعبہ جات میں پس ماندہ بنانے کے درپے تھے۔ ان حالات کے پیشِ نظر ہندوستان کے مسلمانوں کو سیاسی، اقتصادی، سماجی، اخلاقی اور مذہبی طور پر مفلوج کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا گیا اور مسلمانوں کی بجائے دیگر اقوام خصوصاً ہندوؤں کو بلند مناصب پر فائز کیا گیا۔ سامراجی انگریزوں کی اس مسلم کُش روش کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان سیاسی زبوں حالی، اقتصادی پس ماندگی، اخلاقی پستی، معاشرتی ابتری، غربت اور جہالت کا شکار ہو گئے۔ اندریں حالات ہمدرد اور مخلص مسلمان لیڈروں نے اسلامیانِ ہند کی حالت سدھارنے کا عزم بالجزم کیا۔ اس ضمن میں ممتاز مسلمان قائدین اور مصلحین میں سرسید احمد خاں، مولانا شبلی، مولانا حالی، اکبرالٰہ آبادی، محمد علی جناحؒ، علامہ اقبالؒ اور ظفر علی خاں وغیرہ شامل تھے۔ اگرچہ یہ حضرات بعض مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے تاہم یہ سب مسلمانانِ ہند کی آزادی اور ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ انھوں نے اپنی تقاریر اور تصانیف کے ذریعے مسلمانوں کے اندر آزادی اور ترقی کا عزم و جذبہ پیدا کر دیا۔ ایک مرحلہ پر جب حصولِ آزادی کے لئے ہندو لیڈروں نے مسلمان زعماء کی ہمدردی اور تعاون حاصل کرنا چاہا تو مسلمانوں نے ان کی طرف دستِ تعاون بڑھا دیا۔ بعدازاں ہندو کانگرس نے مسلمانوں کو کٹھ پتلی کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا کیونکہ متعصب ہندو لیڈر مسلمانوں کی حمایت کے بل بوتے پر انگریزوں کو یہاں سے نکالنے کے بعد ہندو راج قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ اس مرحلہ پر علامہ اقبالؒ اور محمد علی جناحؒ آگے بڑھے اور ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اجلاسِ الٰہ آباد اور قراردادِ لاہور کی بنا پر ایک الگ اور آزاد اسلامی ریاست مسلمانانِ ہند کا نصب العین قرار پائی۔

غیر منقسم ہندوستان کو برطانوی سامراج کی غلامی سے رہائی دلانے کے لئے شروع شروع میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد تھا کیونکہ وہ حصولِ آزادی کے اس مشترک نصب العین کو ہر قیمت پر کامیاب بنانا چاہتے تھے۔ بعدازاں جب مسلمانوں کو ہندو لیڈروں کی تنگ نظری اور اسلام دشمنی کی بنا پر ان سے الگ ہونا پڑا تو وہ ایک دوسرے کے شدید مخالف ہوگئے۔ حصولِ آزادی کے اس مشترک نصب العین کے ضمن میں محمد علی جناحؒ اور گوپال کرشنا گوکھلے مخلصانہ کوشش کرتے رہے تھے لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کی پھوٹ باہمی کشت و خون، الزام تراشی اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی پر منتج ہونے لگی۔ تنگ نظر ہندو فرقہ پرستی کی راہ پر گامزن ہوگئے

تھے۔ اس سلسلے میں سوامی شردھانند کی تخریبی سرگرمیوں کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ شدھی اور سنگھٹن ایسی مسلم دشمن تحریکیں شروع کی گئیں۔ کئی مسلمان لیڈر ہندو مسلم اتحاد کے لئے دل و جان سے کوشاں رہے۔ امن پسند مسلمان راہنما مثلاً محمد علی جوہرؔ اقبالؔ اکبرؔ الہ آبادی اور حسرت موہانی وغیرہ ان ناخوشگوار حالات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے لیکن مجلسِ خلافت مسلمانوں کو پھر بھی امن و صبر کی تلقین کرتی رہی۔ فرقہ پرست ہندو مسلسل اشتعال انگیزیوں میں مصروف رہے اور آخر کار علی برادران کو بھی کانگرس نوازی سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ علامہ اقبالؒ اہلِ ہندوستان کی اس باہمی پھوٹ پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے بانگِ درا میں فرماتے ہیں:

ے جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا! تو مجھے
سرزمیں اپنی قیادت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا' یاں تو اِک قربِ فراق آمیز ہے
بدلے یک رنگی کے یہ ناآشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب
جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں
اس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

علامہ اقبالؒ اہلِ ہند کے نفاق اور فرقہ پرستی پر اظہارِ افسوس کرنے کے بعد انھیں متحد ہونے کا مشورہ دیتے ہیں تاکہ وہ وطن کو شاہراہِ ترقی پر گامزن کر سکیں۔ وہ انھیں باہمی انتشار کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ے وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ے پرونا ایک ہی تسبیح میں اِن بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

مجھے اے ہم نشیں! رہنے دے شغلِ سینہ کاوی میں
کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھا دوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

□□□

دوقومی نظریہ اور قراردادِ پاکستان

23 مارچ 1940ء کو مسلمانانِ ہند نے لاہور کے تاریخی مقام منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں جو عظیم الشان اجلاس منعقد کیا تھا وہ ہماری موجودہ تاریخ کے ایک اہم اور درخشاں باب کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس تاریخ ساز اجلاس میں اسلامیانِ ہند نے تحریکِ پاکستان کی اصلی منزل کا تعین کیا اور اس سمت میں قافلۂ ملّت کو رواں دواں رکھنے کا عزم بالجزم کیا تھا۔ اس لحاظ سے یہ واقعہ ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ قراردادِ لاہور جسے بعد میں قراردادِ پاکستان کا نام دیا گیا' حقیقت میں ہماری قومی امنگوں اور مستقبل کے حسین خوابوں کی تعبیر کی دلچسپ داستان ہے۔ ویسے تو اس قرارداد کے کئی گوشے ہیں لیکن میں یہاں اس کے ایک اہم پہلو کے بارے میں اظہارِ خیال کروں گا۔ دوقومی نظریہ قراردادِ پاکستان کے تاسیسی عناصر میں شمار کیا جاتا ہے۔ آیئے یہاں اس بات کا اجمالی جائزہ لیں کہ دوقومی نظریئے کو قیامِ پاکستان کے ساتھ کیا ربطِ خاص ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگرس اور مسلم لیگ کے اکثر قائدین شروع شروع میں ہندو مسلم اتحاد پر بہت زور دیتے تھے اور وفاقی طرزِ حکومت کے علمبردار بھی تھے۔ بعد میں مختلف سیاسی' مذہبی اور ثقافتی واقعات نے اس اشتراکِ فکرونظر پر کاری ضرب لگائی۔ کانگرس میں ہندوؤں کے علاوہ بعض مسلمان زعماء بھی شامل تھے۔ وہ خلوصِ دل سے ہندوستان کے اندر رہتے ہوئے پُرامن زندگی کے فروغ کے خواہاں تھے۔ ہندو لیڈروں کی منافقت' مسلم دشمنی' تنگ نظری اور خودغرضی نے آہستہ آہستہ مسلمان لیڈروں کے اندر یہ احساس بیدار کر دیا کہ وہ زیادہ عرصہ تک اس کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس طرح دوقومی نظریہ زیادہ مستحکم ہوتا گیا اور مسلمانانِ ہند اپنے لئے ایک جداگانہ مملکت کے مطالبے پر ڈٹ گئے۔ کون نہیں جانتا کہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ مسلم لیگ میں بھرپور شمولیت اختیار کرنے سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کے زبردست داعی

تھے۔ ان کے اس جوش وخروش کو مدنظر رکھتے ہوئے انھیں 'ہندو مسلم اتحاد کا سفیر' کہا جاتا تھا۔ اسی طرح شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے حامی تھے۔ وہ اپنی ایک نظم ''نیا شوالہ'' میں اس اتحاد کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

سچ کہہ دوں اے برہمن! گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بُت ہوگئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں' نقشِ دوئی ہٹا دیں

جب ان پر بھی ہندوؤں کے گہرے تعصب کا انکشاف ہوا تو وہ بھی دوقومی نظریئے کے زبردست علمبردار بن گئے اور محمد علی جناحؒ کے نام اپنے ایک خط مورخہ 21 جون 1937ء میں یہ لکھنے پر مجبور ہوئے:

''گذشتہ چند مہینوں میں انڈیا میں کئی ہندو مسلم فسادات ہوئے ہیں..... سندھ میں قرآن کو نذرِ آتش کرنے کے بھی واقعات رونما ہوئے۔ میں نے اس صورتِ حالات کا بغور مطالعہ کیا ہے اور میری رائے میں ان واقعات کی اصل وجہ مذہبی اور اقتصادی نہیں بلکہ خالصتاً سیاسی ہے..... ہندوؤں کی حقیقی نمائندہ سیاسی تنظیم یعنی مہاسبھا نے کئی بار یہ کہا ہے کہ انڈیا میں متحدہ ہندو مسلم قوم ناممکن ہے''۔ اس اقتباس سے بخوبی پتہ چل رہا ہے کہ علامہ اقبالؒ کے علاوہ ہندو بھی متحدہ قومیت کو ناممکن خیال کرنے لگے تھے۔ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے بھی اپنے ایک بیان مورخہ 5 فروری 1938ء میں ہندو مسلم اتحاد کی ناکام کوشش کا ان الفاظ میں ذکر کیا تھا۔ ''گول میز کانفرنسوں کے اجلاسوں میں مجھے زندگی بھر کا صدمہ ہوا۔ مجھے ہندو جذبات' ہندو دماغ اور ہندو رویے نے اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ اتحاد کی کوئی امید نہیں رہی''۔ تحریکِ پاکستان کے ایک اور عظیم لیڈر اور مجاہد چودھری رحمت علیؒ نے بھی انڈین وفاق اور متحدہ انڈین قومیت کو مسترد کرتے ہوئے اپنی کتاب ''پاکستان--- پاک قوم کا آبائی وطن'' [Pakistan - The Fatherland of the Pak Nation] میں واشگاف الفاظ میں یہ تنبیہہ کی تھی:

''یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ لفظ وفاق کی رُو سے ریاست خودمختار مملکت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ماتحت علاقائی یونٹ بن جایا کرتی ہے..... اگر ایک بار ہم 'انڈیا' میں مدغم ہوگئے تو پھر ہم

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے 'ہندوستانیت' کی غلامی میں لڑتے رہیں گے''۔

جہاں تک برصغیر پاک و ہند میں دوقومی نظریئے کے ارتقا کا تعلق ہے یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں بلکہ اس سے قبل بھی اس کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ چودھری رحمت علیؒ کی رائے میں جب محمد بن قاسمؒ کی یہاں آمد ہوئی تو اسی وقت سے یہ علاقہ ہندوؤں کا علاقہ نہ رہا۔ اس طرح مسلمانوں کی آمد نے دوقومی نظریئے کو یہاں جنم دیا۔ شاہانِ مغلیہ کے عہدِ حکومت میں اگرچہ ہندوؤں کو بہت سی مراعات دی گئیں تاہم ان کی مذہبی اور ثقافتی روایات جدا ہی رہیں۔ بعدازاں سکھوں اور انگریزوں کی حکومت میں بھی چند مسلمان دانشور متحدہ ہندوستانی قومیت کے خطرات کا احساس دلاتے رہے۔ شاہ ولی اللہؒ مولانا عبدالحلیم شرر اور سرسید احمد خاں نے اس احساس کو زیادہ نمایاں کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ موجودہ دور میں علامہ اقبالؒ، محمد علی جناحؒ اور چودھری رحمت علیؒ نے اسے خوب موضوع بحث بنایا اور مسلمانانِ ہند کو ایک جداگانہ مسلم مملکت کے قیام پر اُبھارا۔ 1930ء اور 1940ء کے درمیان دوقومی نظریہ ہماری قومی امنگوں اور عوامی جذبات کا آئینہ دار بن گیا اور یہ تینوں بزرگ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پائے جانے والے مختلف تہذیبی، ثقافتی، مذہبی، تاریخی اور سیاسی اختلافات کی بنا پر انڈیا کی تقسیم کی وکالت کرتے رہے۔ چودھری رحمت علیؒ نے تو 1915ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں قائم کردہ 'بزمِ شبلی' کے پلیٹ فارم پر تقریر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا:

''شمالی انڈیا مسلمانوں پر مشتمل ہے اس لئے ہم اسے مسلم علاقہ بنائیں گے''۔ وہ تو اس وقت سے ہی انڈین وفاق اور متحدہ انڈین قومیت کے خلاف تھے۔

دوقومی نظریئے کی فوری اشاعت اور فروغ کا ایک اہم سبب ہندوؤں خصوصاً کانگرس کے لیڈروں کی ریاکاری، منافقت آمیز سیاسی حکمتِ عملی، مسلم دشمنی اور انگریزوں کے ساتھ گہرا گٹھ جوڑ تھا۔ نہرو اور گاندھی کی پُرفریب سیاست نے ہمارے بیشتر قائدین کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ انھیں اب بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ آزادیٔ وطن کی مشترکہ سیاست اور مہم دراصل ہندو سیاست ہے جو یہاں ہندو راج کے قیام کے لئے کوشاں ہے۔ اس خطرے نے مسلمانوں کو ایک الگ آزاد مسلم ریاست کے مطالبے پر متحد کر دیا تھا۔ اس کے بعد تحریکِ پاکستان میں شدت آ گئی اور 23 مارچ 1940ء کو قراردادِ پاکستان کے ذریعے اس قومی عزمِ راسخ کا اعلان کر دیا گیا۔

اس اتحادِ فکر و عمل نے مسلمانوں کو بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علیہ الرحمۃ کی ولولہ انگیز قیادت میں ایک قومی مرکز پر جمع کر دیا۔ اس وقت سُنی، بریلوی، دیوبندی، شیعہ، وہابی، سندھی، بلوچی، پٹھان اور پنجابی کی کوئی تمیز نہ رہی۔ سب مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے تھے۔ اس لحاظ سے قیامِ پاکستان کا یہ معجزہ عمل میں آیا۔ آج پھر ہمیں ناسازگار بین الاقوامی حالات اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ باہمی اتحاد اور نظریاتی ہم آہنگی کی ہی میں ہماری نجات اور بقا کا راز مخفی ہے۔ قومی اتحاد اور مذہبی یگانگت کی آج جتنی ضرورت ہے شاید اس سے قبل اتنی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہو۔ اس حقیقت کو نہ بھولئے:

؎ محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

□□□

پاکستان اور نظریاتی استحکام کی ضرورت

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ پاکستان کے موجودہ سیاسی' اقتصادی' معاشرتی اور اخلاقی حالات نہ صرف اُن پاکستانیوں کے لئے وجہِ تشویش ہیں جو پاکستان میں رہ رہے ہیں بلکہ وہ اُن پاکستانیوں کے لئے بھی پریشان کن ثابت ہو رہے ہیں جو آج کل بیرونی ممالک میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے حالات کو خراب کرنے میں ان بیرونی طاقتوں کا بھی ہاتھ ہے جو اس کی نظریاتی اساس اور اس کے وجود کے سخت خلاف ہیں۔ کیا ہم اس امر کا بھی انکار کر سکیں گے کہ اپنے موجودہ سیاسی عدمِ استحکام' معاشی ابتری' معاشرتی بے سکونی' انتشارِ فکر و عمل اور اخلاقی گراوٹ کے زیادہ تر ذمہ دار خود اہلِ پاکستان ہیں؟ اپنے دشمنوں کی مخاصمت کا گِلہ کرنے کی بجائے ہمیں خود اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہرائے جانے کی ضرورت ہے۔ جب کسی قوم کے افراد خود ہی اپنی رسوائی اور تباہی کا باعث بن جائیں تو پھر غیروں کو بھی دخل اندازی اور ریشہ دوانیوں کا سنہری موقع مِل جایا کرتا ہے۔ تاریخ اسلام اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ جب مسلمان خود ہی اپنے حقیقی نظریۂ حیات سے روگردانی کر کے باہمی نفاق اور نااتفاقی کا شکار ہوئے تو اُن کے اندر زوال کے آثار نمودار ہونے لگے۔ کیا ہمیں یہ معلوم نہیں کہ بغداد کی تباہی اور بغداد پر ہلاکو خاں کے تاخت و تاراج اور یورش کی ابتدا کا اصل سبب خود وہاں کے مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور مناقشات تھے؟ اسی طرح اسپین اور انڈیا میں مسلمانوں کو خود اپنی باہمی چپقلش اور رزم آرائی کی وجہ سے اپنی شان و عظمت سے محروم ہو کر غیروں کا محکوم بننا پڑا تھا۔ ہم پر کسی شاعر کا یہ شعر صادق آتا ہے:

من از بیگانگاں ہرگز ننالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

''میں بیگانہ لوگوں کے ہاتھوں نالاں نہیں ہوں کیونکہ میرے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہے وہ

میرے اپنوں کا ہی کام تھا''۔

یہ بات سخت تکلیف دہ ہے کہ آج کل پاکستان گوناگوں مشکلات و مسائل سے دوچار ہے۔ اس ناگفتہ بہ صورتِ حالات کے متعدد محرکات اور اسباب ہیں مگر سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے بیشتر سیاستدان قومی وحدت اور ملّی استحکام کے تقاضوں کو نظرانداز کر کے ذاتی مفادات اور گروہی تعصّبات کی دلدل میں نہ صرف خود پھنسے ہوئے ہیں بلکہ انھوں نے عوام الناس کو بھی ذہنی الجھنوں اور فکری ژولیدگی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اہل دانش و بصیرت کی رائے میں جب کسی سوسائٹی کے بااثر لوگ اور اربابِ حل وعقد خود ہی کسی غلط اور تباہ کن روش پر چلنے لگیں تو پھر عام لوگ بھی ان کی تقلید کرنے لگتے ہیں اور یوں اوپر سے لے کر نیچے تک اخلاقی گراوٹ اور معاشرتی عدمِ سکون کے اثرات نمایاں ہو جایا کرتے ہیں۔ رسول کریمؐ کا یہ ارشاد گرامی کتنا حقیقت کشا اور بصیرت افروز ہے:

النّاسُ عَلٰی دین ملُوکِھم

عوام الناس اپنے بادشاہوں کے طریق پر چلتے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ اور ملکی انتظام کو چلانے والے اپنے اچھے یا برے کردار سے عام لوگوں کو متاثر کیا کرتے ہیں۔ اگر سیاستدان حقیقی سیاسی سوجھ بوجھ اور اعلیٰ صفات کے مالک ہوں تو پھر عوام الناس بھی صحیح ڈگر پر چلا کرتے ہیں اس لئے مؤثر اور پائیدار تبدیلی سیاسی' سماجی اور مذہبی قائدین اور مصلحین ہی سے شروع ہوا کرتی ہے۔ اس وقت اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے ملک کے تمام لوگ اپنے اندر جدتِ کردار پیدا کریں جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پاکستان کے ایک عظیم محسن اور سیاسی مفکر علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

اس جدتِ کردار کو پیدا کرنے کے لئے مملکتِ پاکستان کی نظریاتی بنیاد کو مستحکم کرنا ہوگا تاکہ عوام اور خواص سب استحکامِ پاکستان کا ملّی فریضہ بخوبی ادا کر سکیں۔ ذیل میں اس موضوع کے چند اہم پہلوؤں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کی جا رہی ہے۔

نظریۂ پاکستان کی نوعیت

نظریاتی استحکام کے موضوع کا نظریۂ پاکستان کی نوعیت اور اصلیت کے ساتھ اتنا گہرا

تعلق ہے کہ ان دونوں کو آپس سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں بڑے مختصر انداز میں پہلے قیامِ پاکستان کے اساسی تصور کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ وہ کون سا نظریہ ہے جس کو ہم مستحکم بنانے کے خواہش مند ہیں۔ جب تک اس بنیادی نظریئے کی نوعیت اور اہمیّت کا پتہ نہ ہو اُس وقت تک اس کے استحکام کے لئے موزوں سعی نہیں کی جاسکتی۔ اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ہر ایک کام کی کسی نہ کسی فکر اور تصور پر بنیاد ہوا کرتی ہے۔ ہمارا ہر عمل دراصل ہمارے افکار و خیالات کا ترجمان اور مظہر ہوا کرتا ہے۔ اس طرح کسی مملکت کی تشکیل و تعمیر کا بھی کوئی نہ کوئی تصور اور نظریہ ہوتا ہے۔ اس بنیادی تصور کے مطابق ہی وہ مملکت معرضِ وجود میں آتی ہے۔ مطالبۂ پاکستان اور اس کے قیام کی بنیاد بھی ایک اہم نظریئے پر استوار ہوئی ہے جسے ہم نظریاتی اساس کہہ سکتے ہیں۔ وہ بنیادی نظریہ جس پر پاکستان کی تشکیل کی گئی تھی اس کے اہم پہلو یہ تھے کہ انڈیا کے مسلمان اقلیت کی بجائے ایک ایسی قوم کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا مذہبی اور تہذیبی نظام، معاشرتی اطوار، تمدنی طریقے، تاریخی ہیروز اور اعتقادات انڈیا کی دیگر قوموں سے مختلف ہیں اس لئے انھیں ہندوؤں میں مدغم نہیں کیا جاسکتا۔ ہندو انھیں متحدہ انڈین قومیت کے جال میں پھانسنا چاہتے تھے مگر مسلمان دوقومی نظریئے کی رُو سے اپنی جداگانہ قومیت کا اعلان کررہے تھے۔ مسلمانوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ اگر انھوں نے متحدہ انڈین قومیت اور انڈیا کے پیش کردہ وفاقی طرزِ حکومت کو اختیار کرلیا تو پھر وہ ہندوؤں کے غلام بن کر رہ جائیں گے۔ مسلمان بجا طور پر ہندو راج کے قیام کے خطرے سے اپنے آپ کو بچانا چاہتے تھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اپنے سیاسی، معاشی، مذہبی اور ثقافتی حقوق کے تحفظ اور مسلم قومیت کی بقا کے لئے ایک الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کیا جہاں وہ اسلام کے نظامِ حیات کے مطابق اپنی زندگیاں آزادی کے ساتھ بسر کرسکیں۔ اس طرح نظریۂ پاکستان کی اساس اسلام کو قرار دیا گیا۔ اس ضمن میں تحریکِ قیامِ پاکستان کے تین اہم اور ممتاز سیاسی راہنماؤں کے درجِ ذیل افکار کا حوالہ دینا بے محل نہ ہوگا۔ علامہ اقبالؒ، بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کے نام اپنے ایک خط مورخہ 28 مئی 1937ء میں رقم طراز ہیں:

"After a long and careful study of Islamic Law I have come to the conclusion that..... the enforcement and development of the Shariat of Islam is impossible in this country without a free Muslim State or States".

گویا ایک آزاد مملکت کو حاصل کئے بغیر اسلام کا نفاذ ممکن نہیں۔ اسلام اور کفر دو متضاد نظریات

زندگی و معیشت ہیں اس لئے توحید اور ثنویت بالفاظِ دیگر حق و باطل کا آپس میں کیا تعلّق ہوسکتا ہے۔ باطل کی دوئی پسندی اور حق کی توحید جداگانہ طرزِ فکر و عمل کے آئینہ دار ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے سلطان ٹیپو شہید کی زبان سے یہ پیغام دیا ہے:

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اس طرح انھوں نے یہ واضح کیا کہ اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کے لئے ایک الگ خطۂ زمین درکار ہے۔ جس طرح علامہ اقبالؒ نے اسلامی نظام کے قیام کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی تشکیل کو لازمی قرار دیا تھا اسی طرح قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بھی اسلام کی حقیقی بنیاد یعنی قرآنِ حکیم کو مسلمانانِ ہند کا آخری سہارا تصور کرتے ہوئے 26 دسمبر 1943ء کو کراچی کے اجلاس میں کہا تھا:

"It is the great book, Quran, that is the Sheet-anchor of Muslim India".

پاکستان کے ایک اور ممتاز سیاسی مفکر اور لفظ ''پاکستان'' کے خالق چودھری رحمت علیؒ نے بھی اپنی کتاب میں دین اسلام کو پاکستان کی نظریاتی اساس قرار دیتے ہوئے کہا تھا:

''سیاست کے نقطۂ نگاہ سے بھی مذہب پاک آئیڈیالوجی کے لئے بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتا ہے اور وہ ہمارے لوگوں کے لئے عظیم ترین قوتِ رابطہ ہے''۔

[Pakistan - The Father land of the Pak Nation, p 345]

جن لوگوں نے تحریکِ پاکستان کے حالات و نتائج خود دیکھا ہے وہ اس حقیقت کی گواہی دیں گے کہ مطالبۂ پاکستان کی اسی اسلامی بنیاد کے جذبے سے سرشار ہوکر مسلمانانِ ہند کی اکثریت کا نعرہ یہ تھا:

''پاکستان کا مطلب کیا؟..... لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ!''

انڈیا کے مسلمانوں نے بھی اسی اسلامی جذبے کے تحت مطالبۂ پاکستان کی نہ صرف زبانی طور پر تائید کی تھی بلکہ انھوں نے عملی طور پر اسے کامیاب بنانے کے لئے جدوجہد کی اور قیامِ پاکستان کو ممکن بنانے کے لئے ہر قسم کی قربانی بھی دی حالانکہ ان کے علاقے پاکستان میں شامل نہ ہونے والے تھے۔ اگر پاکستان کی نظریاتی بنیاد محض روٹی ہوتی تو وہ ہرگز اتنی بڑی قربانی دینے کے لئے

تیار نہ ہوتے۔ یہ الگ بات ہے کہ معاشرتی بدحالی بھی مسلمانوں کا مقدر بنا دی گئی تھی۔ قیام پاکستان کا اصلی اور اساسی جذبۂ محرکہ اسلامی نظام کا قیام تھا جس میں معاشرت، معیشت، تعلیم اور ثقافت کے پہلو بھی شامل ہیں۔

نظریۂ پاکستان کا ماضی

اب ہم بڑے اختصار کے ساتھ نظریۂ پاکستان کے ان نتائج کا جائزہ لیتے ہیں جنھوں نے اسلامیانِ ہند کے دل و دماغ پر انمٹ نقوش چھوڑے تھے۔ جب مسلم لیگ نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ! کو مطالبۂ پاکستان کی بنیاد بنایا تو انڈیا کے تمام مسلمانوں نے نہ صرف اسے سراہا بلکہ انھوں نے اسے اتنا مستحکم بنا دیا کہ انگریزوں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کا یہ مطالبہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو اس نظریئے سے بے پناہ محبّت و عقیدت تھی اور یہ ان کے دین و ایمان کی بھی عظیم ترین اساس تھی۔ انھیں یہ امید ہوگئی تھی کہ قیامِ پاکستان انڈیا میں اسلامی نشأۃِ ثانیہ کا سبب بنے گا اور وہ ایک جداگانہ مملکت میں اسلامی اقدارِ حیات کے مطابق آزادی کے ساتھ اپنی زندگیاں بسر کرسکیں گے۔ اس جذبے نے ان کے اندر اتحادِ فکر و عمل کی روح پیدا کر دی۔ اس عوامی جوش و خروش اور عوامی تائید و حمایت سے کام لے کر محمد علی جناحؒ نے اپنی پُرخلوص شخصیت، بے داغ کردار، سیاسی بصیرت اور بے لوث قیادت سے انھیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند بنا دیا۔ فکر و نظر کی ہم آہنگی اور قائد کی بلند نگاہی نے ان کے سیاسی اور مذہبی اختلافات کو بھلا دیا۔ اُس وقت شیعہ، سنّی، بریلوی اور دیوبندی سب ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے سرگرمِ عمل ہوگئے۔ علاوہ ازیں اُس وقت صوبائیت بھی ختم ہوگئی اور نتیجتاً پنجابی، سندھی، بلوچی، پٹھان اور بنگالی ملّی اخوت میں منسلک ہوتے گئے۔ عوام الناس کے اندر وحدت فکر و عمل، باہمی محبت و اخوت اور تعاونِ باہمی کی فضا پیدا کرنے میں لیڈر کی اپنی شخصیت، اس کی بلند نگاہی، بے لوث قیادت اور خلوصِ نیت بے حد ضروری ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ایسے ہی مثالی لیڈر کے بارے میں بجا فرمایا تھا:

؎ نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

نظریۂ پاکستان کا حال

پاکستان کے موجودہ سیاسی، اقتصادی، سماجی اور اخلاقی حالات کی ابتری سے سب باشعور،

حساس اور محبِ وطن پاکستانی پریشان ہیں۔ یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ یہ حالات اب ہی پیدا ہوئے ہیں۔ گذشتہ کئی دہائیوں سے یہ صورتِ حالات کم و بیش اطمینان بخش نہیں رہی۔ اس زبوں حالی کا اُس وقت آغاز ہوا جب سیاستدان اور عام لوگ پاکستان کی اصل نظریاتی بنیاد سے روگردانی کرنے لگے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد خصوصاً بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کی وفات کے بعد سیاسی نظام صحیح نہج پر نہ چلا۔ سیاستدانوں نے اسے عوامی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنانے کی بجائے ذاتی حرص و ہوا اور حصولِ زر و منصب کی خاطر استعمال کرنا شروع کیا۔ علاوہ ازیں متروکہ جائداد کی لوٹ کھسوٹ اور رشوت ستانی نے بھی معاشرتی توازن کو بگاڑنا شروع کر دیا۔ اربابِ سیاست کی باہمی آویزشوں، بیرونی سازشوں، معاشرتی ناانصافیوں، اقتصادی ناہمواریوں اور اخلاقی گراوٹوں نے نظریۂ پاکستان کو فراموش کر دیا۔ جب ان کی نگاہوں سے قیامِ پاکستان کا اصلی نصب العین دُور ہوتا گیا تو وہ مزید الجھنوں اور مشکلات کا شکار ہوگئے۔ جب عوام اور حاکم ہم رنگ ہوگئے تو پھر اخلاقی قدروں اور ملّی تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ جب اسلامی نظریۂ حیات کمزور کر دیا گیا تو پھر مغرب زدگی کے لئے آسانی سے راہ ہموار ہوگئی۔ دینِ اسلام ان کے لئے عظیم ترین رشتہ اخوت اور رابطۂ محبّت تھا مگر اس کو ترک کرتے ہی وحدتِ فکر و نظر کی بجائے فکری انتشار، وطن کی محبّت کی بجائے زر و سیم کی محبّت، اقتصادی خوشحالی کی بجائے فرقہ پرستی کا دور دورہ ہونے لگا۔ وہ لوگ جن کا فریضہ عوام کی فلاح، ہدایت اور سدھار تھا وہ بھی زر و سیم کی محبّت اور ذاتی مفادات کے تحفظ اور مراعاتِ خسروانہ کے شیدائی بن گئے۔ اس کا منطقی اور قدرتی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ امانت، دیانت، صداقت، حق بینی اور حق گوئی کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر وہ اخلاقی بلندیوں سے اُتر کر پستی کی حالت میں آ گئے۔ بقولِ اقبالؒ ''عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں'' آ چکے ہیں۔ سوسائٹی کے چار اہم ستون یہ ہیں: اُمرا، علماء، صوفیاء اور دانش ور۔ ان کا اخلاقی اور انسانی فرض عوام الناس کی اصلاح اور فلاح ہوتا ہے۔ جب یہ طبقات اپنے فرائض منصبی بھول جائیں اور عوام کی اصلاح سے غافل ہو جائیں تو پھر کسی سوسائٹی کا خدا ہی حافظ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص خدا اور اپنی ذات کو بھول جائے تو پھر خدا تعالیٰ بھی اسے بھول جاتے ہیں جسے خدا بھول جائے پھر اس کا تذکرہ کرنے والا کون ہوگا؟ اپنی شناخت کھو بیٹھنے والا بھلا صاحبِ شعور کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اپنی ثقافتی، تہذیبی، ملّی اور مذہبی شناخت کھو دینے والوں کو عقل و دانش کا مالک کیونکر کہا جائے گا؟ اپنی خودی سے بیگانہ ہونے والوں کی قسمت میں رسوائی کے سوا اور کیا ہوگا۔ شاعرِ اسلام اور ترجمانِ فطرت علامہ اقبالؒ

نے بجا ہی فرمایا تھا:

؎ تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

تاریخِ عالم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم اپنی تہذیب اور دین کی اقدار کو ترک کر دیتی ہے تو پھر وہ آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونے لگتی ہے۔ پرانی قوموں کے عبرت خیز حالات اور آثار اسی حقیقت کے شاہد ہیں۔ ہمارے لئے اب یہی راہِ نجات ہے کہ ہم اپنے بھولے ہوئے اُس عہد و پیمان کو یاد کریں جو ہم نے دنیا کو گواہ بنا کر خدا کے ساتھ کیا تھا اور یہ اعلان کیا تھا:

"پاکستان کا مطلب کیا؟.....لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ!"

□□□

حمیدی

PAKISTAN AND ITS ECONOMIC BASIS

It is an irrefutable fact that the establishment of Pakistan is based on a number of factors. It will be absolutely illogical and historically untrue to deny the paramount importance of its economic foundation. There is not a shadow of doubt that religion, culture, economics and politics have played a major role in shaping the destiny of Pakistan. Considering Islam to be a complete code of life we can not draw a line of demarcation between Islam and the economic welfare of its adherents. Extreme and unbalanced views always lead to ill-conceived thoughts and wrong action. Keeping it in view we must not brush aside the economic basis of Pakistan. Many Rightists attach too much importance to religion whereas their opponents trace the inception of Pakistan to the economic struggle which was launched, in the words of Chaudhry Rahmat Ali, against the "British-Bania Alliance". It is abundantly clear from the various speeches and statements of Mohammad Ali Jinnah, the Founder of Pakistan, that he had mentioned all those factors which brought Pakistan into existance. In this regard, his balanced and realistic approach will be of immense interest to all of us. This kind of attitudes is one of the most salient features of his sublime statementship and far sightedness.

It is our daily observation that economics has assumed considerable importance in our individual and national life. No modern state can tread the path of unhampered progress without

achieving self sufficiency in the economic sphere. It it not a well-recognised fact that Western Powers and some Eastern Countries have reached the pinnacles of political dominance and military supremacy on the basis of their economic propsperity and scientific development. Their affluent societies exist mainly due to their ceaseless afforts and national zeal for progress in various fields of life. Being a comprehensive code of life, Islam has not ignored the economic well-being of its followers. The Holy Quran exhorts us to pray to Allah for our worldly and spiritual betterment. It says:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیا حَسَنَةً وَّفِی الآخِرَةِ حَسَنَةً

"The concept of 'Zakat' and voluntary charity is the key-note of many Quranic injunctions. It is the first and foremost duty of an ideal Muslim State to ensure that all citizens, irespective of their colour and creed, receive their due economic share and equality of justice. The World-renowned Poet-Philosopher of Pakistan, Allama Iqbal, has beautifully epitomized the above-mentioned aspect of Islamic teachings in the following memorable verse He says:-

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں' ایں است و بَس

(جاویدنامہ)

According to him the secret of Islamic law lies in putting an end to unjust human dependance on others, The ideal society as visualised by the Holy Quran, can not favour any exploitative, tyrannical and unjust system. In order to remove poverty and improper economic dependance on others Islam has put forward a balanced economic system which is devoid of the defects of Capitalism and Communism. The following maxim of the Prophet of Islam (May Allah shower His blessing on him) sheds much light on the importance of moderation in all aspects of our life. He said:

خیر الامورِ اوسطها

(Moderation is the best action).

The Founder of Pakistan, Mohammad Ali Jinnah, had always laid a great deal of emphasis on our economic prosperity. He was rightly critical of every kind of economic in-equality and self-aggrandisement. It is an historical fact that he had made every possible effort to save the subjugated and down-trodden Indian Muslims from the deadly clutches of the British Rule and the imminenet danger of Hindu Raj. He firmly stood for their legitimate right of self-determination, cultural identity, political freedom and economic progress. After a careful study of his speeches and statements we come to this inevitable conclusion that he was a firm believer in the economic foundation of Pakistan. The sum and substance of his economic theory is as follows:-

a) "Your foremost duty is to formulate a construective and ameliorative programme of work for the people's welfare and to devise ways and means of social, economic and political uplift of the Musalmans".
b) "Come forward as servants of Islam, organise the people economically,socially, educationally and politically and I am sure that you will be a power that will be accepted by every body". (March, 1940)
c) "We should take up constructive programme for the betterment of our people, educationally, socially, economically and physically". (24th December, 1940).
d) "No naton and no peple can ever do anything very much without making themselves economically powerful in commerce, trade and industry". (2nd March 1941).
e) "I should like to give a warning to the landlords and capitalists who have flourshied at our expense by a system which is so vicious, which is so wicked and which makes them so selfish that it is difficult to reason with them. The exploitation of the masses has gone into their blood. They have forgotten the lesson of Islam. Greed and selfishness have made these people subordinate to the interests of others in order to fatten themselves ....

There are millions and millions of our peope who hardly get one meal a day. Is this civilization? Is this the aim of Pakistan? Do you visualise that millions have been exploited and cannot get one meal a day? If that is the idea of Pakistan I would not have it". (April 24, 1943).

The above-quoted speeches and statements of the Quaid-i-Azam were delivered, long before the achievment of Pakistan, on verious occasions. His speech in April, 1943, reveals his unbounded love and heart - felt sympathy for the poor massess of our country in unmistakable words. He had rightly condemned the most callous and uncivilized system which is based on human exploitation and selfishness. This kind of unbalanced and unjust economic way of life always results in blood-bath and civil wars. The World history bears testimoney to this fact that economic disparity, ultimately and unquestionably, leads to economic stagnation and internal disturbances.

It will not be out of place to mention here that the Founder of Pakistan, Muhammad Ali Jinnah, wanted to establish the economic system of Pakistan on true Islamic pattern. In-deed, he was a great opponent of the two globaly prevailing economic systems- Capitalism and Communism. In his view these two systems could not provide complete and satisfactory guidance for our mundane and spiritual requirements. In this connection he was in full agreement with the economic views as expressed by Allama Iqbal. It is known to us that in spite of appreciating certain human aspects of Socialism Allama Iqbal did not like its materialistic and atheistic trends. This is why he denounced Communism as well as Capitalism in the following verses He remarked:

ے غرق دیدم ہر دو را در آب و گل   ہر دو را تن روشن و تاریک دل

(جاویدنامہ)

Our beloved political leader, Mohammad Ali Jinnah had clearly stated on many occasions that the true aim of the establishment of Pakistan was the revival of Islamic glory. I would

like to quote here his actual words:

"..... We have a great history and past behind us. Let us prove worthy of it and bring about true renaissance of Islam and revive its glory and splendour". (Speech delivered on September 30, 1943). Can we still have grave doubts about his sincere desire to add lusture to the glorious chapter of Islam by formulating the economic system of Pakistan on the true model of Quranic teachings? Is it not our collective responsibility to bring about this renaissance and make Pakistan a prosperous country so that we may maintain its Islamic Identity and safeguard its integrity and solidarity at all costs?

□□□

اقبالؒ، قائداعظمؒ اور چودھری رحمت علیؒ کے مشترک نظریات

جب سے یہ کائنات معرض وجود میں آئی ہے یہاں متضاد قوموں کے درمیان معرکہ آرائی کا سلسلہ جاری ہے۔ آسمانی کتب کے مطابق یہاں حق و باطل ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔ ان دو متضاد قوتوں کے نمائندے آدمؑ و ابلیس ہیں۔ فلاسفہ اور مفکرین نے اس حقیقت کو کبھی ظلمت و نور اور اہرمن و یزدان کہا ہے اور کبھی انھوں نے اسے مادہ و روح کی باہمی آویزش قرار دیا ہے۔ بہرحال اس جہان رنگ و بو میں ہمیشہ نئے نئے حالات ظہور پذیر ہو کر اس کے تنوع اور ارتقائی نوعیت کے آئینہ دار بنتے رہتے ہیں۔ لیل و نہار کی گردش اور بہار و خزاں کی مانند ہمارے نقطۂ نگاہ سے تمام انسانوں میں نظریات کی یکسانیت اور افکار کی یک رنگی کی اُمید کرنا چنداں مفید نہیں۔ خارجی مظاہر کی طرح ہمارے باطن میں بھی تنوع پایا جاتا ہے۔ یہی تنوع کائنات کی رنگینی اور جاذبیت کا سبب ہے، بقول ذوق:

؎ گلہائے رنگا رنگ سے ہے بے زینت چمن
اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

انسانوں کے ذہنوں میں بھی اس قانون قدرت کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مصلحین، مفکرین اور قائدین کے نظریات کا اختلاف اس عالمگیر قانون کے تحت ہے۔ قومی مصلحین کے مخلصانہ اور تعمیری اختلاف کا عام چرچا کرنا اور ان کی فکری یکسانیت کو سرے ہی سے نظرانداز کر دینا کوئی قابلِ قدر کام نہیں ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم نیک نیتی اور عوامی فلاح پر مبنی ان کے باہمی اختلافات کو بھلا کر ان کے مشترک افکار کو زیادہ سے زیادہ فروغ دے کر باہمی محبت و اخوت کی فضا کو پیدا کریں اسی جذبے کے تحت میں نے مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ، بانیٔ پاکستان

محمد علی جناحؒ اور نقاش پاکستان چودھری رحمت علیؒ کے چند مشترک قومی اور اسلامی تصورات پر خامہ فرسائی کی جرأت کی ہے۔ یہاں ان کے چند مشترک افکار کا مختصراً جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ باہمی ملاپ کی فضا پیدا ہو سکے۔ وہ چند یکساں نظریات درج ذیل ہیں:

ا۔ مسلم قومیت:

علامہ اقبالؒ، قائداعظمؒ اور چودھری رحمت علیؒ تینوں کی رائے میں اسلامیانِ ہند مخصوص نظریۂ حیات، جداگانہ ثقافت و تاریخ اور مختلف عقائد و نظریات کے لحاظ سے مختلف قومیت کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ ہندوؤں سے بالکل ممیّز ہیں۔ کانگرسی لیڈر اس بات کے حامی تھے کہ ایک ہی وطن یعنی انڈیا میں رہنے کے باعث ہندو اور مسلمان ایک ہی قوم ہیں۔ اس کے برعکس مسلم لیگی راہنما اور ان کے ہم نوا مسلمانوں کو جدا قوم خیال کرتے تھے۔ اس ضمن میں پہلے علامہ اقبالؒ کی رائے ملاحظہ ہو، وہ فرماتے ہیں:

؎ اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت گئی
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''انڈیا نہ تو ایک قوم ہے اور نہ ہی ایک ملک ہے۔ انڈیا کئی قوموں پر مشتمل ایک برصغیر ہے''۔ (یکم جنوری ۱۹۴۰ء)

چودھری رحمت علیؒ اپنی ایک ضخیم کتاب: ''پاکستان--- پاک قوم کا آبائی وطن'' (Pakistan --- The Fatherland of the Pak Nation) کے سترہویں باب میں یوں رقمطراز ہیں:

''اسے اب بھی 'انڈیا' یعنی ہندوستانیوں اور ہندوؤں کی سرزمین کہنا اس پر کئی مذاہب اور ان کے پیروکاروں کے وجود کا انکار کرنے کے مترادف ہے''۔

۲- اسلامی نظریۂ حیات:

مفکر اسلام علامہ اقبالؒ، بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ اور نقاش پاکستان چودھری رحمت علیؒ کے افکار اور نظریات کا اسلامی تصورِ زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ تینوں عظیم راہنما قیامِ پاکستان اور اسلامی تعلیمات کو ایک دوسرے سے الگ دیکھنے کے خواہش مند نہیں تھے۔ علامہ اقبال تو دین سے جدا سیاست کو چنگیزی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

؎ جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

انھوں نے دسمبر 1930ء میں الٰہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے تاریخی خطبۂ صدارت میں مذہب و سیاست کے باہمی ربط پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی تھی:

"In Islam God and the universe, spirit and matter Church and State, are organic to each other".

قائداعظم محمد علی جناحؒ ان کی ہم نوائی کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں:

یہ کتاب عظیم یعنی قرآن ہندوستان کے مسلمانوں کا آخری سہارا ہے"۔(26 دسمبر 1943ء)۔

چودھری رحمت علیؒ بھی ان کے نظریات کی تائید کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں:

"اگر ہم اپنی قومی زندگی میں مذہب کو اس کے اعلیٰ مقام تک بلند نہیں کریں گے تو دوسری چیزوں کے علاوہ یہ انداز پاکستان کے وجود اور ارتقاء کے لئے خطرناک ثابت ہوگا"۔ (پاکستان --- پاک قوم کا آبائی وطن' بائیسواں باب' ص 345)

۳- مسلم اتحاد:

پاکستان کا قیام بنیادی طور پر اگرچہ مسلمانانِ ہند کی آزادی کے لئے تھا تاہم ہمارے یہ عظیم قائدین پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے مابین گہرے سیاسی' ثقافتی' دینی' اقتصادی اور علمی روابط کو بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔ قرآن حکیم اور ارشادات نبویؐ میں اسلامی اتحاد کی اہمیت و افادیت کو کافی واضح انداز میں بیان کیا گیا تھا۔ جب تک مسلمان آپس میں اخوت' مساوات اور حریت کے زریں اصولوں پر عمل پیرا رہے وہ روحانی اور مادی لحاظ سے دوسری قوموں پر غالب و

حاکم رہے لیکن جب ان میں باہمی نفاق و انتشار نے جنم لیا تو وہ ذلیل و خوار ہو گئے۔ کیا یہ المیہ نہیں کہ کافی بڑی تعداد اور بے شمار قدرتی وسائل کے ہوتے ہوئے بھی وہ آج کل غیر مسلموں کے دست نگر بنے ہیں؟ اس ضمن میں ان تینوں قائدین کے مختصر ارشادات ملاحظہ ہوں۔ علامہ اقبالؒ کا کہنا ہے:

؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

قائداعظمؒ فرماتے ہیں:

"آیئے ہم آزاد اور خودمختار ملکوں کے لئے یہ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ انھیں اپنی آزادی اور خودمختاری کو محفوظ و برقرار رکھنے میں مدد دے"۔ (اکتوبر 1942ء)

چودھری رحمت علی مرحوم و مغفور اتحاد بین المسلمین کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

"ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اتحاد کی حفاظت اور فروغ کے لئے کام کریں اور اسے اپنی قوموں اور اپنے ملکوں کے درمیان باقی رکھیں"۔ (پاکستان --- پاک قوم کا آبائی وطن' سترہواں باب)

۴- عوامی فلاح و بہبود:

ریاست کی تشکیل اور نظام حکومت کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی صحیح انداز میں نشوونما کرنا ہے۔ اگر کوئی حکومت عوام کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل' ان کی اخلاقی و تہذیبی اصلاح اور ان کی فلاح کی ذمہ داریوں کو کماحقہٗ پورا کرنے سے قاصر ہے تو اسے کامیاب اور درست طرز کی حکومت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ عوام میں معاشی عدمِ مساوات' ناانصافی' طبقاتی کشمکش' زیردستوں کا کسی قسم کا بھی سیاسی یا ذہنی استحصال' بدامنی اور فساد کا وجود اس امر کا بین ثبوت ہے کہ وہ حکومت وقت ان پر حکمرانی کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔ اسلامی تاریخ میں خلافتِ راشدہ کا دور عوامی فلاح اور خدائی حاکمیت کا آئینہ دار تھا۔ پاکستان کے قیام کا ایک اہم سبب انگریزوں کی سیاسی محکومیت' اقتصادی پس ماندگی اور انسانی حاکمیت سے چھٹکارا پانا بھی تھا۔ بانیٔ پاکستان' شاعر مشرق اور نقاشِ پاکستان تینوں کی رائے میں اسلامی حکومت کا قیام پاکستان کے اہم محرکات میں تھا۔ ان کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

علامہ اقبال محمد علی جناحؒ کے نام ایک خط مورخہ 28 مئی 1937ء میں انھیں مشورہ دیتے ہیں کہ وہ مسلم لیگ کو عوامی اور فلاحی تنظیم بنائیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"Personally I belive that a political organisation which gives no promise of improving the lot of the average muslim cannot attract our masses".

قائداعظمؒ نے 24 اپریل 1943ء کو ایک تقریر کے دوران کہا تھا:

''میں نے دیہاتوں میں جا کر دیکھا ہے کہ ہمارے لاکھوں لوگوں کو بمشکل ایک دن کا کھانا میسر آتا ہے۔ کیا اس کا نام تہذیب ہے؟.....اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو میں ایسے پاکستان کو حاصل نہیں کروں گا''۔

چودھری رحمت علیؒ بھی مغربی سامراج کی مسلم کش پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مغربی سامراج کی مجوزہ اور بے روح پالیسی اپنی رعایا کو اپنے لئے چوب تراشوں اور ماشکیوں کا گروہ بنانا ہے''۔

اس مختصر جائزے میں ان تینوں بزرگوں کے مشترک افکار کا نچوڑ ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال وہ تینوں اپنے اپنے انداز میں مسلمانانِ ہند کی آزادی، نجات اور اسلامی احیا کے لئے کوشاں رہے تھے۔ خدا تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے اور ان کی مساعی کو بارآور کرے۔

□□□

QUAID-AZIM'S MESSAGE TO MUSLIM STUDENTS

It is an admitted fact that there is a very close relationship between a nation and its individuals. In reality, it is the individuals especially young people who play a very vital and significant role to make or mar their nation. The Poet- Philosopher of Pakistan, Allama Iqbal, has described this ideal and bilateral relationship in the following verse. He says:-

ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارا ۔ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

(The destiny of nations is in the hands of their individuals. Every individual is a star of his national destiny).

The Quaid-i-Azam was fully aware of the paramount importance of young members of a Muslim society. Like Allama Iqbal, he always attached supreme importance to the Muslim youth. He was not only a far-sighted political leader of high calibre but also an acute observer of the stern realities of social and national life. It goes without saying that young persons can play a leading role in making or marring the destiny of their nation and country. Because of their unbounded zeal and fiery ambitions they are always more active than any other section of human society. As a matter of fact, they are the future builders of their nation and the rulers of their country. Rightly-trained and properly-guided young persons are sure to perform miracles and most astionishing deeds in order to put their country on the road to development. Keeping it in view,

many reformers, educationists, psychologists and politicians are always eager to establish close links with them.

It is a matter of great pity that the present-day Muslim Students are playing into the hands of some very cunning and selfish politicians who try their utmost to use them as a pawn on the chess-board of dirty and disruptive politics. Some political organisations seek their support to stir up trouble for their ulterior motives. They instigate these politically-inexperienced and simple-minded students against authority and thus create unhealthy atmosphere in the seats of learning. As a result of student indiscipline, colleges and universities are closed for an indefinite period. The interference of some political parties in colleges and universities has created an atmosphere of mutual hatred and disunity in the ranks of our patriotic and sincere students. The frequent use of firearms in many colleges and universities has assumed alarming proportions. This sad state of affairs exhibits our lack of faith in sound and healthy values of life. The Founder of Pakistan, Mohammad Ali Jinnah, had addressed Muslim students on many occasions so that they might take keen interest in their educational career and keep themselves aloof from practical politics. He was highly critical of their destructive and nefarious activities. Like a sincere and benevolent Father of the National he exhorted them to give top priority to their lofty educational aims and objects in order to prepare themselves for a better role in their practical life after completing their education. Is it not a painful and regrettable fact that most of our students and youngmen and women are engaged in unworthy and futile activities? As a result of their foolish and rebellious behaviour their parents have to suffer financial loss and face many unexpeced hardships. Maulana Rumi, a world-famous Muslim saint and mystic, has beautifully depicted this sorry state of young and wrong-headed persons in the following words. he says:-

؎ مرغ پر نارستہ چوں پراں شود　　طعمۂ ہر گربۂ ڈراں شود

(When a partically-grown chicken tries to fly. He is devoured by every ferocious cat).

In the same way, our inexperienced and credulous youngters fall an easy prey to some callous and stone-hearted people who exploit them for their selfish ends.

I would like to invite your attention to the following excerpts from the speeches and statements of our beloved leader, Mohammad Ali Jinnah, which he had delivered on various occasions for the guidance of Muslim Students. I am sure these wise, pithy and thought-provoking quotations will prove an eye-opener to our Muslim youth. Instead of wastng their most precious time and their parents hard-carned money they must ponder over the thoughts of their great political seer who, after the successful completion of his studies, had rendered valuable services to his nations. They must also follow in his foot-steps to bring glory and fame to their country and nation. The sum and substance of Mohammad Ali Jinnah's message is as follows:-

i) "I would urge you never to forget that Islam expects every Muslim to do his duty". (13th November, 1939).
ii) "I would especially appeal to the Muslim students and the intelligentsia to be up and doing. The prosperity and advancement of a nation depend upon its intelligentsia". (24th December, 1940).
iii) ".....do not be carried away by sentiments, do not be carried away by slogans". (2nd March, 1941).
iv) "You must, my young friends .... apply your minds to the nation-building departments". (2nd March, 1941).
v) "The time has now come to devote yourselves more and more to the constructive programme. I ask you to spend your vacation in attending to constructive work, like the spread of literacy, social uplifts, economic betterment and greater political consciousness and discipline among our people". (March 10, 1941).
vi) "I do not want you to misunderstand me when I say

that you should not take active part in politics.

I want you to prepare, equip and qualify yourselves. The first and foremost necessity is to study, study and study". (November 15, 1942).

In the light of above -mentioned quotations we can easily conclude that Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah urged upon them to devote their attention to their educational aims and not to take active part in politics. In spite of this advice he always appreciated their efforts in connection with the freedom movement that was launched by the All-India Muslim League, under his dynamic leadership, for an independent Muslim State in the sub-continent of Indo-Pakistan. We cannot deny this well-recognised historical fact that the patriotic and Islam-loving students played a major part for popularising the concept of Pakistan. In addition to their academic activities they made every possible attempt to keep the Muslim masses aware of the supreme importance of the idea of Pakistan. In this way, they strengthened the hands of Mohammad Alij Jinnah for the achievement of Pakistan. In the long run their untiring efforts and sincere sacrifices became fruitful and the dream of Pakistan came ture.

Mohammad Ali Jinnah always felt proud of those Muslim students who rendered meritorieous services to their nation and Islam. He had, unquestionably, pinned great hopes on them to come forward for serving their nation at the most critical time of its existence. He was, as a matter of fact, very eager to see them fully-equipped and properly-trained to shoulder their future national and Islamic responsibilities. He gave them a stern warning not to be taken in by the cheap slogans of some disgrunteld and impoverished co-religonists either in their spare time or during their summer vacation. His real message to them was to realise their parental obligations and national responsibilities and not to be exploited by undersireable and selfcentered persons. These wise sayings of our greatest political leader must not go unheeded. We hope that our present-day Muslim students will leave no stone

unturned to act upon these sayings. Pakistan is faced with many baffling problems. It is their first and foremost moral duty to maintain the integrity and solidarity of Pakistan by adopting a positive and realistic attitude towards life.

□□□

جداگانہ قومیت کا نظریہ

فرقہ وارانہ فسادات نے دُور اندیش اور روشن ضمیر مسلمانوں پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں کردی کہ کانگرس اور ہندو لیڈر مسلمانانِ ہند کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی بجائے مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے بھی محروم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہندو لیڈر فسادات کی بنا پر مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ اقبالؒ اور جناحؒ ہندوؤں کی اس ذہنیت کی ہمیشہ مذمت کرتے رہے۔ اس صورتِ حالات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد علامہ اقبالؒ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کے لئے الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کرنا چاہیئے تا کہ وہ امن وسکون کے ساتھ اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ جب دسمبر 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے الٰہ آباد میں اجلاس منعقد کیا تو اس کی صدارت مفکرِ پاکستان علامہ اقبالؒ نے کی تھی۔ انھوں نے ہندو مسلم فسادات کو ختم کرنے کے لئے اپنے خطبۂ صدارت میں پاکستان کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''برطانوی سلطنت کے اندر شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے اسلامی ریاست کا قیام نوشتۂ تقدیر معلوم ہوتا ہے اس لئے میں اسلام اور ہندوستان کے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک مضبوط اسلامی ریاست کی تشکیل کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اندرونی توازنِ اقتدار کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان میں امن اور سلامتی کا دور دورہ ہوگا۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کو اپنی تعلیم اور ثقافت کو پروان چڑھانے کا موقع مل جائے گا''۔

مفکرِ پاکستان اور ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ کے اس تاریخی خطبے کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کو اپنا مستقبل تابناک نظر آنے لگا۔ اس کے برعکس ہندو لیڈر تصورِ پاکستان کو اپنے لئے بہت بڑا خطرہ خیال کرنے لگے۔ اقبالؒ کی رائے میں تصورِ پاکستان ہی برصغیر پاک و ہند کے مظلوم، محکوم اور پس ماندہ مسلمانوں کی مشکلات کا واحد حل تھا۔ انھوں نے مجموعی طور پر اس نظریئے کی حمایت

میں یہ دلائل دیئے تھے:

۱- اسلامی ریاست کے قیام کی بنا پر ہندو مسلم فسادات کا خاتمہ ہو جائے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ برصغیر پاک و ہند میں امن اور سلامتی کا راج ہوگا۔

۲- اسلامی ریاست کی تشکیل کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ہندو اور مسلمان آزادی کے ساتھ اپنی اپنی روایات اور مذہب کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال سکیں گے۔

۳- شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لئے ابھی اسلامی ریاست کا قیام ناگزیر ہے کیونکہ

ع عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

اکبر الٰہ آبادی بھی مذہب اور حکومت کے باہمی ربط پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

؎ نہ ہو مذہب میں گر زورِ حکومت
نرا اک فلسفہ ہی فلسفہ ہے

۴- مشرقی اقوام کی سربلندی اور ترقی کے لئے بھی آزاد اسلامی ریاست کا قیام بے حد ضروری ہے کیونکہ ملتِ اسلامیہ ہی راہ گم کردہ انسانیت کی صحیح طور پر رہنمائی کر سکتی ہے۔ علامہ موصوف اس حقیقت کو ان ولولہ انگیز اشعار میں بیان کرتے ہیں:

؎ رشتۂ سود و زیاں در دستِ تست
آبروئے خاوراں در دستِ تست
اہل حق را زندگی از قوت است
قوتِ ہر ملّت از جمعیت است

؎ سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

۵- ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوؤں اور انگریزوں کی سیاسی اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی اسلامی ریاست کا وجود اشد ضروری ہے۔

۶- اگر اسلامی ریاست قائم نہ کی گئی تو انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارا پا کر مسلمان ہندوؤں کے محکوم ہو جائیں گے۔

۷- برصغیر پاک و ہند میں ایک قوم کی بجائے مختلف قومیں آباد ہیں کیونکہ اسلام کی رُو سے قوم کی وطن پر بنیاد نہیں بلکہ یہ مذہب پر مبنی ہے۔

حکیم الامت' شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے جب یہ انقلابی اور تاریخی تصور پیش کیا تو ہندوؤں نے اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے اسے ہدفِ تضحیک وتنقید بنایا۔ گاندھی' نہرو اور راجگو پال اچاریہ وغیرہ ممتاز ہندو لیڈر بڑے تلملائے' گاندھی جی نے تو تقسیمِ ہند کو گئو ماتا کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے مترادف قرار دیا۔ ہندو لیڈروں کی طرح سامراجی انگریز بھی مسلمانوں کو الگ قوم تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو ہندو قوم کا جزو خیال کرنے سے انکار کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ گول میز کانفرنس میں زیر بحث آنے والے مسئلۂ وفاق کو ہندو انڈیا اور برطانوی سامراج کے درمیان گٹھ جوڑ تصور کرتے ہوئے انھوں نے الگ اسلامی ریاست کے قیام پر زور دیا۔ انھوں نے اس نازک مرحلہ پر قائداعظم محمد علی جناحؒ کو 20 مارچ 1937ء کے ایک خط میں لکھا تھا کہ وہ دہلی میں منعقد ہونے والی آل انڈیا مسلم کنونشن میں ہندوؤں کے اس اعتراض کا جواب دیں کہ روٹی ہی مسلمانوں کا واحد مسئلہ نہیں بلکہ انھیں اپنی ثقافت بھی عزیز ہے اس لئے وہ اسلامی ریاست کا مطالبہ کرتے ہیں۔ الغرض علامہ اقبالؒ نے صرف پاکستان کے تصور کو پیش کرنا ہی کافی نہیں سمجھا تھا بلکہ انھوں نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی لگاتار کوشش کی تھی۔ اس ضمن میں وہ بار بار قائداعظم محمد علی جناحؒ کو مشورے دیتے رہے۔ ایک طرف تو انھوں نے بابائے قوم اور بانیٔ پاکستان پر اسلامی نظریۂ قومیت واضح کیا اور دوسری طرف وہ انھیں مسلم لیگ کو زیادہ مضبوط بنانے پر زور دیتے رہے۔ انھوں نے محمد علی جناحؒ کو 21 جون 1937ء کو جو خط لکھا تھا اس میں بانیٔ پاکستان کو اس بات کا مشورہ دیا تھا کہ مسلم لیگ کا آئندہ اجلاس لاہور میں منعقد کیا جائے کیونکہ پنجاب کے لوگ اس میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کی گذشتہ سرگرمیوں میں حصّہ لیتے اور انگریزوں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کا دشمن قرار دیتے ہوئے علامہ اقبالؒ کے نظریات کا اعادہ کیا تھا۔ قراردادِ لاہور کے بعد مسلم لیگ صحیح طور پر مسلمانوں کی عوامی تنظیم اور قومی تحریک بن گئی تھی۔ بعدازاں قائداعظم محمد علی جناحؒ کی مساعی کی بدولت پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ ان تمام حالات سے تصورِ پاکستان سے لے کر قیامِ پاکستان تک کے کم وبیش تمام اہم ارتقائی مراحل کا پتہ چلتا ہے۔ نیز ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اقبالؒ اور جناحؒ کس طرح ایک دوسرے کے تعاون سے مسلم لیگ کو کامیاب بناتے رہے۔

بعض حضرات اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ علامہ اقبالؒ کے سوا دیگر ممتاز لیگی لیڈر اسلام کو

پاکستان کی بنیاد تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ مسلم لیگ کے قیام کو صرف چند اقتصادی اور سیاسی مفادات سے وابستہ خیال کرتے ہیں۔ یہ نظریہ درست نہیں کیونکہ مفکرِ پاکستان علامہ اقبالؒ اور معمارِ پاکستان محمد علی جناحؒ دونوں ہی قیامِ پاکستان کا مقصد لا الٰہ الا اللہ قرار دیتے رہے۔ بانیٔ پاکستان نے علامہ اقبالؒ کی وفات کے بعد بھی اس نظریئے کا بڑی شدت سے پرچار کیا۔ ان کی تقاریر اور بیانات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ وہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی اسلام کو تاسیسِ پاکستان سمجھتے رہے۔ انھوں نے ہمیشہ اسلامی آئیڈیالوجی کو پاکستان کی بنیاد خیال کیا۔ اگر پاکستان کی بنیاد مذہبی تصور پر نہ ہوتی تو مسلمان قیامِ پاکستان کی تحریک کے لئے ہرگز مکمل تعاون اور پُرجوش نظریاتی ہم آہنگی کا اظہار نہ کرتے۔ سچ تو یہ ہے کہ پاکستان کا قیام اسلامی نظریۂ حیات کی پیداوار ہے۔ اقتصادی اور سیاسی حالات ہی تشکیلِ پاکستان کا واحد سبب بھی بنے کیونکہ مذہبی نظریات اور احساسات بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ پاکستان کی اس نظریاتی اسلامی بنیاد کو اقبالؒ اور جناحؒ دونوں نے اپنی تقاریر' تحریر اور خطوط میں بیان کیا ہے۔ لیاقت علی خاں مرحوم جب 1950ء میں امریکہ گئے تو انھوں نے وہاں ایک تقریر میں امریکی عوام کو پاکستان کے پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ نہ صرف اقتصادی اور سیاسی اختلافات بلکہ مذہبی اختلافات نے بھی پاکستان کو جنم دیا ہے۔ ہم اس بات کا تو اقرار کر سکتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے سلسلے میں اقبالؒ اور جناحؒ کا خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ سرے ہی سے پاکستان کی کوئی آئیڈیالوجی نہیں۔ اس ضمن میں بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بیانات و تقاریر کے چند مندرجہ ذیل اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن میں انھوں نے پاکستان اور اسلام کے باہمی تعلّق پر روشنی ڈالی ہے:

۱- ''پاکستان ہمارے لئے ہمارا دفاع' ہماری نجات اور ہمارا مقدر ہے۔ پاکستان ہی واحد راستہ ہے جو ہماری آزادی اور عزت کے تحفظ اور اسلام کی شان کو برقرار رکھنے کا ضامن بن سکتا ہے''۔ ('پاکستان ڈے' 23 مارچ 1944ء)

۲- ''مسلمان اس لئے پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہاں وہ اپنے طرزِ حیات' ثقافتی فروغ' روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں''۔ (سرحد میں مسلم لیگ کانفرنس' 21 نومبر 1945ء)

۳- ''ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔ ان کی اپنی اپنی جداگانہ ثقافت' تہذیب' زبان' ادب' فنونِ لطیفہ' تعمیرات' قانون' اخلاقی ضوابط' رواج' تقویم'

تاریخ، روایات، رویے اور عزائم ہیں۔ مختصراً ہمارا ایک واضح اور منفرد نظریۂ حیات ہے۔ بین الاقوامی قانون کے ہر معیار اور اصول کے لحاظ سے ہم ایک قوم ہیں۔

"The creation of state of our own was means to an end and not the end in itself. The idea was that we should have a state in which we could live and breathe as free men and which we could develop according to our culture and where principles of Islamic social justice could find free play". (Karachi, October 11, 1947).

"Islam is not only a set of rituals, --- traditions and spiritual doctrines. Islam is also a code for every Muslim which regualtes his life and his conduct in even politics and economics and the like. It is based on the highest principles of honour, integrity, fair play and justice for all".

ان اقتباسات سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ بھی ہمیشہ علامہ اقبالؒ کی طرح قیامِ پاکستان کے لئے اسلام کو بنیاد قرار دیتے ہوئے ہمیں اس کو مثالی ریاست بنانے کا مشورہ دیتے رہے۔ علامہ اقبالؒ کو جب قائداعظم محمد علی جناحؒ ایسے بلند نظر، بیدار مغز، عالی ہمت، اسلام دوست اور مخلص راہنما کا تعاون حاصل ہو گیا تو انھوں نے اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنا ختم کر دیا تھا جیسا وہ خود فرماتے ہیں:

؎ گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم اپنے وطن عزیز کے استحکام اور ترقی کے لئے روز و شب کوشش کریں تا کہ ہم ملّت اسلامیہ اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اقوامِ عالم کی سیادت کے قابل بنا سکیں۔

□□□

محمد علی جناحؒ اور مسلم لیگ

تاریخِ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض شخصیات اس قدر جاذب، جاندار اور عہد آفریں ہوتی ہیں کہ کئی عصری واقعات اور تحریکیں ان کی بدولت شہرتِ عام حاصل کر لیتی ہیں۔ ایسے عہد آفریں اور دانا انسان گاہے گاہے جنم لیا کرتے ہیں، بقول اقبالؒ:

؎ عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علیہ الرحمۃ بھی ایسے ہی نابغہ اشخاص کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قادرِ مطلق نے ان کو بہت سی دماغی قوتوں اور قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ بلاشبہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ خدا تعالیٰ جب کسی انسان کو عظمت و شہرت عطا کرنے پر مائل ہوتے ہیں تو وہ اس کے زمانے کے حالات کو اس کے مقاصدِ جلیلہ کے مطابق سازگار بنا دیا کرتے ہیں۔ وہ اپنی بے پناہ ظاہری اور باطنی قوتوں کو بروئے کار لا کر صحیح معنوں میں ''سوارِ اشہب دوراں'' اور ''فروغِ دیدۂ امکاں'' بن جاتا ہے۔ وہ زمانے کی ہوا کے مطابق چلنے کی بجائے اسے اپنی منزلِ مقصود کی سمت چلانے کا قائل ہوتا ہے۔ قائداعظمؒ نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ مسلمانانِ ہند کے لئے سخت ابتلا کا دور تھا۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد برصغیر پاک و ہند کے مسلمان گوناگوں مشکلات و مسائل کے گرداب میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ ہندوؤں کے خُبث باطن اور انگریزوں کی مسلم کُش پالیسی کی بنا پر وہ ہر شعبۂ حیات میں پس ماندہ ہو گئے تھے۔ تعلیمی، اقتصادی، سماجی، تہذیبی، اخلاقی، سیاسی اور مذہبی اعتبار سے انھیں کوئی حیثیت حاصل نہ رہی۔ ہندوؤں نے انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے انھیں ہر لحاظ سے پس ماندہ، محکوم اور خوار کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ انگریزوں نے صلیبی جنگوں میں اپنی عبرت ناک شکست کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی نشأۃِ ثانیہ اور عروج کا راستہ روکنے کے لئے ہر قسم کے انسانیت سوز

مظالم اور ابلیسی ہتھکنڈوں سے کام لیا تا کہ مسلمان دوبارہ ان کے مدمقابل نہ بن سکیں۔ ہندوؤں نے بھی مسلمانانِ ہند سے اپنی طویل محکومیت کا بدلہ لینے کی خاطر انھیں ذلیل وخوار کرنا شروع کر دیا۔ علاوہ ازیں انھوں نے ہندوستان سے مسلمانوں کے قدیم ثقافتی اور تہذیبی نشانات کو مٹانے اور انھیں ہندو بنانے کے لئے پوری تندہی سے اپنے مکروہ عزائم کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے اسلامیانِ ہند ظلم ونفرت کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان بری طرح پس رہے تھے۔ ایسے حالات میں قدرت نے بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ کو منظرِ عام پر لانے کا انتظام کر دیا تا کہ وہ اپنی فلاکت زدہ اور مظلوم ومحکوم قوم کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکیں:

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

جہاں تک مسلم لیگ کے قدیم ملّی استحکام اور قائداعظمؒ کی مساعیٔ جمیلہ کا تعلّق ہے وہ اربابِ دانش سے مخفی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے تعلیمی مراحل کو طے کر چکنے کے بعد وہ وکالت اور سیاست کے میدان میں داخل ہوئے اور انھوں نے آزادیٔ وطن کی خاطر کانگرس میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ جب انھوں نے ہندوؤں کے طرزِ سیاست، متعصّبانہ ذہن اور مسلم کُش پالیسیوں کا بغور مطالعہ ومشاہدہ کیا تو انھیں ان کی پُرفریب قیادت سے سخت نفرت ہونے لگی، وہ آزادیٔ وطن کے نام پر مسلمانوں کے خلاف ہندوانہ سازشوں کو برداشت نہ کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور آخری دم تک اسے مقبولِ عوام بنانے کے لئے سرگرمِ عمل رہے۔

آیئے ہم دیکھیں کہ اس جماعت کے استحکام کے بارے میں ان کے افکار وخیالات کیا تھے اور وہ اسے آئندہ بھی مستحکم بنانے کا کیا لائحہ عمل پیش کر گئے ہیں۔ آج کل پاکستان جس انتشارِ فکر ونظر کا شکار ہے وہ ہم سب پر بخوبی عیاں ہے۔ قیامِ پاکستان کے ضمن میں آل انڈیا مسلم لیگ نے جو قابلِ قدر قومی خدمات سرانجام دی تھیں وہ قابلِ تحسین اور ملّی وحدت کی آئینہ دار تھیں۔ اگر مسلم لیگ کے ارکان اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے کے صحیح معنوں میں آرزومند ہیں تو انھیں اس بارے میں قائداعظمؒ کے ان درخشندہ ارشادات پر بڑے خلوص سے عمل کرنا ہوگا جو ہمیں ان کی مختلف تقاریر اور بیانات میں دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں ان کے بلند خیالات اور گہرے دلی احساسات کے اقتباسات کا خلاصہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

مسلم لیگ کی اہمیّت

آل انڈیا مسلم لیگ اب زندہ رہنے اور انڈین سیاست کی دنیا میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے آئی ہے۔ جتنی جلدی اس کی حیثیت کو محسوس کیا جائے یہ اسی قدر بہتر ہوگا۔ (اکتوبر 1937ء)

انڈین مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ

آل انڈیا مسلم لیگ یقینی طور پر مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے مؤثر تحفظ کی حامی ہے۔ یہ چیز اس کا اہم اور لازمی اصول ہے۔ (اکتوبر 1937ء)

مسلم لیگ کا اہم اصول اور نصب العین انڈیا کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور منصب کی حفاظت کرنا ہے..... ہندوستان کے مسلمان ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (15 فروری 1942ء)

مسلم لیگ کا تصورِ آزادی

مسلم لیگ آزادی کے حصول کا عزم بالجزم کر چکی ہے۔ یہ آزادی نہ صرف طاقت ور اور غالب لوگوں کے لئے ہوگی بلکہ یہ کمزور اور مظلوم انسانوں کے لئے بھی ہوگی۔ (5 فروری 1938ء)

قومی شعور کی بیداری

جہاں تک مسلمانوں کا تعلّق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے لئے یہ عظیم تبریک کا باعث ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کے اندر نمایاں قومی شعور بیدار کرنے میں عروسِ کامرانی سے ہمکنار ہو چکی ہے جیسا کہ میں اس سے قبل بیان کر چکا ہوں مسلمان اپنے اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور سے محروم ہو گئے تھے"۔ (دسمبر 1938ء)

پانچ سال کے اندر اندر ہم اسلامیانِ ہند کو منظّم کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ گذشتہ ڈیڑھ صدی میں وہ کبھی اس قدر منظّم نہیں ہوئے تھے، اب وہ جس انداز میں انقلاب پذیر اور بیدار ہوئے ہیں اس نے ہمارے مخالفوں کو حیران وپریشان کر دیا ہے۔ (7 مارچ 1942ء)

آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے آج سے پانچ سال پہلے ہندوستان کے مسلمانوں کی

نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب مسلمانانِ ہند فالج کی سابقہ حالت میں نہیں ہیں۔ آخرکار وہ کئی دہائیوں کی کاہلی اور خوفناک خوابِ گراں سے بیدار ہوگئے ہیں۔ (7 مارچ 1942ء)

مسلم لیگ اور عوامی بہبود

ہم نے جذبہ وفکر کے اتحاد کی بنا پر مستحکم رائے عامہ پیدا کی ہے۔ آیئے ہم عوام کی تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور اخلاقی بہتری کے لئے ان کی اصلاح کو مرکز توجہ بنائیں۔ آیئے ہم اپنے لیڈروں کے ساتھ تعاون کریں تاکہ وہ ہماری اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے کام کرسکیں۔ (25 جنوری 1943ء)

قائدین پر عوامی احتساب کی ضرورت

بعض اوقات خودغرضی، ذاتی مفاد یا منفعتِ ذات کی وجہ سے ہمارے نمائندے، لیڈر اور وزیر ہمیں رسوا کردیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ٹھوس اور متحد رائے عامہ سے زیادہ کوئی اور چیز زیادہ طاقتور اور مؤثر نہیں ہوتی۔ تم لوگ اپنی مرضی کے مطابق اپنے لیڈروں کو بنا بھی سکتے ہو اور انھیں بگاڑ بھی سکتے ہو۔ (جون 1941ء)

مسلم لیگ کی قومی خدمات

آل انڈیا مسلم لیگ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی صحیح طور پر قیادت کی ہے۔ مسلم لیگ نے انھیں ایک پرچم، ایک پلیٹ فارم، ایک پالیسی اور ایک واضح پروگرام دینے کے علاوہ ان کے لئے صحیح منزلِ مقصود اور نصب العین کی نشاندہی کی ہے۔ (26 مئی 1940ء)

مسلم لیگ نے مسلمانانِ ہند کے وقار کو بلند کردیا ہے۔ آج ہم اس مقام تک جا پہنچے ہیں کہ اپنا جداگانہ واضح سیاسی تشخص منوانے کے علاوہ ہم الگ وطن اور ریاست کے بھی حق دار بن گئے ہیں۔ (10 مارچ 1941ء)

مسلم لیگ میں شمولیت کی اپیل

میں التجا کرتا ہوں کہ ہر مسلمان مرد، عورت اور بچہ آل انڈیا مسلم لیگ کے متحدہ پلیٹ فارم اور جھنڈے کے گرد جمع ہو جائے۔ تم اپنے آپ کو منظم کرکے اپنے استحکام اور مکمل اتحاد کو قائم

کرو۔ تم اپنے آپ کو تربیت یافتہ اور منظم سپاہیوں کی طرح تیار کرو..... اپنے لوگوں اور وطن کی خاطر دیانت داری سے کام کرو۔ (اکتوبر 1937ء)

میں ہر ایک مسلمان سے مسلم لیگ میں شمولیت کی اپیل کرتا ہوں۔ یہ کسی مخصوص فردِ واحد کی ملکیت نہیں بلکہ یہ تمہاری اپنی جماعت ہے۔ (دسمبر 1938ء)

آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام سے پیشتر ہندوستان کے مسلمان راہ گم کردہ کاروان کی مانند اپنی حقیقی منزلِ مقصود کی تلاش میں سرگرداں وحیران تھے۔ وہ زندگی کے ہر اہم شعبے میں اس قدر پس ماندہ ہوچکے تھے کہ فردوسیٔ ہند یعنی مولانا الطاف حسین حالیؒ کو بحالتِ یاس یہ کہنا پڑا:

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

ان حوصلہ فرسا اور یاس انگیز حالات میں بعض ہمدرد اور مخلص مسلمان قائدین نے آگے بڑھ کر ان کی یاوری کرنے کے لئے بیسویں صدی کے آغاز میں آل انڈیا مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالی۔ جب ان کے خونِ جگر کی آبیاری کی بدولت یہ چھوٹا سا پودا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرگیا تو اس کے سائے میں مسلمان لیڈر آکر بیٹھتے چلے گئے۔

قائداعظمؒ نے اپنی سیاسی دور اندیشی، ایمانی فراست، عزمِ راسخ، آہنی قوتِ ارادی، بلند نگاہی اور خداداد ذہانت سے کام لیتے ہوئے مسلم لیگ میں داخل ہوکر اسے چند سالوں ہی میں ایک مؤثر اور مقبول مسلم تنظیم بنالیا۔ قیامِ پاکستان سے قبل انھوں نے مختلف مواقع پر جو تقریریں کی تھیں ان میں مسلم لیگ کو مزید مقبولِ عوام بنانے کے لئے انھوں نے کئی مفید اور خیال افروز تجاویز پیش کیں۔ مسلم لیگ کے استحکام سے متعلق ان کے اعلیٰ خیالات اور قلبی احساسات کی چند جھلکیاں اقتباسات کی صورت میں پیش کی جاچکی ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ تشکیلِ پاکستان کے بعد مسلم لیگ کی قیادت مختلف اسباب کے تحت کئی بحرانوں کا شکار ہوگئی اور مسلم لیگی حضرات مقاصدِ پاکستان کی تکمیل سے لاپرواہ ہوگئے تھے؟ اگر وہ قائداعظمؒ کے ارشادات اور اسلامی تعلیمات کو نظرانداز نہ کرتے تو آج پاکستان میں لاتعداد سیاسی جماعتیں معرضِ وجود میں نہ آتیں اور نہ ہی ہمیں اندرونی اور بیرونی شکست وریخت سے دوچار ہونا پڑتا۔ مسلم لیگ کے ارکان اگر اب بھی سابقہ شاندار روایات اور ملّی خدمات کو بحال کرنے کا مصمم ارادہ کرکے پورے خلوص سے کام شروع کردیں تو پاکستان میں فکری انتشار اور ریشہ دوانیوں کا زور کم ہوسکتا ہے۔ مسلم لیگی وزراء اور قائدین کو بانیٔ پاکستان کے درجِ ذیل دو اقتباسات کی روشنی میں اپنے فکروعمل کو نئے

سانچے میں ڈھالنا ہوگا وگرنہ مسلم لیگ اور اسلامی احیاء سے ان کی زبانی اور ظاہری عقیدت چنداں مفید ثابت نہ ہوگی۔

''مسلم لیگ وزیروں اور وزارتوں کے لئے معرضِ وجود میں نہیں آئی۔ اس کے برعکس اگر مسلم لیگ انھیں قبول کرے تو وزراء اور ان کی وزارتیں قائم ہیں..... ہم کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ مسلم لیگ کو وزیر بننے اور اسے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے بطورِ زینہ استعمال کرے''۔ (15 فروری 1942ء)

''ہم وزراء کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں بلکہ ہم تو وزیروں سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری خاطر قربانیاں دیں..... اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس وزیر کی حمایت سے دستبردار ہونے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے جو مسلم لیگ کے اصولوں پر عمل پیرا نہ ہو''۔ (24 اپریل 1943ء)

مسلم لیگ کو صحیح معنوں میں عوامی، مقبول اور مفید بنانے کے لئے مسلم لیگی حضرات کو اپنے موجودہ طرزِ عمل کا بے لاگ جائزہ لینا چاہیئے تا کہ وہ بانیٔ پاکستان کے صحیح جانشین اور اسلام کے علمبردار بن کر عوام کی فلاح و بہبود کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ اسلامی نظریۂ سیاست کے تحت قوم کا سردار عوام کا خادم ہوا کرتا ہے جیسا کہ محسنِ انسانیت اور ہادیٔ اعظم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

سَیِّدُ القَومِ خَادِمُھُمْ ''قوم کا سردار لوگوں کا خادم ہے''۔

؎ سروری در دین ما خدمت گری است

(اقبالؒ)

□□□

قائداعظمؒ کا پاکستان

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے پاکستان کی تشکیل اور آزادیٔ وطن کے ضمن میں جو گراں قدر اور قابلِ ستائش قومی اور اسلامی خدمات سرانجام دی ہیں وہ اصحابِ دانش وفکر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ان کے تصورِ پاکستان کے بارے میں مختلف مکاتبِ فکر پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ کی رائے میں وہ پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے حامی تھے۔ اس کے برعکس دوسرا مکتب خیال انھیں سیکولر ریاست کا مؤید قرار دیتا ہے۔ پاکستان کی لاتعداد مذہبی اور سیاسی جماعتیں اپنے اپنے مخصوص خیالات کی روشنی میں پاکستان کے خواب کی تعبیریں پیش کر کے عوام الناس کو فکری انتشار میں مبتلا کر رہی ہیں۔

ع شُد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا

پاکستان کے تصور کی اتنی متضاد تشریحات بیان کی جا رہی ہیں کہ عام پاکستانی اس کی اصلیت سے بے خبر ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسے نازک قومی حالات میں بانیٔ پاکستان کے حقیقی نظریۂ پاکستان کے مختلف اہم پہلوؤں کی نقاب کشائی کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ آیئے ہم بانیٔ پاکستان کے گوناگوں خیالات اور اقتباسات کا عمیق مطالعہ کر کے دیکھیں کہ وہ کس قسم کے پاکستان کے علمبردار تھے۔ ان کے نظریۂ پاکستان کو صحیح طور پر جاننے کے لئے ان کی تقاریر اور بیانات کے چیدہ چیدہ حصوں اور اقتباسات کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ میں بڑے اختصار کے ساتھ ان اہم اقتباسات کو ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں تا کہ وہ خود جان سکیں کہ قائداعظمؒ کس طرح کے پاکستان کو معرضِ وجود میں لانے کے لئے ساری عمر کوشاں رہے۔

ہندو راج سے نفرت

''مسٹر گاندھی ہندو راج کے تحت مسلمانوں کو اپنا محکوم بنانے کی امید لگائے ہوئے ہیں

چونکہ میں نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ ہندو راج کی مزاحمت کی ہے اس لئے مجھے بدترین مسلمان خیال کر کے میری مذمت کی جارہی ہے''۔(25 فروری 1940ء)

''ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ ہندو راج کا خواب دیکھنا ترک کر کے انڈیا کو ہندو علاقوں اور مسلم علاقوں میں تقسیم کر دیں''۔(نومبر 1940ء)

''کانگرس کی ساری پالیسی یہ رہی ہے کہ برٹش راج کو ہندو راج میں تبدیل کر دیا جائے.....لیکن ہم ہندوؤں کی حکومت کے تحت زندگی بسر نہیں کریں گے''۔(اگست 1942ء)

آزاد اور جداگانہ مملکت کا قیام

''مسلم انڈیا بدرجۂ اتم آزاد ہو کر اپنی ذہانت کے مطابق اپنے سیاسی' سماجی اور ثقافتی اداروں کو ترقی یافتہ بنانا چاہتا ہے''۔(یکم اکتوبر 1939ء)

''پاکستان نہ صرف ایک قابلِ عمل نصب العین ہے بلکہ اگر تم ہندوستان میں اسلام کو مکمل طور پر نیست و نابود ہونے سے بچانے کے خواہش مند ہو تو یہی نصب العین کام آئے گا''۔(10 مارچ 1941ء)

مسلم ثقافت کا تحفظ اور احیاء

''تم کبھی بھی ہمارے اسلامی کلچر کو برباد نہیں کر سکو گے جسے ہم نے ورثہ میں پایا ہے۔ اسلامی ثقافت کی روح ہمیشہ زندہ رہی ہے اور یہ آئندہ بھی زندہ رہے گی''۔(22 مارچ 1939ء)

دین و سیاست کا امتزاج

''ہر طرح کی سماجی حیاتِ نو اور آزادی کا کسی چیز پر ضرور دارومدار ہونا چاہیئے جو زندگی کے عمیق تر مفہوم کی حامل ہو۔ اگر آپ مجھے ایسا کہنے کی اجازت دیں تو میری نظر میں وہ چیز اسلام اور اسلامی روح ہے''۔(13 نومبر 1939ء)

مسلم قومیت کیا ہے؟

''ہندو مذہب کی شناخت ذات پات ہے جو اس کے مذہبی اور سماجی نظاموں کی اساس ہے.....اس کے برعکس دین اسلام انسانی مساوات کے تصور پر مبنی ہے''۔(19 جنوری 1940ء)

''ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندو دھرم کی اصلیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ دونوں

مذہب نہیں بلکہ حقیقت میں وہ دو مختلف اور ممیز سماجی نظام ہیں۔ یہ خیال خواب سے کم نہیں کہ مسلمان کبھی ہندوؤں کے ساتھ مشترک قومیت کے حامل ہوں گے''۔(مارچ 1940ء)

''ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف بہت گہرا اور نہ مٹنے والا ہے۔ ہم اپنے مخصوص کلچر' تہذیب' زبان' ادب' آرٹ اور فن تعمیر کی بنا پر جداگانہ قوم ہیں''۔(جولائی 1942ء)

بیرونی غلبہ سے بے زاری

''میں نے اپنی ساری زندگی میں کبھی اس نظریئے کو قبول نہیں کیا کہ ہمیں کسی بیرونی تسلط کے ماتحت رہنا چاہیئے''۔(7 مارچ 1942ء)

اجتماعی مفاد پر زور

''تم گروہی مفادات' باہمی رقابتوں' قبائلی تصورات اور خودغرضی کی جگہ اسلام اور قوم کی محبت میں سرشار ہو جاؤ۔ ان برائیوں نے تمہیں مغلوب کر کے گذشتہ دو سو سالوں میں پست کر دیا ہے''۔(24 اپریل 1943ء)

''تمہیں اپنے جزوی مفادات اور باہمی رقابتوں کو ترک کرنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم چھوٹی چھوٹی باتوں' معمولی جھگڑوں اور قبائلی خیالات کو چھوڑ دو''۔(4 جولائی 1943ء)

عوامی طرزِ حکومت کی حمایت

''میرے ذہن میں کوئی شک نہیں کہ ہم میں سے زیادہ تر لوگ پاکستان کو عوام الناس کی حکومت تصور کرتے ہیں..... پاکستان میں عوام کی حکومت ہوگی''۔(24 اپریل 1943ء)

''پاکستان کا آئین صرف ملّت اور اس کے افراد ہی بنا سکتے ہیں۔ تم اپنے آپ کو تیار کرو تاکہ تم اس آئین کو اپنی دلی خواہش کے مطابق مرتب کر سکو''۔(24 اپریل 1943ء)

معاشی استحکام کی قومی اہمیّت

''جب تک کوئی قوم معاشی طور پر کمزور ہے وہ کبھی زندگی کی جنگ کو جیتنے کی توقع نہیں رکھ سکتی۔ اس لئے تم اپنے آپ کو منظم کر کے معاشی زندگی کا معیار بلند کر دو۔(4 جولائی 1943ء)

حمیدی

حکومت اور جانی تحفظ کی ذمہ داری

''یقیناً کسی ملک کی حکومت اپنے لوگوں کی زندگیوں کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا''۔

قائداعظم علیہ الرحمۃ کے ان چند ارشادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ وہ مملکتِ خداداد پاکستان کو ایک فلاحی اسلامی ریاست بنانے کے زبردست حامی تھے۔ انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ قومیں خیال کرتے ہوئے تقسیمِ ہند پر زور دیا تاکہ وہ اپنے اپنے نظریۂ زندگی' رسم و رواج' تہذیب و ثقافت اور مذہبی اقدار کے مطابق پُرامن طور پر زندگی گزار سکیں۔ یہ دو قومی نظریہ ہی قیامِ پاکستان کی اساس ثابت ہوا۔ اگرچہ ہندو اور مسلمان ایک ہی خطۂ زمین کے باشندے تھے تاہم وہ اپنے مذہبی' سماجی اور ثقافتی تفاوت کے سبب ایک دوسرے سے ممیّز اور الگ قومیت کے حامل تھے۔ بانیٔ پاکستان کی طرح شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے بھی مسلم قومیت کے تصور پر روشنی ڈالتے ہوئے بجا کہا تھا:

؎ اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولؐ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
(بانگ درا)

پاکستان کی ہمہ گیر ترقی ان کے تصورِ پاکستان کی جان ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی قوم اسی وقت ترقی یافتہ' مضبوط' خوشحال اور فلاحی کہلا سکتی ہے جب وہ ہر لحاظ سے ترقی کر رہی ہو۔ مذہبی اور اخلاقی بلندی کے ساتھ ساتھ معاشی' سماجی' تعلیمی اور عسکری برتری بھی بے حد لازم ہے۔ اگر کوئی معاشرہ طبقاتی کشمکش' نسلی تفاخر' لسانی تنازعات' اقتصادی ناہمواری' گروہی رزم آرائی اور دیگر تباہ کن باہمی اختلافات کا شکار ہو جائے تو وہ کبھی بھی صحیح معنوں میں متوازن اور قابلِ رشک زندگی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ ان خطرات کو مدنظر رکھتے ہوئے قائداعظمؒ ہمیشہ ہی مسلمانوں کو باہمی رواداری' تعاون و محبت اور توازن و اعتدال کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتے رہے۔ ہندو راج سے شدید نفرت' اسلامیانِ ہند کی آزادی' جداگانہ مملکت کی تشکیل' اسلامی ثقافت کا تحفظ و احیا' دین و سیاست کی ہم آہنگی' علیحدہ مسلم قومیت' بیرونی غلبہ سے بے زاری' اجتماعی مفادات کی حفاظت' عوامی طرزِ حکومت' معاشی استحکام اور عوام کے بنیادی حقوق کی

نگہداشت اور عام فلاح و بہبود ان کے تصورِ پاکستان کے نمایاں ترین اور اہم عناصر ترکیبی ہیں۔ وہ پاکستان کو ایک ایسی اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے خواہاں تھے جس میں امیر غریب کا' عالم جاہل کا' طاقتور کمزور کا اور حاکم عوام کا استحصال نہ کر سکے۔ افراد کی فلاح و بہبود کے بغیر اجتماعی ترقی اور قومی استحکام کا حسین خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا کرتا۔ قوموں کی تقدیر دراصل ان کے افراد کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے بقولِ اقبالؒ:

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارا

یہ ہم سب کا اوّلین فرض ہے کہ ہم بانیٔ پاکستان کے مخلصانہ اور تعمیری فرمودات کی روشنی میں پاکستان کو ایک خوش حال' مضبوط اور مثالی ریاست بنانے کے لئے ہر ممکن سعی کریں۔ خدا تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

□□□

قائداعظمؒ کا تصورِ اسلام

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نہ صرف ایک بلند پایہ سیاست دان' اعلیٰ سیاسی مفکر اور بالغ نظر لیڈر تھے بلکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے بھی بے حد مداح اور اسلامی نظریۂ زندگی کے قائل تھے۔ اگرچہ وہ ظاہری طور پر انگریزی لباس اور یورپین طرزِ حیات کو اپنائے ہوئے تھے۔ تاہم وہ فی الحقیقت اسلامی اقدار کے دل و جان سے قائل تھے۔ وہ ظاہری رکھ رکھاؤ کے باوجود اسلام کے عمدہ اوصاف' حق گوئی' بے باکی' راست بازی' دیانت داری' خلوصِ نیت' انسانی ہمدردی' بے داغ کردار' ایثار و قربانی' ملّت دوستی اور حق پرستی کے مالک تھے۔ دوست تو درکنار دشمن بھی ان کے خلوص' نیک نیتی اور اعلیٰ کردار کے مداح تھے۔ خوبی وہی ہوتی ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کریں بقول کسے الفضل ما شہدت بہ الاعداء (فضیلت وہی ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں)۔ گدڑی اور پشمینہ کے لباس کی نسبت انسان کو لباسِ تقویٰ کا بھی حق دار ہونا چاہیئے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

؎ جامہ ہر رنگے کہ خواہی کن بدوش
لیک برتن جامۂ تقویٰ بپوش

(تو اپنی خواہش کے مطابق کوئی لباس بھی پہن لیکن تجھے تقویٰ کا لباس تو ضرور زیب تن کرنا چاہیے)۔

ان کی ذاتی زندگی اپنی فلاح و بہبود کے لیے نہیں تھی بلکہ انھوں نے مسلمانانِ ہند کی آزادی' ان کے عروج و کمال اور نجات کی خاطر اپنا تن من دھن بھی قربان کر دیا تھا۔ کیا ان کا یہ ملّی ایثار ان لوگوں سے بدرجہا اولیٰ نہیں جو صرف ظاہری اور ذاتی نجات کے قائل ہو کر خلوت گاہوں میں بیٹھے رہتے ہیں؟ کیا اسلام نے اجتماعی فلاح کو ذاتی فلاح پر ترجیح دے کر یہ ثابت نہیں کر دیا کہ انسانی مفادات اور اسلام کے اجتماعی نظامِ حیات کا علم بردار اور مجاہد ذاتی نجات

کے پرچارک سے بہتر ہوا کرتا ہے؟ یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ انھوں نے اپنے مرض تپدق (ٹی بی) کو آخری وقت تک چھپائے رکھا مبادا ہندو اور انگریز گٹھ جوڑ کر کے قیامِ پاکستان کو معرضِ التوا میں ڈال دیں؟ ایسے محسنِ قوم اور ایثار پیشہ لیڈر کو خواہ مخواہ ہدفِ تنقید بنانا احسان فراموشی نہیں تو اور کیا ہے؟

؎ اے اہلِ نظر! ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا؟
(اقبالؒ)

نباضِ ملّت اور مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ کی نگہِ بصیرت نے انھیں یونہی مسلمانوں کا نمایندہ تسلیم تو نہیں کیا تھا۔ شاعرِ مشرقؒ کی دور بین نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ محمد علی جناحؒ ہی ایک ایسے عظیم اور مخلص انسان ہیں جو اسلامیانِ ہند کی کشتی کے نگہبان ثابت ہو سکیں گے۔ وہ بانیٔ پاکستان کی عظمتِ کردار اور اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے' انھیں ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

''موجودہ ہندوستان میں صرف آپ ہی وہ واحد مسلمان ہیں جس کی طرف اُمتِ مسلمہ ہدایت کے لیے دیکھنے کی حق دار ہے''۔ (محمد علی جناحؒ کے نام مکتوب مورخہ 21 جون 1937ء)

اس بات سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ مفکرِ اسلام علامہ اقبال انھیں کتنی اہمیّت دیتے تھے۔ بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ اقبالؒ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہو کر رہی۔ ذیل میں قائداعظمؒ کے تصورِ اسلام کے چند اہم پہلوؤں کی نقاب کشائی کی جاتی ہے۔

اسلامی کلچر کے تحفظ کا احساس

ہندوستان کی موجودہ تاریخ کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو اور انگریز دونوں مسلمانوں کے ثقافتی نشانات اور تہذیبی اقدار کو ختم کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جو صلیبی جنگیں ہوئیں انھوں نے عیسائیوں کو مسلمانوں کا بدترین دشمن بنا دیا تھا۔ وہ اپنی آتشِ انتقام کو بجھانے کے لیے مسلمانوں کو ہر میدان میں پس ماندہ اور محکوم دیکھنے کے خواہاں تھے۔ اس طرح ہندو لوگ صدیوں تک مسلمان حکمرانوں کے زیرِ سایہ پُرامن زندگی بسر کرنے کے باوجود ان کے خلاف سخت تعصب اور کینہ رکھتے تھے۔ یہ دونوں گروہ مسلمانوں

خصوصاً اسلامیانِ ہند کے ثقافتی ورثے کو برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ 1857ء کی جنگِ آزادی میں شکست خوردہ ہونے کے بعد مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہوچکی تھی۔ بانیٔ پاکستان ہندوؤں اور انگریزوں کی اس سازش اور انتقامی جذبات سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی اسلامی کلچر کی پامالی کے روح فرسا مناظر دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ انگریزوں اور ہندوؤں کو چیلنج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں تم دونوں (انگریزوں اور ہندوؤں) کو یہ بتائے دیتا ہوں کہ تم اکیلے یا تم دونوں مل کر بھی ہماری روحوں کو برباد کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکو گے۔ تم ہمارے اس اسلامی کلچر کو کبھی بھی تباہ نہیں کرسکو گے جو ہمیں ورثہ میں ملا ہے۔ ہمارا یہ جذبہ زندہ رہا ہے' زندہ ہے اور زندہ رہے گا'' (22 مارچ 1939ء)

ملّی اتحاد پر زور

قرآنِ حکیم اور احادیث نبویؐ نے مسلمانوں کے باہمی اتحاد پر کافی زور دیا ہے۔ اسلامی اخوت کا جذبہ اور ہمارا ملّی اتحاد ہماری قوت وشوکت کا ذریعہ ہیں۔ جب تک مسلمان ایک اور نیک رہے وہ تمام اطراف واکنافِ عالم میں غالب' حاکم اور سربلند رہے۔ جونہی انھوں نے باہمی اتحاد کو چھوڑ کر فرقہ پرستی اور گروہ بندی اختیار کی وہ ہر شعبۂ حیات میں ذلیل ورسوا ہوئے۔ قرآنِ حکیم نے ہمیں یہ سبق دیا تھا: واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولا تفرقوا ''اور تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ پرستی اختیار نہ کرو''۔

مخلص قائدین اور مصلحین ہمیں ہر دور میں قرآن کا یہ سبق یاد دلاتے رہے۔ قائداعظم بھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں ہر ایک مسلمان سے کہتا ہوں کہ اسلام آپ سب سے یہ توقع رکھتا ہے کہ تم اپنا اپنا فرض نبھاؤ اور ایک قوم کی حیثیت سے اپنے لوگوں کا ساتھ دو''۔ (22 مارچ 1939ء)

اجتماعیت کا درس

اسلامی تعلیمات کی رو سے اجتماعی زندگی میں ہماری کامیابی اور ترقی کا راز پنہاں ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان اسی اجتماعیت کے مظہر ہیں۔ تجرد کی زندگی قرآنی احکام اور اسوۂ رسولؐ کے

خلاف ہے۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج ہماری اجتماعی قوت کا موثر ترین ذریعہ ہیں۔ انسانی سوسائٹی سے الگ تھلگ رہ کر اخروی نجات کی جستجو انسانی مقاصدِ ترقی کے منافی ہے۔ اسلام نے فرد اور جماعت کی حسین اور پائدار شیرازہ بندی پر بہت زور دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ اسلام کے فلسفۂ اجتماعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بجا کہتے ہیں

؎ فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

قائداعظمؒ کے مندرجہ ذیل خیالات ونظریات اسی قرآنی صداقت کو یوں بے حجاب کرتے ہیں:

''جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عمل کی تعلیم دی تو ان کے ذہن میں صرف کسی ایک انسان کی تنہا زندگی نہیں تھی''۔ (13 نومبر 1939ء)

''برطانوی لوگ عیسائی ہونے کے لحاظ سے بعض اوقات اپنی ہی تاریخ کی مذہبی .....کو بھول جاتے ہیں اور وہ آج مذہب کو خدا اور انسان کے درمیان ایک پرائیویٹ معاملہ خیال کرتے ہیں''۔ (19 جنوری 1940ء)

''ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کے لیے ہمیں ضروری قوت دینے کی خاطر ماہِ رمضان کا نظم وضبط دیا تھا۔ قرآن مقدس کی رُو سے نماز اور زندگی کے درمیان ایک نہایت حقیقی ربط پایا جاتا ہے۔ تمھیں یاد ہوگا کہ اپنے ساتھیوں سے ملنے اور پھر افہام کے ذریعے ان کی خدمت کرنے کے لیے ہمیں کتنے جرأت انگیز مواقع دیئے گئے ہیں۔ تم یہ دیکھو گے کہ نماز کا طریقہ وضع کرکے یہ تمام مواقع پیدا کیے گئے ہیں۔ میں اس بات کا قائل ہوں کہ ان نمازوں کا مقصد انسانوں کو مواقع مہیا کرنا ہے تاکہ وہ اپنی سماجی جبلتوں کو پورا کرسکیں''۔ (13 نومبر 1939ء)

انسانی محبّت اور رواداری کی تلقین

اسلام ایک عالم گیر اور ابدی صداقتوں کا حامل نظامِ زندگی ہے۔ اسلام کی تعلیمات اور اس کے زریں اصول کسی ایک مخصوص قوم تک محدود نہیں ہیں۔ کیونکہ خدا کو رب العالمین کہا گیا ہے اور رسولؐ کو رحمت للعالمین کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام

اخلاقی اور انسانی قدروں کو مدنظر رکھ کر ایک آفاقی نظام کی تشکیل و تعمیر پر بہت زور دیتا ہے۔ اس کے حیات آفریں اور عدیم النظیر حقائق تمام بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ انسانی اخوت، باہمی محبت اور رواداری کا سب سے بڑا دین ہے۔

نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے: الخلق عیال اللّٰہ والشفقته علی خلق اللّٰہ ''تمام مخلوقات خدا کا کنبہ ہیں اس لیے تم خدا کی مخلوقات پر شفقت کرو''۔ اسلام انسانی محبت و اخوت کا زبردست حامی ہے۔ قائداعظمؒ کا درج ذیل بیان اس قرآنی پہلو کی یوں ترجمانی کرتا ہے: ''قرآن میں انسان کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے۔ ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم قرآن پر عمل کریں اور دوسرے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو خدا بنی نوع انسان کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ وسیع معنوں میں یہ فرض دوسروں سے محبت اور رواداری کا متقاضی ہے''۔

دین و مذہب کی اہمیت کا احساس

مذہب انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے تار و پود کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہماری تمام تر سیاسی، سماجی، ثقافتی، اقتصادی اور دیگر اجتماعی سرگرمیوں کا محور و مرکز مذہب ہی تو ہے۔ ہمارے اعمال دراصل ہمارے افکار و نظریات کا عکس ہوا کرتے ہیں۔ جیسا ہمارا نظریہ ویسا ہی ہمارا عمل ہوتا ہے۔ زندگی، کائنات اور خدا کے بارے میں ہمارا اساسی تصور ہی ہمارے دیگر تصورات کی بنیاد کا کام دیتا ہے۔ اس لحاظ سے مذہب ہماری تمام سرگرمیوں کا منبع و ماخذ ہوتا ہے۔ اسلام کا نظام..... اور ابدی حقائق کا مجموعہ ہے۔ بانیٔ پاکستان اسی اسلامی تصور کو مدنظر رکھ کر یہ بجا فرماتے ہیں:

> ''ہر قسم کے سماجی احیاء اور سیاسی آزادی کا آخری انحصار کسی ایسی چیز پر ہونا چاہیئے جو زندگی کے عمیق مفہوم کی حامل ہو۔ اگر آپ مجھے کہنے کی اجازت دیں تو وہ چیز اسلام اور اسلامی اسپرٹ ہے''۔ (13 نومبر 1939ء)

آج کل انسان کی سرگرمیوں کا محور ایک ناقابلِ تقسیم کل کی تشکیل کرتا ہے۔ اس لیے تم تمام اقتصادی، سیاسی اور خالصتاً مذہبی کام کو مخصوص شعبوں میں تقسیم نہیں کر سکتے ہو۔ میں کسی ایسے مذہب کو نہیں جانتا ہوں جس میں انسانی سرگرمی شامل نہ ہو۔

اسلامی قومیت کا نظریہ

عام مذاہب کے برعکس اسلام ایک مکمل اور جامع نظامِ حیات ہے جو انسانی معاشرت کے

تمام اہم پہلوؤں کی راہ نمائی کا تسلی بخش کام دیتا ہے۔ یہ مخصوص دستور زندگی توحید و رسالت پر مبنی ہونے کی حیثیت سے کفر اور اسلام کے مابین تفریق پیدا کر دیتا ہے۔ اسلام کی پیش کردہ تعلیمات کو ماننے والا عالم گیر اخوت و مساوات کا علم بردار بن جایا کرتا ہے۔ اسی نظریے کی رو سے اس کی قومیت میں آفاقی اور غیر جغرافیائی عوامل موثر کردار ادا کرتے ہیں۔ قائداعظمؒ اسلام کے اسی تعلیم کی رو سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو جداگانہ تہذیبوں اور دو مختلف قوموں کے حامل قرار دیتے تھے۔ وہ اسلامی تصورِ قومیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بجا فرماتے ہیں:

> ''ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صرف مذہبی اختلاف ہی نہیں بلکہ قانون اور ثقافتی اختلاف بھی موجود ہے۔ فی الحقیقت وہ دو مختلف تہذیبوں کے علمبردار ہیں۔ ذات پات ہندوؤں کے مذہبی اور سماجی نظاموں کی بنیاد ہے۔ اس کے برعکس اسلام انسانی مساوات پر مبنی ہے''۔ (19 جنوری 1940ء)

علامہ اقبالؒ نے کافی عرصہ پہلے مغربی تصورِ قومیت اور اسلامی نظریۂ حیات کے درمیان پائے جانے والے اس واضح اختلاف کو یوں اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کیا تھا:

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

بانیٔ پاکستان قائداعظمؒ کے مندرجہ بالا افکار و نظریات سے یہ بات قارئین کرام پر واضح ہوگئی ہوگی کہ انھیں اسلامی تعلیمات کا کتنا گہرا شعور حاصل تھا۔ وہ اپنے ان عقائد کا سب سے برملا اظہار کر کے اپنی حق گوئی اور بے باکی کا ثبوت دیتے رہے۔

□□□

محمد علی جناحؒ اور ملکی ترقی کا تصور

پاکستان کا قیام برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا ایک اہم باب بن چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک قیامِ پاکستان کے تمام حقیقی مقاصد پایہ تکمیل تک نہیں پہنچے۔ ارباب بصیرت سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اس مملکت کو معرض وجود میں آنے سے پہلے کن صبر آزما اور طویل مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ اس برصغیر میں ظہورِ اسلام کے بعد مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور یہاں مسلم فتوحات کا حلقہ وسیع تر ہوتا گیا۔ زیادہ تر مسلمان حکمران اپنی سلطنت کی توسیع و استحکام میں مشغول رہے اور مسلمان صوفیاء و اولیاء اپنی پاکیزہ زندگیوں کی نورانی کرنوں سے کفر و ضلالت کی تاریکی کافور کرنے میں لگ گئے۔ مسلمانوں کے اس جمال و جلال کے امتزاج کا یہ لازمی نتیجہ نکلا کہ یہاں مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ جب مسلم حکمرانوں کی بداعمالیوں، حماقتوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلم اقتدار کا سورج غروب ہو گیا تو انگریزوں نے یہاں اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے۔ ہندو عوام صدیوں تک مسلمانوں کے ماتحت زندگی بسر کر چکے تھے۔ وہ اب مسلمانوں سے اپنی محکومیت کا بدلہ لینے کے خواب دیکھنے لگے۔ اس طرح سابقہ ادوار میں صلیبی جنگوں کے باعث عیسائی اور مسلمان مدت تک آپس میں برسرِ پیکار رہے تھے۔ یورپ کی عیسائی طاقتیں بھی مسلمانوں کے ہمہ گیر زوال پر خوش تھیں۔ ہندوؤں اور انگریزوں کی مشترکہ مسلم دشمنی انھیں ایک دوسرے کے قریب تر لے آئی اور یہ دونوں گروہ متحد ہو کر اسلامیانِ ہند کی آزادی کے شدید مخالف بن گئے تھے۔ 1857ء کی ناکام جنگِ آزادی میں اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی شامل ہوئے تھے لیکن انگریزی حکومت کا زیادہ تر عتاب مسلمانانِ ہند پر ہی نازل کیا گیا۔ ''نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد'' کے مصداق انگریزوں نے مسلمانوں کو ہر شعبۂ حیات میں پس ماندہ کر دیا تا کہ وہ کسی طرح بھی دوبارہ عروج حاصل نہ کر سکیں۔ ان حالات میں کئی ہمدرد قوم اور مخلص مسلم راہنما آگے بڑھے تھے۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہؒ، سرسید احمد خاں، مولانا شبلی نعمانی،

مولانا حالی، اکبر الٰہ آبادی، علامہ اقبالؒ، مولانا ظفر علی خاں، چودھری رحمت علیؒ اور محمد علی جناحؒ کے اسمائے گرامی زیادہ قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں ان گنت ہمدرد مسلمانوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق قیامِ پاکستان کے خواب کو ایک زندہ حقیقت میں تبدیل کرنے کے لئے جدوجہد کی تھی۔ عوام کی بے شمار قربانیوں اور ہندوستان کی مسلمان اقلیتوں کے دلخراش واقعات کے بغیر تحریکِ پاکستان کا تذکرہ ادھورا رہ جائے گا۔ اس اجمالی پس منظر کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ قیامِ پاکستان کے کیوں حامی تھے اور وہ کن مقاصد کو پیش نظر رکھ کر آگے بڑھے تھے۔

سیاسی آزادی کا حصول

محمد علی جناحؒ جب انگلستان سے قانونی تعلیم حاصل کر کے ہندوستان واپس گئے تو انھوں نے شروع شروع میں اپنے قانونی پیشے کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی۔ بعد ازاں انھوں نے ملکی آزادی کی تحریک میں حصّہ لینے کے لئے کانگرس میں شمولیت اختیار کر لی۔ جب ان پر کانگرس کی مسلم دشمنی کا راز فاش ہوا تو انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہو کر اسلامیانِ ہند کی بہتری کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا۔ مسلم لیگ میں ان کی شمولیت سے سیاسی آزادی کی تحریک میں بھی شدت پیدا ہو گئی۔ کانگرس کی رائے میں مسلمان ایک ملک میں رہنے کے سبب ایک ہی قوم سے تعلّق رکھتے تھے جب کہ زیادہ تر مسلم زعماء خصوصاً علامہ اقبالؒ، چودھری رحمت علیؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے علم بردار تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور تاریخی اختلافات اتنے گہرے تھے کہ صدیوں تک اکٹھا رہنے کے باوجود وہ دُور نہ ہو سکے۔ ہندو لیڈر مغربی نظریۂ قومیت کے پیش نظر جغرافیائی قرب اور وطنی اشتراک کو متحدہ ہندوستانی قومیت کی اساس قرار دیتے تھے۔ اس کے برعکس لیگی قائدین اور ان کے ہم نوا علماء دانش ور رنگ، نسل، جغرافیائی حدود اور زبان کی بجائے لا الٰہ الا اللہ کو مسلم قومیت کی بنیاد خیال کرتے تھے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ اس نقطہ نگاہ کی یوں ترجمانی کرتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولؐ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت گئی
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ بھی حضرت علامہؒ کی ہم نوائی کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں: ''مجھے دوبارہ یہ کہنے دیجیے کہ ہندوستان نہ تو ایک قوم ہے اور نہ ہی یہ ایک ملک ہے۔ ہندوستان کئی قوموں پر مشتمل ایک برصغیر ہے جس کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان ہیں'' (اکتوبر 1939ء)۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمان الگ قومیت کے حامل ہیں تو پھر لامحالہ قومی زندگی گزارنے کے لئے ایک علیحدہ خطہ زمین بھی درکار ہوگا۔ اس لئے وہ قیامِ پاکستان کے لئے سیاسی آزادی کے بہت بڑے نقیب بن گئے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کی آزادی کے خواہش مند تھے؟ کیا وہ پاکستان کے حصول کے بعد کسی مخصوص گروہ کی آزادی کے حامی تھے یا وہ عوام الناس کی وسیع تر آزادی کو قیامِ پاکستان کا اولین مقصد تصور کرتے تھے۔ وہ اپنے نظریہ آزادی پر روشنی ڈالتے ہوئے خود فرماتے ہیں: مسلم لیگ آزادی کو حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کئے ہوئے ہے۔ یہ آزادی نہ صرف طاقتور اور غالب لوگوں کے لئے ہوگی بلکہ یہ کمزوروں اور مظلوموں کے لئے بھی ہوگی'' (5 فروری 1938ء)۔ اب اس قول کی روشنی میں ہم خود یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہ سیاسی آزادی کے ثمرات سے غریب، مظلوم اور کمزور عوام کو فیض یاب کرنے کے حامی تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی چند افراد کی حاکمیت اور عوام الناس کی محکومیت کے قائل نہیں تھے۔ سیاسی آزادی وہی ہے جس میں مساوات، اخوت اور عدل کا رنگ نظر آتا ہے۔

مسلم ثقافت کا تحفظ

پاکستان کو ایک جداگانہ اور خودمختار مملکت کی حیثیت سے معرضِ وجود میں لانے کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانانِ ہند کی تہذیب و ثقافت کو نہ صرف محفوظ رکھا جائے بلکہ اسے وہاں آزادی کے اصولوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق فروغ بھی دیا جائے۔ باقی ثقافتوں کی طرح دین اسلام بھی مخصوص ثقافت کا آئینہ دار ہے اور یہی ثقافت مسلمانوں کو غیر مسلموں سے ممیّز کرتی ہے۔ اگر کلچر کے لفظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جیسے کھیتی کے لئے بیج بنیادی اہمیّت رکھتا ہے اسی طرح کلچر بھی کسی قوم کی تشکیل کے لئے اساسی نظریۂ حیات کا درجہ رکھا کرتا ہے۔ نظریات کے بغیر اعمال اور اعمال کے بغیر انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ تیار نہیں کیا جا سکتا۔ اس

حقیقت کو مدنظر رکھ کر بانیٔ پاکستان ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو مختلف ثقافتوں اور قوموں کے حامل خیال کیا کرتے تھے۔ دو علیحدہ ثقافتوں دو قوموں کو اپنے مذہبی اور ثقافتی عقائد و تصورات کی رو سے بہتر اور پرامن زندگی بسر کرنے کے لئے الگ الگ علاقوں کی ضرورت تھی تاکہ وہ آزادانہ ماحول میں کسی کش مکش کے بغیر رہ سکیں۔ کانگرس ایک قوم کا نعرہ بلند کر کے آزادی حاصل کرنے اور بعدازاں مسلمانوں کو ہندو راج کے تحت رکھنے کی شدید آرزومند تھی۔ محمد علی جناحؒ کو یہ نظریہ کسی طرح بھی قبول نہیں تھا کیونکہ اسلام ناسازگار اور غیر اسلامی ماحول میں فروغ پذیر نہیں ہوسکتا جس طرح ناسازگار ماحول میں عمدہ پودا بھی نہیں پنپ سکتا۔ کافرانہ ماحول میں اسلام اپنے بہترین برگ و بار پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ عبادات غلبۂ اسلام کے لئے مجاہدین تیار کیا کرتی ہیں، جیسا کہ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

محمد علی جناحؒ بھی اسلامی ثقافت اور غلبۂ اسلام کی خاطر آزادی اور قیامِ پاکستان کے حامی تھے۔ اس بارے میں ان کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں: وہ ہندو کانگرسی لیڈروں سے یوں خطاب کرتے ہیں: ''تم مجھے اسلام کی روشنی میں اپنی تاریخ، اپنی روایت اور اپنی ثقافت و زبان کے مطابق زندگی بسر کرنے دو اور تم اپنے علاقوں میں ایسا ہی کرو۔ آیئے ہم امن و امان کے ساتھ زندہ رہیں۔ بدقسمتی سے ہندو قیادت کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کے سامنے جھک جائیں اور ہندو راج کے غلبے کے تحت سارے ہندوستان میں اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزارنے پر رضامند ہو جائیں۔ ہم کبھی بھی اس حالت کو قبول نہیں کریں گے''۔ (14 نومبر 1942ء)

اقتصادی خوشحالی کی آرزو

اس امر سے انکار محال ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل برصغیر پاک و ہند کی اقتصادیات پر انگریزوں کے بعد ہندو لوگ چھائے ہوئے تھے۔ پاکستان کے ایک اور ممتاز قومی راہنما چودھری رحمت علیؒ کے قول کے مطابق اس برٹش بنیا اتحاد کی بناء پر انڈین برصغیر میں عام مسلمانوں کی اقتصادی حالت اس قدر زبوں بنا دی گئی تھی کہ وہ ماشکیوں اور چوب تراشوں کی سطح پر آ گئے تھے۔ صدیوں تک یہاں مسلمانوں نے حکومت کی اور وہ خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے مگر برٹش حکومت نے ہندو تاجروں اور مہاجنوں کے ساتھ مل کر انھیں انتہائی غربت کا شکار بنا دیا تھا تاکہ

وہ فکرِ معاش ہی میں الجھے رہیں اور ان گروہوں کی بالادستی کو چیلنج نہ کرسکیں۔ حساس مسلم مصلحین اس صورتِ حالات سے کافی رنجیدہ اور پریشان تھے۔ اکثر دیہاتوں میں مسلمان کسانوں اور زمینداروں کو ہندو مہاجنوں اور ساہوکاروں نے قرضوں کے بوجھ تلے اس قدر لاد دیا تھا کہ انھیں بھاری قرضے ادا کرنے کے لئے اپنی زمینوں کو فروخت کرنا پڑتا تھا۔ اس اقتصادی استحصال نے انھیں گوناگوں مشکلات میں مبتلا کر دیا تھا۔ علامہ اقبالؒ اپنے ایک خط مورخہ 28 مئی 1937ء میں اسلامیانِ ہند کی اس معاشی زبوں حالی کی طرف محمد علی جناحؒ کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''روٹی کا مسئلہ زیادہ سے زیادہ نازک ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ گذشتہ دو سو سالوں سے نیچے ہی جا رہا ہے۔ وہ عموماً یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی غربت ہندو ساہوکاری یا سرمایہ داری کی وجہ سے ہے۔ اسے ابھی تک مکمل طور پر یہ احساس نہیں ہوا کہ اس کا افلاس بیرونی حکومت کے باعث بھی ہے۔ امکان ہے کہ جواہر لال نہرو کی لادین سوشلزم مسلمانوں کی توجہ کا مرکز نہیں بنے گی''۔

انھوں نے بانیٔ پاکستان پر زور دیا کہ وہ مسلمانوں کی غربت کے مسئلے کو بھی مسلم لیگ کا منشور بنائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس لحاظ سے قیامِ پاکستان کا ایک اور ضروری مقصد اقتصادی خوش حالی بھی تھا۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ محمد علی جناحؒ پاکستان میں کسی قسم کے اقتصادی استحصال اور معاشی بنیادوں پر طبقاتی کشمکش کے حق میں نہیں تھے۔ وہ سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو سخت وارننگ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''میں یہاں ان زمینداروں اور سرمایہ داروں کو یہ تنبیہہ کروں گا جنھوں نے ایک غلط نظام کے سہارے ہمیں نقصان پہنچا کر خود ترقی حاصل کی ہے..... لوگوں کا استحصال ان کے خون میں رچ بس گیا ہے۔ انھوں نے اسلام کے اسباق کو بھلا دیا ہے..... میں نے دیہاتوں میں جا کر دیکھا ہے کہ ہمارے لاکھوں لوگوں کو ایک دن کا کھانا بھی مشکل سے ملتا ہے۔ کیا اس کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی مقصد پاکستان ہے؟..... اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو میں ایسے پاکستان کو حاصل نہیں کروں گا'' (24 اپریل 1943ء)

عوامی فلاح و بہبود کا جذبہ

حکومت کے بنیادی فرائض میں قیامِ امن، عوام کی جان، عزت اور آبرو کی حفاظت عدل و انصاف، اندرونی استحکام، ملکی دفاع، رعایا کے جائز حقوق کی نگہداشت اور ان کی فلاح و بہبود کی سرگرمیاں شامل ہوتی ہیں۔ ان فلاحی سرگرمیوں میں عوام الناس کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل، رہائشی مسائل کے حل، تعلیمی مقاصد کے حصول، تہذیبی، اخلاقی، مذہبی اور ثقافتی اقدار کی ترویج کو نمایاں اہمیّت دی جاتی ہے۔ اگر کوئی حکومت عام لوگوں کی ہمہ گیر فلاح کے فرض کو بطریق احسن ادا نہیں کر سکتی تو اسے حکمرانی کا کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ سلطنت کا قیام ملک کے ایک مخصوص اور طاقتور طبقے کی خوشحالی اور عوام کی زبوں حالی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ ملکی دولت اور دیگر قدرتی وسائل کو سب کے لئے مفید بنانا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو جلد یا بدیر وہاں باہمی کشمکش، طبقاتی نزاع، بدامنی اور تخریب کاری کی خفیہ تحریکیں پیدا ہو کر اس سلطنت کا شیرازہ منتشر کر دیا کرتی ہیں۔ اس طرح اندرونی بے چینی اور نااتفاقی کی فضا بیرونی حملہ آوروں کی تاخت و تاراج کو جنم دیتی ہے اور وہ قوم دوسروں کی محکوم بن جاتی ہے۔ بانیٔ پاکستان ایک ایسے دُور اندیش سیاستدان تھے جو ان حقائق سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے ان کی رائے میں پاکستان کی تاسیس کا ایک اعلیٰ مقصد عوام الناس کی فلاح و بہبود تھا۔ انھوں نے سیاستدانوں، طلبہ، سماجی کارکنوں، امیروں اور وزراء کو بار بار اس بات کی تاکید کی تھی کہ وہ پورے انہماک اور خلوص کے ساتھ عوامی بہتری اور اجتماعی مفادات کے لئے کام کرتے رہیں۔ ان کے مندرجہ ذیل تین اقوال اس حقیقت کے عکاس دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے مختلف مواقع پر یہ کہا تھا:

> ''تمہارا اولین فرض عوام کی بہبود کے لئے تعمیری اور فلاحی لائحہ عمل تیار کرنا اور مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی ترقی کے ذرائع کے بارے میں سوچنا ہے''۔ (اکتوبر 1937ء)
>
> ''اسلام کے خادموں کی حیثیت سے تم آگے بڑھو اور عوام کو اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی طور پر منظم کرو''۔ (مارچ 1940ء)
>
> ''آیئے ہم عوام کی اجتماعی فلاح اور اعلیٰ نیک مقصد کی خاطر اپنے ذاتی فائدوں اور سہولتوں کو چھوڑ دیں۔ پاکستان کا یہی مقصد ہے''۔ (4 اپریل 1943ء)

میں نے بڑے اختصار کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تصورِ پاکستان کے اہم عناصر

ترکیبی کو بیان کر دیا ہے تا کہ ہمیں پتہ چل سکے کہ ان کے ذہن میں پاکستان کے قیام کا کیا خاکہ تھا۔ اب یہ ہماری ملّی ذمہ داری ہے کہ ہم پاکستان کے استحکام' نظامِ اسلام اور بہبودِ عوام کی خاطر اپنی باہمی رقابتوں' صوبائی عصبیتوں' ذاتی مفاد پرستیوں اور سیاسی محاذ آرائیوں کو ترک کر کے باہمی اتحاد' تنظیم اور ایمان کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیں اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست میں تبدیل کر دیں اور ملّی ترقی کا ذریعہ بنیں۔

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

یہ امر اربابِ بصیرت کی نگاہوں سے اوجھل نہیں کہ دنیا میں غلبہ و اقتدار کے حصول' عظمت و شہرت کی خواہش کی تکمیل' ملکی آزادی کی بقا' فرد و جماعت کا متوازن تربیت و تشکیل اور قومی عروج کے لئے ملکی ترقی کی اہمیّت کس قدر لازم ہوا کرتی ہے۔ کوئی مصلح اور مدبر ملکی ترقی کے بغیر افرادِ قوم کی ترقی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی حقیقت ثابتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے بھی اپنے اکثر بیانات' انٹرویو اور تقاریر میں ملکی ترقی اور قومی بقا کے اہم موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان کے سیاسی نظریات کے چند بنیادی تصورات میں سے ملکی ترقی کا تصور بھی ہے۔

۱- اقتصادی ترقی:

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کے خیال میں ملک و ملّت کے عروج کے لئے معاشی ترقی اور اقتصادی خوشحالی نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ انسان چونکہ جسم و روح کا مجموعہ ہے اس لئے روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ جسمانی نشوونما کے جائز تقاضوں کو نظرانداز کرنا کسی طرح بھی مستحسن عمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دولت کی غلط تقسیم اور چند ہاتھوں میں اس کا ارتکاز صرف اسلامی' اخلاقی اور انسانی اقدار کی نفی کے مترادف ہے بلکہ یہ قومی ترقی کی راہ میں بھی بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ جب دولت چند افراد تک محدود ہو کر رہ جائے تو اس سے لاتعداد اخلاقی' سیاسی اور سماجی برائیوں کا باب کھل جایا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے تمام افرادِ ملّت کی بنیادی اور جائز فلاح کو پورا کرنے کے لئے منصفانہ تقسیم بہت ضروری ہے۔ قرآنی تعلیمات کی رو سے بھی عوامی فلاح کے لئے نظامِ زکوٰۃ و عشر پر کافی زور دیا گیا ہے۔ قائداعظم اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''میں نے دیہاتوں میں جا کر دیکھا ہے کہ ہمارے لاکھوں لوگوں کو ایک دن کا کھانا بھی بمشکل میسر آتا ہے۔ کیا اس کا نام تہذیب ہے۔ کیا یہی مقصد پاکستان ہے''۔ (24 اپریل 1943ء)

''جب تک کوئی قوم اقتصادی طور پر کمزور ہوتی ہے وہ زندگی کی جنگ جیتنے کی امید نہیں کر سکتی ہے اس لئے تم منظّم ہو کر معاشی زندگی کو بلند کرو''۔ (3 جولائی 1943ء)

اقتصادی ترقی کے لئے ہم تعلیمی نظام' بے روزگاری کا خاتمہ' ہوسِ زر کی حوصلہ شکنی جرائم کی بیخ کنی' قانون کا احترام' ملکی پیداوار کے فروغ اور ملکی مصنوعات اور محکومیت پرور مالی پیداوار سے کنارہ کشی لازم ہیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ بیرونی امداد کے ساتھ ایسی شرائط وابستہ ہوا کرتی ہیں جو ملکی ترقی اور قومی وقار کو مجروح کرتی ہیں۔ ہمیں غیرت مند قوموں کی طرح اپنی قومی اَنا اور ذاتی انحصار پر خاص توجہ دینی چاہیئے وگرنہ بقول اقبال ہمارا یہ حال ہوگا

انتہا اس کی بھی ہے آخر خریدیں کب تلک
چھتریاں' رومال' مفلر' پیرہن جاپان سے؟
اپنی غفلت کی اگر حالت یہی قائم رہی
آئیں گے غسّال کابل سے' کفن جاپان سے

قومی اتحاد

فرد اور جماعت کے باہمی ربط و تعاون' فکر و عمل کی یگانگت' نظریاتی اتحاد اور فکری استحکام کے بغیر قومی اتحاد جنم نہیں لیتا اور نتیجتاً ملکی ترقی کا حصول بھی ناممکن ہو جایا کرتا ہے۔ جب پاکستان کے قیام کے لئے آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ اس وقت بانیٔ پاکستان کی ولولہ انگیز اور بے مثل قیادت میں مسلمانانِ ہند متحد تھے۔ اس اتحاد کی بدولت انگریزوں اور ہندوؤں کو مجبوراً ہمارے مطالبہ پاکستان کے سامنے جھکنا پڑا اس وقت ہر ایک کی زبان پر ایک ہی نعرہ ہوتا تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ''۔ فکر و عمل کے اس حیرت انگیز اتحاد اور نظریاتی استحکام کا اس عزمِ راسخ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جب تمام مسلمان بیک آواز یہ کہتے تھے: ''بن کہ رہے گا پاکستان' دینا پڑے گا پاکستان''۔ ہندوؤں اور انگریزوں کا سیاسی گٹھ جوڑ اسلامیانِ ہند کے اس آہنی عزم کے سامنے ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ کیا تحریک پاکستان کے وقت سندھی' بلوچی' پٹھان' پنجابی

بنگالی' شیعہ اور سنی سب آپس میں شیر وشکر نہیں ہو گئے تھے؟

آج پھر اس عزمِ راسخ اور قومی اتحاد کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ہم نے وقت کے بدلے ہوئے تیور نہ پہچانے تو ہم اپنے دشمنوں کو کبھی بھی مغلوب نہیں کر سکیں گے۔

قائداعظمؒ نے فرمایا:

''صرف ایک چیز مسلمانوں کی نجات اور ان کے کھوئے ہوئے مقام کے دوبارہ حصول کی طاقت کا باعث بن سکتی ہے سب سے پہلے انھیں اپنے من کو دوبارہ قابو میں لا کر اپنے بلند مقام اور ان اعلیٰ اصولوں پر ڈٹ جانا چاہیئے جو ان کے عظیم اتحاد کی بنیاد اور ان کی اجتماعی سیاست کے شیرازہ بند ہیں''۔

(اکتوبر 1937ء)

''اے مسلمانو! تمھیں اپنے اندر مکمل وحدت اور استحکام کو برقرار رکھنا چاہیئے۔ اگر تم آپس میں لڑتے رہو گے تو کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کرے گا اور تم الگ الگ ہو جاؤ اس لئے تم وحدت اور استحکام کا دامن تھامے رکھو''۔ (2 نومبر 1941ء)

۳-عورتوں کا مقام:

تاریخ عالم شاہد ہے کہ عورتوں کی مناسب تعلیم و تربیت اور عملی شراکت کے بغیر تہذیب و تمدن کی بنیادوں کو مستحکم نہیں بنایا جا سکتا۔ قوم اصل میں مختلف افراد کا شیرازہ بندی کا دوسرا نام ہے۔ افراد کی تربیت کا دارومدار عورتوں پر ہوا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عورت تہذیبی اقدار کی عمارت کی خشت اول کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر یہ اینٹ ہی ٹیڑھی رہے تو پھر عمارت کیسے درست ہو سکے گی۔ بقول شیخ سعدیؒ:

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اسلام نے عورتوں کی تعلیم اور ان کی موزوں تربیت پر کافی زور دیا ہے تا کہ صحیح ماں اولاد کی صحیح تربیت اور قومی ترقی اور انسانی عظمت کا باعث بن سکے۔ کیا مسلم عورتوں کی تعلیم کو دینی فریضہ قرار دیتے ہوئے ہمارے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا: ''طلب العلم فریضه علی کل مسلم ومسلمة'' (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے)

حمیدی

وہ اسلام کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی قومی خدمات میں نمایاں حصّہ لے سکتی ہیں۔ اگر ہم نے ان کو ان کے جائز اسلامی حقوق سے محروم رکھا تو وہ عضو معطل بن کر اسلامی خدمات اور ملکی ترقی میں حصّہ نہیں لے سکیں گی۔ اس بارے میں محمد علی جناح کے نظریات کی تلخیص یہ ہے:

''عورتوں کی آزادی بھی ضروری ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم مغرب کی برائیوں کے نقال بن جائیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عورتوں کو نہ صرف سماجی بلکہ سیاسی طور پر بھی قومی زندگی میں ضرور حصّہ لینا چاہیئے''۔

(5 فروری 1938ء)

''میرا یہ ایمان ہے کہ ہمارے لئے یہ بالکل لازمی ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو زندگی کی جدوجہد اور کام میں شرکت کا ہر موقع بہم پہنچائیں۔ عورتیں اپنے گھروں میں پردے کے اندر بھی بہت کچھ کر سکتی ہیں''۔ (مارچ 1940ء)

۴-قومی فرائض کا احساس:

اس حقیقت کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ زندگی محض حقوق طلبی ہی نہیں بلکہ فرائض کا مجموعہ بھی ہے۔ صرف حقوق کی بات کرنا اور اپنے قومی فرائض کو نظر انداز کر دینا ایک یک طرفہ عمل ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہمیں اپنے درست حقوق کے لئے سعی کرنی چاہیئے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم سب کو ان قومی ذمہ داریوں پر بھی عمل کرنا چاہیئے جو خدا' انسانوں' ملک اور قوم کی طرف سے ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ حقوق و فرائض کے اس باہمی تعلق کو بطریق احسن قائم کئے بغیر ہم انفرادی اور اجتماعی ترقی کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اگر تمام شہری' طلبہ' خواتین' صنعت کار' مزدور' کسان' سیاستدان' صحافی' ادیب اور سرکاری ملازمین آج سے اپنے قومی فرائض کو دیانت داری اور بے باکی کے ساتھ سرانجام دینے کا عزم کر لیں تو ہمارا ملک بہت جلد مراحل ترقی طے کرتا ہوا بامِ عروج تک پہنچ جائے گا۔ قائداعظم بار بار ہمیں اپنی قومی اور ملکی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے رہے ہیں کیونکہ وہ فرد اور قوم کے اس گہرے ربط سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے انھوں نے فرمایا تھا کہ:

''اسلام ہر مسلمان سے اپنے فرض کی ادائیگی کی توقع رکھتا ہے۔ اگر ہم اپنی ذمہ داری کا احساس کر لیں تو پھر وہ وقت دُور نہیں جب ہم اپنے آپ کو شاندار ماضی کے شایانِ شان ثابت کر سکیں گے''۔ (24 دسمبر 1940ء)

۵-عسکری طاقت:

قانون بقائے اصلح کی رو سے یہاں طاقت کی حکمرانی ہے۔ ویسے تو ابتدائے آفرینش سے ہی ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون رائج ہے مگر موجودہ سائنسی دور میں اس کی اہمیّت پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ آج کل جو ملک فوجی لحاظ سے کمزور ہوتا ہے وہ اپنی بقا اور حفاظت کے لئے دوسرے ملکوں کا نہ صرف عسکری طور پر محتاج ہو جاتا ہے بلکہ وہ سیاسی طور پر بھی ان کا دست نگر بن جاتا ہے۔ سیاسی محتاجی کے ساتھ ساتھ اقتصادی محکومیت بھی لازم ہو جاتی ہے۔ اس طرح فوجی کمزوری ملکی پس ماندگی' قومی محکومیت اور ذہنی مرعوبیت پر منتج ہو جاتی ہے۔ کیا یہ درست نہیں کہ کمزوری غالب قوموں کے ہمہ گیر استحصال اور تاخت وتاراج کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے؟ بقول اقبال قوموں کے لئے محض جمال (اخلاقیات) ہی نہیں بلکہ جلال (طاقت اور غلبہ) بھی لازم بن جاتا ہے۔ وہ جلال اور جمال دونوں کے حسین امتزاج کے قائل تھے۔ ''عصا'' کے بغیر ''کلیمی'' کو وہ ''بے کار اور بے بنیاد'' قرار دیتے ہوئے بجا کہتے ہیں (عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد)۔

طاقت کے بغیر مذہب اور اخلاقیات فلسفہ بن جاتے ہیں جس کے نغمہ ہائے بے موت ذوقِ عمل کے واسطے پیامِ موت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسلام نے دفاع کے لئے جنگ کو جائز قرار دیا ہے۔ نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ اس امر کی دلیل ہے کہ انھوں نے تمام جنگیں دفاع کے لئے لڑی تھیں۔ اپنا دفاع نہ کرنا حماقت اور بزدلی کی علامت ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو اپنی استعداد کے مطابق تیاری کرنے کا یوں حکم دیا ہے:

واعدولھم ما استطعتم ''تم اپنی استطاعت کے مطابق دشمنوں کے لئے تیاری کرو''۔

پاکستان کی سرحدوں کے گرد منڈلانے والے خطرات کا تقاضا یہ ہے کہ اہلِ پاکستان دفاعی تیاریوں میں پوری طرح مصروف رہیں تاکہ دشمنوں کو ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہو سکے۔ باطل پرست تو باطل کی حفاظت کے لئے سرتاپا غرق اسلحہ ہیں اور دنیا میں تمام امن کے دعویدار اپنے دفاع سے غافل بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیا یہ غفلت ہماری سستی' کمزوری اور حماقت کی دلیل نہیں؟ قائداعظم نے بجا فرمایا ہے کہ حصولِ آزادی کے بعد اس کی حفاظت کی ذمہ داری زیادہ اہم ہو جایا کرتی ہے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ ارشاد کتنا حقیقت پسندانہ اور مدبرانہ معلوم ہوتا ہے۔

''آزادی کو حاصل کر لینا تو آسان ہے مگر اسے برقرار رکھنا مشکل ہے۔

انگلستان اور امریکہ آزاد ریاستیں ہیں لیکن انھیں اپنی آزادی کی حفاظت کی خاطر کس قدر جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ ہمیں بھی اپنے آپ کو تیار کرنا ہے..... ہمارے لئے مسئلہ یہ ہوگا کہ ہم کس طرح اپنی اندرونی سالمیت کو برقرار رکھیں اور کیسے بیرونی جارحیت سے محفوظ رہیں..... ہمیں اپنے گھروں کے دفاع اور اپنے محبوب مقاصد کی خاطر لڑائی کے لئے مستعد رہنا چاہیئے''۔ (10 مارچ 1941ء)

عسکری طاقت کا مالک بننے کے لئے لامحالہ ہمیں سائنسی ترقی کو خاص اہمیّت دینی پڑے گی۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں غیر مسلموں نے حیرت انگیز ترقی کر کے ہمیں اپنے پیچھے لگایا ہوا ہے۔ وہ جدھر جاتے ہیں ہم بھی ان کے ساتھ چلنے پر مجبور ہیں۔ قرآنی تعلیمات نے تو غور وفکر پر بہت زور دیا ہے تاکہ ہم فطرت کے مخفی رازوں کو جان کر تسخیر کائنات کا قرآنی فریضہ سرانجام دے سکیں۔ وائے نادانی' ہم خود ہی ذہنی جمود میں مبتلا ہو کر چاہِ ضلالت میں گرے ہوئے ہیں۔ اس متاع کارواں کے لٹ جانے کا ابھی ہمیں پوری طرح احساس نہیں ہوا۔ خدا کرے ہمارے قائدین' سیاستدان' ماہرین تعلیم' اہل دانش اور علماء کے اندر یہ احساس اب پوری طرح بیدار ہو جائے اور وہ انسانیت کی قیادت کا فرض سنبھالنے سے قبل اپنی اس کمزوری کا جلد ازالہ کر لیں۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنی ساری زندگی قوم اور ملّت کی آزادی' قیامِ پاکستان کے حصول' ہندوؤں اور انگریزوں سے محاذ آرائی اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے وقف کر دی تھی۔ ان کی دُوراندیشی' صلاحیت رائے' عزم راسخ' مقصد پرستی' احترامِ قانون' عوامی بہبود' صحیح جمہوری روایات کے تحفظ' مومنانہ بصیرت' ایثار' خلوصِ نیت' ان تھک محنت' عمل مسلسل' جفاکش' ناسازگار حالات سے نبرد آمائی' جرأت مندانہ' بے باکی اور حق گوئی کے معترف نہ صرف اپنے ہی ہیں بلکہ اغیار بھی ان کی دیانت' عظمت کردار اور ناقابل خرید شخصیت کے مدح خواں ہیں۔ ان میں ایک عظیم قائد اور مثالی سیاست دان کی وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ:

نگہ بلند' سخن دلنواز' جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

□□□

PAKISTAN STRUGGLE ___ THE ECONOMIC ASPECT

It is an irrefutable fact that Pakistan was based on Islamic ideals which give due importance to the economic and material aspect of human life. Considering Islam to be a complete code of life, we cannot draw a line of demarcation between Islam and the economic welfare of its adherents.

Extreme and unbalanced views always lead to ill-conceived thoughts and wrong actions. Keeping this fact in view, we must not brush aside the economic aspect of Pakistan struggle. It is abundantly clear from various speeches and statements of Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah that he had in his mind all thouse factors which brought Pakistan into existence, the economic factor being no less important. However, we cannot say that economy was the only factor leading to the establishment of Pakistan. It is our daily observation that economics has assumed considerable importance in individual and national life. No modern state can tread the path of unhampered progress without achieving self-sufficiency in the economic sphere. It is now a well-recognised fact taht Western powers and some Eastern countries have reached the pinnacle of political dominance and military supremacy on the basis of their economic prosperity and scientific development. Their affluent societies exist mainly due to their ceaseless efforts and national zeal for progress in various fields of life. including the economic field. Being a comprehensive code of life, Islam has also

not ignored the economic well-being of its followers. The Holy Quran exhorts us to pray to Allah for both our worldly and spiritual betterment. The concept of `Zakat' and voluntary charity is the key-note of many Quranic injunctions.

According to our national poet - phlosopher Allama Iqbal, the secret of Islamic law lies in putting an end to unjust human dependence on others. The ideal society, as visualised by the Holy Quran, cannot favour any exploitative, tyrannical and unjust system. In order to remove poverty and unjust economic dependence on others, Islam has put forward a balanced economic system which is devoid of the defect of both capitalism and communism.

The down-trodden Muslims:

The founder of Pakistan had always laid great emphasis on the economic prosperity of Muslim masses. He was rightly critical of every kind of economic inequality in the subcontinent. It is an historical fact that he made every possible effort to save the subjugated and downtrodden Indian Muslim from the deadly clutches of the British rule and the imminent danger of Hindu exploitation. He firmly stood for their legitimate right to self determination, their cultural identity, political freedom and economic progress. After a careful study of his speeches and statements, we come to the conclusion that he gave the economic aspect the importance that it deserved. The sum and substance of his economic views is as follow:

a) "Your foremost duty is to formulate a constructive and ameliorative programme of work for the people's welfare and to devise way and means of social, economic and political uplift of the Musalamans". (October, 1937).

b) "Come forward as servants of Islam, organise the people economically, socially, educationally and politically and I am sure that you will be a power that

you will be accepted by every body". (March, 1940).

c) "We should take up constructive programme for the betterment of our people, educationally, socially, economically and physically". (24th December, 1940).

d) "No nation and no people can ever do anything very much without making themselves economically powerful in commerce, trade and industry". (2nd March, 1941).

Materialistic & atheistic:

The Quaid-i-Azam wanted to establish in Pkaistan an economic Islamic principles of social justice. Indeed, he was a great opponent of the two globally prevailing economic systems - capitalism and communism. In his view, these two systems could not provide complete and satisfactory guidance for our mundane and spiritual requirements. In this connection, he was in full agreement with the economic views expressed by Allama Iqbal. It is well-known to us that Allama Iqbal did not like predominantly materialistic and atheistic trends in these systems.

Our beloved political leader, Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah, had clearly stated on many occasions that the true aims of the establishment of Pakistan was the revivial of Islamic glory. I would like to quote here his actual words:

> "We have a great history and past behind us. Let us prove worthy of it and bring about true renaissance of Islam and revive its glory and splendour". (Speech delivered on September 30, 1943).

Can we still have doubts about his sincere desire to add lustre to the glorius history of Islam by formulating the economic system of Pakistan on the true model of Quranic teachings? Is it not our collective responsibility to bring about this change and make Pakistan a prosperous country so that we may maintain its Islamic identity and safeguard its integrity and solidarity with full force?

□□□

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علیہ الرحمتہ کی شخصیت' ان کی سیاسی سرگرمیوں اور ان کے مرتبہ و مقام کے بارے میں بے شمار اپنوں اور غیروں نے اپنے اپنے مخصوص نظریات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے سیاسی افکار اور ان کے سیاسی کردار کا تعیّن کرنے کے لئے ہر ایک نے اپنے معیار حسن و قبح کو اختیار کرتے ہوئے اپنا فیصلہ دیا ہے۔ بہت کم لوگوں نے انصاف اور اعتدال کی راہ پر چل کر ان کی تاریخ ساز مساعی کی حقیقت کو پایا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ قائداعظمؒ نے خود اپنے سیاسی مسلک کے مختلف بنیادی پہلوؤں کو کس نظر سے دیکھا ہے اور کس طرح اپنی جاذب اور بلند قامت شخصیت کو بے نقاب کیا ہے۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی کوئی انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی تحریر میں اپنی ذات کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا۔ اس لحاظ سے اس کی تحریر اس کی ذہنی کیفیات اور قلبی واردات کی آئینہ دار بن جایا کرتی ہے۔ قائداعظمؒ کے مختلف بیانات' پیغامات اور تقاریر کے پردے میں چھپی ہوئی ذات ہماری نگاہوں کے سامنے یوں نمایاں ہو جاتی ہے کہ ہمیں ان کے سیاسی مؤقف سے کافی حد تک آگاہی ہو جاتی ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ انھوں نے اپنی ملت ساز سرگرمیوں کے بارے میں خود کیا کہا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے اس عظیم المرتبت سیاسی شخصیت کی نمایاں ترین خصوصیّت اسلامیانِ ہند کی فلاح و بہبود اور ان کی آزادی کے ضمن میں ان تھک کوشش تھی۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے حصولِ آزادی پاکستان کا جو انقلاب آفریں نعرہ لگایا تھا وہ ان کی مسلسل جدوجہد اور بصیرت افروز قیادت کے باعث آخر کار نتیجہ خیز ثابت ہو گیا۔ وہ اپنی اس قابلِ تحسین سعی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ میرا دل آپ کے ساتھ ہے اور میں مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لئے پوری پوری کوشش کر رہا ہوں۔ میں امید

کرتا ہوں کہ تم اپنے موجودہ اچھے کام کو جاری وساری رکھو گے'' (پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں صدارتی خطبہ: ۲ مارچ ۱۹۴۱ء)۔ ان کی پرخلوص اور دلکش شخصیت اور ان کی حق گوئی و بے باکی سے مسلمان بخوبی آگاہ ہو کر ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ انھیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ بانیٔ پاکستان کے الفاظ ان کے دلوں کی آواز تھے۔ وہ اپنے اس ہمدرد، مخلص اور سچّے لیڈر کے گرد اس طرح جمع ہو گئے تھے جس طرح پروانے شمع کے گرد اکٹھے ہوتے ہیں۔ قائداعظمؒ کو بھی ان کی دلی محبّت وعقیدت کا پورا پورا احساس تھا جس کا انھوں نے کئی مواقع پر اظہار بھی کیا ہے۔ 25 دسمبر 1942ء کو ان کی سالگرہ مناتے ہوئے لوگوں نے ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا تھا۔ اس موقع پر قائداعظمؒ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"Muslim India is showing much regard and affection for me what is the mystery of this It is obvious because I have spoken what was in the hearts of millions of muslims, served you faithfully and led you truthfully. I can give you nothing except my service. I shall continue my service of the musalmans and Islam".

محمد علی جناحؒ کی ذات کی ایک اور قابلِ ذکر خوبی یہ تھی کہ وہ امراء، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی زیرپرستانہ ذہنیت کے شاکی اور غریب مسلمانوں کے پرخلوص تعاون اور ملت دوستی کے مداح تھے۔ تحریکِ پاکستان میں عام غریب مسلمانوں نے بہت زیادہ ایثار و تعاون کا ثبوت دیتے ہوئے اسے مقبول اور کامیاب بنایا تھا۔ غربت و افلاس کی زندگی بسر کرنے کے باوجود انھوں نے بڑھ چڑھ کر چندہ دیا جس کا اعتراف کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے اپنی ایک تقریر میں یوں کہا:

''مجھے دو دو اور چار چار آنے کے منی آرڈر بھی ملے ہے..... بعض غریب مسلمان کہتے ہیں کہ غربت کی وجہ سے ہم روپیہ دینے سے قاصر ہیں تاہم ہم اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان کی اتنی چھوٹی رقوم نے امیر آدمی کے لاکھوں کی نسبت مجھے زیادہ متاثر کیا ہے''۔ (مسلم یونیوسٹی یونین، علی گڑھ کے اجلاس میں تقریر، 2 نومبر 1942ء)

پاکستان کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے حضرات اس امر سے بخوبی آشنا ہیں کہ دوقومی تحریک پاکستان کی اساس کا درجہ رکھتا ہے۔ قائداعظمؒ اسلامیانِ ہند کو اقلیت تصور کرنے کے

زبردست مخالف تھے کیونکہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ الگ قومیں خیال کرتے تھے۔ وہ کسی طرح بھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ انگریزوں کے جانے کے بعد ہندو ان پر حکمرانی کریں۔ اس نقطۂ نگاہ سے وہ ہندوراج کے قیام کو مسلمانوں کی تہذیب، ثقافت، مذہبی اقدار اور سیاسی تشخص کے لئے بہت بڑا خطرہ خیال کرتے تھے۔ وہ اس بات کو بھانپتے ہوئے پوری شدت کے ساتھ ہندوراج کی مخالفت کرتے رہے۔ ان کی یہ ثابت قدمی، عزم راسخ کی طاقت اور ان کی مسلسل جدوجہد آخرکار قیامِ پاکستان پر منتج ہوئی۔ ان کے مندرجہ ذیل الفاظ سے یہ پتہ چل جائے گا کہ انھیں ہندوراج سے کس قدر نفرت تھی:

"I am not going, as long as there is life left in a single muslim, to have this Hindu Raj".

(مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن، شمال مغربی سرحدی صوبہ کے نام پیغام، مورخہ 14 اپریل 1943ء)

اسلامیانِ ہند کے اس عظیم، مخلص، دُوراندیش، بے باک اور بلند ہمت لیڈر کو قدرت نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ انھیں مسلمانوں کی آزادی، ترقی، عظمت رفتہ کی بحالی، خودداری اور اسلامی ثقافت کی حفاظت کا ہمیشہ ہمیشہ شدید احساس تھا۔ اسی جذبے کے تحت انھوں نے مسلمانوں کو آزادی دلانے کے لئے اپنا تن من دھن قربان کیا اور سیاسی قیادت کا وہ اعلیٰ معیار قائم کیا کہ اب تک اپنے اور غیر اس کی اہمیّت کو تسلیم کرتے ہیں۔ بانی پاکستان کی وفات کے بعد ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے پُر کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد، مخلصانہ قیادت اور ناقابلِ تسخیر عزمِ راسخ کی ضرورت ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کا کافی حد تک عہدساز شخصیات پر دارومدار ہوتا ہے۔ ایسے عظیم انسان مرنے کے بعد بھی لوگوں کے اذہان وقلوب میں زندہ رہا کرتے ہیں۔ بقول اقبالؒ:

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
وہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

□□□

قیامِ پاکستان کا ایک اہم پہلو

افراد اور قوم کے درمیان جب تک گہرا ربط باہمی فکر ونظر کی ہم آہنگی' وحدت مقصد اور باہمی اعتماد ومحبّت کی فضا قائم رہتی ہے اس وقت تک وہ مراحلِ ترقی طے کرتے رہتے ہیں۔ بہترین افراد کے اجتماع ہی سے بہترین قوم کی تشکیل وتعمیر ممکن ہے۔اس کے برعکس ان کا باہمی انتشار فکر وعمل اور متصادم نظریات ان کی پس ماندگی' بدامنی اور انحطاط کا باعث بن کر رسوائی اور ذلت کے مظہر بن جایا کرتے ہیں۔ اگر کسی ملک کے حکمران' اہل سیاست اور دوسرے بااقتدار گروہ عوام کے بنیادی حقوق اور ان کی صحیح تربیت اور فلاح کو نظر انداز کر دیں تو پھر لامحالہ افراد قوم کی زندگیاں بھی کماحقہ نشوونما نہیں پاسکتیں۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو افراد بھی قوم کی ترقی و خوشحالی کا سبب بنتے ہیں۔ بقول اقبالؒ

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارا

پاکستان کے قیام کا ایک اہم پہلو انڈیا کے مظلوم' مقہور' مجبور' استحصال زدہ' پس ماندہ اور غلام مسلمانوں کی سیاسی آزادی' مذہبی حریت' معاشرتی امن وسکون' اقتصادی خوشحالی اور ثقافتی ورثے کی حفاظت کے لئے ایک ایسی آزاد اور خودمختار مملکت کا حصول تھا جو اسلامی نظام کے حوالے سے ان کی ہمہ گیر ترقی وفلاح کا باعث بن سکے۔

قیام پاکستان سے پہلے کے سیاسی' تہذیبی' معاشی اور مذہبی حالات پر گہری نگاہ رکھنے والے اہل فکر ودانش اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بے شمار مصائب وآلام کا شکار تھے۔ چند دردِ دل رکھنے والے حضرات نے مسلمانوں کو اس قعرِ مذلت سے نکالنے کے لئے اپنے اپنے انداز میں مختلف تحریکیں چلائیں تاکہ ہماری نجات اور آزادی کی راہ نکل سکے۔

اس پریشان کن منظر کو سامنے رکھتے ہوئے قیامِ پاکستان کے حصول کے لئے ان تھک اور صبر آزما جدوجہد کا آغاز کیا گیا تھا۔ مسلمان عوام نے اپنے ان دُوراندیش اور مخلص قائدین کی مساعی کو بارآور بنانے کے لئے پورا پورا تعاون کیا اور اس عظیم نصب العین کے لئے کسی قسم کی مالی اور جانی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ مملکتِ پاکستان کی تشکیل گویا عوام الناس کی مسلسل قربانیوں کی ایمان افروز داستان اور ان کی حسین آرزوؤں کی تکمیل کا دوسرا نام ہے۔ ایسے ایثار پیشہ' جانباز' پرخلوص اور جفاکش عوام کی فلاح و بہبود کو پس پشت ڈالنا گویا قیامِ پاکستان کے ان مقاصد جلیلہ سے روگردانی کے مترادف ہوگا۔ اربابِ دانش خود حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔

؎ اے اہل نظر' ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

دنیا کے تمام انسانیت دوست مفکرین اور مصلحین نے عام انسانوں کی خدمت کی اہمیّت کے بارے میں بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔

ایک ہی ملک اور قوم کے رہنے والوں کی خدمت اور فلاح کی اہمیّت تو اور بھی زیادہ لازم ہوجاتی ہے۔ علاوہ ازیں وہاں کے افراد اور مملکت کے تمام شہریوں کی بہبود تو بقائے باہمی اور پرامن تعلقات کی خوشگواری کے لئے بے حد ناگزیر ہے کیونکہ مملکت اور عوام الناس معاہدہ عمرانی (social contract) کی رو سے آپس میں شیروشکر ہونے چاہئیں۔ اس باہمی عہد کو تادیر استوار رکھنے کے لئے افراد کے علاوہ حکومتوں پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اگر معاہدے کا ایک فریق تو اپنے فرائض کو صحیح طور پر سرانجام دے اور دوسرا اپنے فرائض کی بجاآوری میں غفلت شعار بن جائے تو پھر دونوں کے درمیان زیادہ عرصہ تک خوش گوار تعلقات قائم نہیں رہ سکتے۔ معاشرتی زندگی کے تاروپود کو یکجا اور مربوط رکھنے کے لئے دونوں کے لئے یہ ناگزیر ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کریں۔ اس میں ان کے استحکام' ترقی اور بقا کا راز نفی ہوتا ہے وگرنہ دونوں کے نظریاتی تصادم سے محبّت وتعاون کا رشتہ ٹوٹ جائے گا اور پوری قوم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور یہ کہنا ہوگا:

؎ کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم کھنچے رہے
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

اب ہم مختصر طور پر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس مملکت کے بانی کے سیاسی افکار میں فلاحِ عامہ کو کیا مقام دیا گیا ہے اور اس کے قیام سے پہلے انھوں نے اس ضمن میں کیا کہا تھا۔ قائداعظم

محمد علی جناحؒ نے اپنی تنظیم آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس کے موقع پر اپنے خطبۂ صدرت میں مسلمانانِ ہند کی فلاح عامہ کی افادیت واہمیّت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''انڈیا کے ہر صوبے' ہر ضلع' ہر تحصیل اور ہر گاؤں کے مسلمانوں سے میں یہ کہتا ہوں کہ اس وقت تمہارا اولین فرض یہ ہے کہ تم مسلمانوں کی سماجی' اقتصادی اور سیاسی حالت کو سدھارنے کے لئے کسی تعمیری پروگرام کے ذرائع استعمال کرو''۔(اکتوبر 1937ء)

عام مسلمانوں کی تعلیمی' معاشرتی' اقتصادی اور جسمانی بہبود کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرتے ہوئے 24 دسمبر 1940ء کو انھوں نے اپنے ایک پیغام میں کہا تھا:

"We must take up construction programme for the betterment of our people, educationaly, socially, especially, appeal to the muslim students and intelligentsia to be up and doing".

مملکت پاکستان کی تاسیس وتشکیل کے بعد بھی انھوں نے اپنے کئی بیانات اور تقریر میں اس بات پر زور دیا تھا کہ عام لوگوں کی حالت کو سنوارنے اور ان کی ذات کو مخفی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لئے ٹھوس اور مفید اقدامات کئے جائیں۔ ایک بالغ نظر اور مخلص راہنما کی حیثیت سے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ کسی مملکت کے باشندوں کی حالت کو سنوارے بغیر وہ مملکت صحیح معنوں میں مضبوط' خوشحال' پرامن اور دیرپا نہیں ہوسکتی۔ انسانوں کی خدمت اور ان کی بہبود ہی ملک وقوم کے عروج کا باعث بنا کرتی ہیں جو سیاسی اور مذہبی نظام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو دبانے اور غصب کرنے کی کوشش کرے گا وہ زود یا بدیر ختم ہوجائے گا کیونکہ قدرت افراد کی کوتاہیوں سے تو درگزر کرسکتی ہے مگر وہ قوموں کی کوتاہیوں' ان کے غلط اقدامات اور فساد انگیز حربوں کو معاف نہیں کیا کرتی۔ اقتدار کے نشے میں مست ہوکر عام انسانوں خصوصاً اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کو نظر انداز کرنے کے نتائج انقلاب آفریں اور عبرتناک ہوا کرتے ہیں۔ قدرت کا یہی فتویٰ ہے۔

ع حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

□□□

قائداعظمؒ کے اقتصادی نظریات

قائداعظم محمد علی جناحؒ بلاشبہ ایک عظیم سیاستدان اور کامیاب وکیل کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ اگر ہم ان کے بیانات' پیغامات اور ان کی تقاریر کا مطالعہ کریں تو ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوجائے گی کہ وہ قوموں کی بلندی وپستی' ان کی ترقی وپسماندگی اور ان کے استحکام وقیام کے اسرار ورموز کے بھی ترجمان تھے۔ ان کی فکر محض سیاسیات کے ظواہر تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ قومی زندگی کی بقا سے متعلق مختلف گوشوں سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ یہ امر تو ہم سب پر آشکار ہے کہ ہماری زندگی محض کھانے پینے اور سونے وغیرہ ہی سے عبارت نہیں بلکہ اس کا معاشیات' اخلاقیات' تہذیب وتعلیم' معاشرتی اصولوں اور بین الاقوامی معاملات سے بھی گہرا تعلق ہے۔ افراد کی طرح اقوام کی زندگی بھی تہ دار اور متنوع ہوتی ہے۔ ان کے عروج وزوال کے اسباب بھی مختلف پہلوؤں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ دورِ جدید میں قوموں کی آزادی اور غلامی میں اقتصادیات کا رول وسیع بھی ہوگیا ہے اور پر پیچ بھی۔ قوموں کو اپنا محکوم بنانے کے لیے اب صرف عسکری مہارت ہی کافی نہیں بلکہ اقتصادی ہتھیار بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ معاشی احتیاج ایک ایسی کمزوری ہے جس کی وجہ سے افراد اور اقوام کو بآسانی زیر کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ معاشی تنگی سے شیر بھی لومڑی کی عادات اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے جیسا کہ ترجمانِ ملّت علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

؎ آنچہ شیراں را کند روبہ مزاج
احتیاج است' احتیاج است' احتیاج

اقتصادیات کو مستحکم کرکے جاپان اور مغربی قومیں دنیا میں اپنا بلند مقام بنا چکی ہیں۔ اس کے برعکس زیادہ تر مشرقی اقوام معاشی کمزوری کے باعث دوسروں کی دست نگر اور حاشیہ نشین نظر آتی ہیں۔ روس کا اشتراکی نظامِ معیشت ہماری آنکھوں کے سامنے اپنی شکست وریخت کا ثبوت

دے چکا ہے۔ وہ معاشی نظام جو بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ معرضِ وجود میں آیا تھا تاکہ مغربی استعماریت اور سرمایہ داری کے نظام کے وجود کو ختم کر دے۔ وہ اب خود سرمایہ داری کی پناہ تلاش کر رہا ہے۔ مسلم ممالک بھی اپنی اقتصادی پس ماندگی کی وجہ سے مغرب کے حاشیہ بردار بنے ہوئے ہیں۔ ان کی معاشی زبوں حالی' ان کی سیاسی' عسکری' اخلاقی' ثقافتی' تعلیمی اور سماجی احتیاج کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ اب قوموں کا استحصال کرنے کے لیے ان کی خودی کو معاشیات کے تیزاب میں ڈالا جاتا ہے تاکہ بعدازاں جب وہ خودی ملائم ہو جائے تو پھر اسے اپنی مرضی کے مطابق ہر سمت میں پھیر دیا جائے۔ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں معاشیات کی روز افزوں قومی اہمیّت کا احساس ہوتا ہے۔ بانیٔ پاکستان کے اقتصادی نظریات کی افادیت اور اہمیّت کی چند جھلکیاں اس مضمون میں پیش کی جا رہی ہیں تاکہ قارئینِ کرام کو معلوم ہو جائے کہ ان کی اقتصادیات کے نمایاں پہلوؤں پر کتنی گہری نظر تھی۔ ان کی رائے میں قوموں اور معاشیات کے باہمی ربط کو نظر انداز کرنا بالکل غلط ہوگا۔

اس مضمون میں قائداعظم کے تصورِ معاشیات کے صرف چیدہ چیدہ نکات کا ان کے افکار و بیانات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔ وقت کی قلت اور صفحات کی تنگ دامانی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس نظریئے کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔ امید ہے کہ یہ اجمالی ذکر بھی ہمارے لیے دیدہ کشا ثابت ہوگا۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان انگریزوں کی حکومت اور ہندو لیڈروں کے باہم گٹھ جوڑ اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے زندگی کے ہر اہم شعبے میں پسماندہ رہ گئے تھے۔ ان کی پسماندگی کا ایک سبب ان کی غربت تھی جو ان کی معاشی کمزوری کا لازمی نتیجہ تھی۔ اس چیز نے بھی اسلامیانِ ہند کو تقسیمِ ہند کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ قیامِ پاکستان کے دیگر اسباب مذہبی' سیاسی' ثقافتی اور سماجی نوعیت کے حامل تھے۔ معاشی زبوں حالی بھی آزادی پاکستان کے مطالبے کا اہم عنصر تھی۔ قائداعظمؒ نے اس امر کا تذکرہ اپنی اس یادگار صدارتی تقریر میں کیا تھا جو انھوں نے 12 مارچ 1941ء میں پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں کی تھی۔ انھوں نے فرمایا تھا:

"India should be partioned so that both the communities can develop freely and fully according to their own genius economically, socially culturally and politically".

(انڈیا کو تقسیم کیا جائے تاکہ دونوں جماعتیں (مسلمان اور ہندو) اپنی اپنی

ذہانت و فطانت کے مطابق آزادانہ اور مکمل طور پر اقتصادی' سماجی اور ثقافتی اور سیاسی لحاظ سے ترقی کر سکیں)۔

غربت اور افلاس کے مارے ہوئے انسان غلامی میں اپنی خداداد صلاحیتوں کی نشوونما کرنے سے قاصر ہوا کرتے ہیں۔ اسی نکتہ کی طرف انھوں نے ہماری توجہ مبذول کرانے کی سعی کی تھی۔ غلامی میں زندگی اک جوئے کم آب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

خدا تعالیٰ نے قائداعظمؒ کو دلِ دردآشنا اور ذہنِ رسا کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں غریبوں اور فاقہ کش انسانوں سے بڑی محبّت تھی۔ وہ انھیں اپنی غربت کے باوجود اپنی ملّت کا غم خوار اور ایثار پسند خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"I have visited villages. There are millions and millions of our people who hardly get one meal a day. Is this civilisation? Is this the aim of Pakistan? If that is the idea of Pakistan I would not have it".

(آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں صدارتی خطبہ دلی' 24 اپریل 1943ء)۔

قیامِ پاکستان کی مہم کے دوران انھیں کئی دیہاتوں میں جانا پڑا جہاں انھیں اپنے مسلمان بھائیوں کی غربت کا بخوبی احساس ہوا۔ کیا ان کے الفاظ سے یہ بات اظہر من الشمس نہیں ہو جاتی کہ ان کی رائے میں قیامِ پاکستان کا اہم مقصد غربت و افلاس کو بھی دُور کرنا تھا؟ اسلامی تعلیمات نے بھی غربت و افلاس کے عفریت کے چنگل سے نجات دلانے کے لیے زکوٰۃ' صدقات اور خیرات وغیرہ پر بار بار زور دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ ''انسان کو غربت کفر کے قریب بھی لے جا سکتی ہے''۔ ان کا ارشادِ گرامی ہے: (کاد الفقر ان یکون کفرًا)

علامہ اقبالؒ اسی اسلامی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تا نباشد در جہاں محتاج کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

غربت کا خاتمہ بھی بانیٔ پاکستان کے تصورِ معاشیات اور تشکیلِ پاکستان کا ایک اہم سبب تھا۔ ہمارے اربابِ فکر و دانش اس بات سے آگاہ ہیں کہ قائداعظمؒ نے 1940ء میں 23 مارچ کو

قرارداد لاہور کے تاریخی موقع پر جو طویل صدارتی خطبہ دیا تھا وہ مقاصدِ تشکیلِ پاکستان کا ترجمان خیال کیا جاتا ہے۔ اس تاریخ ساز اجلاس میں انھوں نے اسلامیانِ ہند کے مختلف مسائل پر اظہارِ خیال کیا اور اپنے تنظیمی اور سیاسی لائحہ عمل پر کافی روشنی ڈالی تھی۔ انھوں نے اپنے اس خطبے میں سامعین کو بالعموم اور مسلم لیگ کے ارکان اور کارکنوں کو بالخصوص عوام کی خدمت کرنے اور مسلم عوام کو ہر لحاظ سے منظم کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا:

"come forward as servants of Islam. Organise the people economically, socially, educationally and politically and I am sure that you will be a power that will be accepted by everybody".

(اسلام کے خادموں کی حیثیت سے تم آگے بڑھو اور عوام الناس کو اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی طور پر منظم کرو۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح ہر کوئی تمھاری طاقت کو تسلیم کرلے گا)۔

آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ بانیٔ پاکستان کی نگاہ میں اجتماعی ترقی، معاشی طاقت اور خوشحالی کے بغیر چنداں مفید نہیں۔ ''غریب کی جورو سب کی بھابی'' کے مصداق غریب قوم کی دنیا کی نظروں میں کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ جوش نے غربت و افلاس کی قباحت کو انتہا پسندانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے ایک جگہ کہا تھا:

مفلس ہوئے تو دہر میں عزت نہیں رہی
حد یہ ہے ماں کی آنکھ میں شفقت نہیں رہی

آج دنیا میں بلند اور قابلِ احترام مقام پانے کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ پاکستان غربت و افلاس کی لعنت دُور کرے اور خوشحالی و معاشی کفالت کی راہ پر گامزن ہو۔ دوسروں کی خیرات پر کب تک تکیہ کیا جائے گا؟ معاشی خوش حالی، اسلامی تعلیمات کی پیروی، تشکیلِ پاکستان کے مقصد کے حصول اور بانیٔ پاکستان کے فرمان کی تعمیل کے مترادف ہوگی۔

اس جہان رنگ و بو میں ہر وقت متضاد چیزوں اور متضاد فکری و معاشی نظاموں کے درمیان جنگ اور مسابقت کا سلسلہ جاری ہے۔ کہیں حق و باطل معرکہ آرا ہیں اور کہیں نظریات باہمی چپقلش میں الجھے ہوئے ہیں۔ بہار و خزاں، رنج و راحت، لیل و نہار اور عروج و زوال کے مناظر اسی جنگی تضادات کا نتیجہ ہیں۔ قوموں کے اندر بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے اور برتری حاصل کرنے کی دوڑ لگی رہتی ہے۔ گویا یہ دنیا ایک رزم گاہ ہے جہاں اشیاء، افکار اور نظامہائے

زندگی آپس میں متصادم رہتے ہیں۔ فطرت، قوت و حرکت کی حامل قوتوں کو سرفرازی عطا کرتی ہے اور بے عمل اور لاپرواہ قوتوں کو نکبت و ادبار میں مبتلا کرتی ہے۔ اس میدانِ جنگ میں چنگ و رباب کے طلب گاروں کو شکست و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ بقولِ اقبال:

؎ فطرت لہو ترنگ ہے، غافل! نہ جلترنگ
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے جنگ

قائداعظمؒ اس حقیقت ثابتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں:

"So long as a nation is economically weak, it cannot hope to win the battle of life. So organise and raise economic life".

(بلوچستان مسلم لیگ کانفرنس سے خطاب، 4 جولائی 1943ء)۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنی قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور اپنی ذات پر مکمل بھروسہ کرنے کی تلقین کی تھی۔ خودانحصاری، خودکفالت اور سادہ طرزِ زندگی کافی حد تک قومی استحکام کا ذریعہ ثابت ہوسکے گی۔ آزادی کو حاصل کرلینا آسان ہے مگر اسے برقرار رکھنے کے لیے بہت زیادہ جدوجہد اور سیاسی تدبر کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ خدا کرے ہمارے عوام اور ہماری حکومت بانیٔ پاکستان کے مندرجہ بالا الفاظ اور ان کے حکیمانہ اقوال کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ اسی میں ہماری معاشی قوت اور ہمارے ملکی استحکام کا راز پوشیدہ ہے۔

؎ اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

□□□

آزادیِ پاکستان:
اے قائداعظم ترا احسان ہے احسان

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے پاکستان کی آزادی کے حصول کے لئے جو شاندار اور عظیم خدمات سرانجام دی ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ نہ صرف اسلامیانِ برصغیر پاک و ہند بلکہ اغیار بھی ان کی مساعی جمیلہ، ان کی سیاسی بصیرت اور حیرت انگیز قائدانہ صلاحیت کا اعتراف کرنے پر مجبُور ہو جاتے ہیں۔ تمام باشندگان پاکستان خصوصاً مسلمان انھیں اپنا عظیم ترین سیاسی راہنما اور محسن خیال کرتے ہیں کیونکہ ان کی ان تھک کوششوں اور ولولہ انگیز قیادت کی وجہ سے انھیں اغیار کی غلامی سے نجات ملی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ایک نئی مسلم مملکت کا قیام بہت بڑا معجزہ ہے۔ ان کے بلند مقاصد و عزائم، ان کی مقناطیسی شخصیت اور ان کی پرخلوص قیادت سے متاثر ہو کر تمام مسلمان ان کے شانہ بشانہ خصوصی آزادی کے لئے جدوجہد پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم ان کی میراث کی کماحقہ قدر نہ کر سکے اور بلند مقاصد سے دُور ہو گئے، جن کی روشنی میں قائداعظمؒ کی منزل آزادی کی طرف گامزن ہوئے تھے۔ غیروں کی سازشوں کا تو کیا ذکر ہم نے خود اندرونی خلفشار، باہمی جنگ و جدل، مختلف قسم کی عصبیتوں اور نظریاتی تنازعات کا شکار ہو کر اپنی قومی ساکھ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ آیئے ہم آج اس امر کا تنقیدی جائزہ لیں کہ وہ کون سے ارفع مقاصد تھے جن کو مدنظر رکھ کر بانیٔ پاکستان نے آزادیِ پاکستان کے لئے جدوجہد کی تھی۔ اس مختصر مضمون میں ان مقاصد کا اجمالی تذکرہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ آزادی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ افراد کی طرح قوموں کو بھی آزادی کی قدر و قیمت کا بخوبی احساس ہوا کرتا ہے۔ غلامی ایک ایسی لعنت ہے جو انسانوں کی فکری، روحانی اور عملی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے انھیں اپنی خودی، قومی شناخت

اور ثقافتی تشخص سے اس طرح محروم کر دیتی ہے کہ وہ قعرِ مذلت میں گر جاتے ہیں۔ جسمانی غلامی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ انسان عقل و شعور اور غیرت کی بلندیوں سے گر کر حیوانات کی سطح تک پہنچ جایا کرتا ہے۔ اس زبوں حالی اور پستی کو دیکھ کر چند مصلحین اور اہل بصیرت آگے بڑھ کر ان کی فلاح و ہدایت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں، اس طرح وہ ان کے نجات دہندہ بن جایا کرتے ہیں۔ غلامی کی وجہ سے محکوم قوم کے افراد کا اندازِ نظر اس قدر بدل جاتا ہے کہ انھیں اپنے حاکموں کی ہر بات اچھی لگتی ہے اور وہ اپنی اعلیٰ اقدارِ حیات سے نفور ہو جاتے ہیں۔ اس غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہوئے حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے بجا ہی کہا تھا:

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ایسی حالت میں انسان خدا کا بندہ بننے کے بجائے انسانوں کا بندہ ہو کر اپنی خودی کو کھو بیٹھتا ہے۔ آزادیِ پاکستان سے قبل اسلامیانِ ہند کی اخلاقی، سیاسی، معاشی، تہذیبی، علمی اور سماجی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ برٹش بنیا گٹھ جوڑ نے انھیں ہر شعبۂ حیات میں پسماندہ بنا دیا تھا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد تو ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ مسلمانوں کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے بعض مخلص اور دُور اندیش مصلحین اور مفکرین نے بہت سی تحریکیں شروع کیں، آخر میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام سے مسلمانوں کو بہت تقویت ملی۔ کانگریس سے دل برداشتہ ہو کر محمد علی جناح مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور انھوں نے اس تنظیم کو اپنی مساعی کا مرکز و محور بنا لیا اور حصولِ پاکستان کی جدوجہد ثمر آور ہو گئی۔

قائداعظمؒ کے تصورِ آزادیِ پاکستان کے چند عناصرِ ترکیبی کی یہاں نشاندہی کی جائے گی تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ کن اہم اور بنیادی مقاصد کے پیشِ نظر قیامِ پاکستان کے لئے سعی کی گئی تھی۔ ان کی سیاسی فکر کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ سارے انڈیا کی آزادی کے قائل تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ انگریزوں کی محکومیت سے چھٹکارا پا کر دو بڑی قومیں یعنی مسلمان اور ہندو اپنے اپنے نظریۂ زندگی کے مطابق زندگی گزار سکیں اور اچھے ہمسایوں کی طرح پُرامن زندگی بسر کریں اور اپنی اپنی اقلیتوں کے حقوق کی بھی نگہداشت کریں۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد وہ صرف کسی ایک مخصوص طبقہ یا گروہ کی آزادی کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ سوسائٹی کے تمام بے بس، کمزور، مظلوم، مقہور اور استحصال زدہ لوگوں کی آزادی کے علم بردار تھے۔ انھوں نے 1938ء میں مسلم یونیورسٹی یونین میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

"It will be a freedom not only for the strong and the dominant but also for the weak and the suppressed".

حقیقی سیاسی آزادی تو وہی ہوتی ہے جس میں تمام لوگوں کو حریتِ فکر و عمل حاصل ہو۔ اگر کوئی ملک غلاموں اور آقاؤں میں منقسم ہو جائے تو پھر وہاں عدل و انصاف اور پرامن زندگی کی بجائے باہمی خانہ جنگی، بدامنی، لاقانونیت، ظلم و ستم اور خونیں انقلاب کی فضا پیدا ہونے لگتی ہے۔ ایسے عالم میں معاشی ترقی اور بیرونی سرمایہ کاری کی راہ بھی مسدود ہو جایا کرتی ہے۔ اسلامیانِ پاکستان کے اس سیاسی نجات دہندہ کی آزادی کا ایک اور اہم گوشہ بیرونی حاکمیت سے نجات پانے سے منسلک ہے۔ ان کا نظریہ تھا کہ ہم ہر قسم کی بیرونی حاکمیت سے آزاد ہیں وگرنہ یہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے کے مترادف ہوگا۔ انھوں نے نومبر 1942ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں اپنے اس نظریے کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا:

"We want to be masters of our own land; we would like to say good-bye and farewell to British domination over this land".

اسی سال انھوں نے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور ان سے حسنِ سلوک کی ضمانت دیتے ہوئے فرمایا تھا:

"Our religious instruction enjoins that every non-Muslim minority under a Muslim government shall be treated justly and fairly".

مسلم مملکت کے قوانین کی پابندی کرنے والے پُرامن غیر مسلموں کی جان، مال، آبرو اور ان کے پرسنل لاء کی حفاظت حکومت پر لازم ہوتی ہے۔ پرامن بقائے باہمی کے اصول پر عمل کرنے والے تمام شہری اس کی حفاظت کے حقدار ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ کسی قسم کی تخریبی، ملک دشمن اور سازشی سرگرمیوں میں ملوث نہ ہوں۔ بانیٔ پاکستان اپنے خوابوں کی اس سرزمین کو ہر لحاظ سے مستحکم، خوشحال، پرامن، ترقی پذیر اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کا آئینہ دار دیکھنے کے آرزومند تھے۔ انھوں نے اس گلشن پاک کی آبیاری میں اپنا خونِ جگر صرف کیا تھا اور خود اس سے کوئی ذاتی مفادات وابستہ نہیں کیے تھے۔ ان کی مخلصانہ کوششوں، مومنانہ فراست، حق گوئی، بے باکی اور ایثار نفس سے متاثر ہو کر مسلم عوام نے ان کی آواز پر لبیک کہا۔ اور یوں یہ کاروانِ منزل مقصود کی جانب گامزن ہوتا گیا۔ یہ ان کی پُرکشش قیادت کا اثر ہی تھا کہ سب مسلمان اپنے فروعی، گروہی،

صوبائی اور مذہبی اختلافات کو بھلا کر ان کے پیچھے چل دیئے اور انھوں نے ایمان، اتحاد اور تنظیم کے زریں اصولوں پر عمل کرتے ہوئے آزادیٔ پاکستان اور مملکت اسلامیہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر دیا تھا۔

□□□